شفیق الرحمٰن

مکتبہ جدید لاہور

دائمی حقِ اشاعت ہندوستان و پاکستان اور جملہ ریاستوں

کیلئے

بحقِ مکتبہ جدید لاہور محفوظ ہیں

بار اوّل ۴۸ : بار چہارم ۵۲

پبلشرز: مکتبہ جدید لاہور :

پرنٹرز: سویرا آرٹ پریس لاہور

حماقتیں

امیر احمد کے نام ——!

# نیلی جھیل
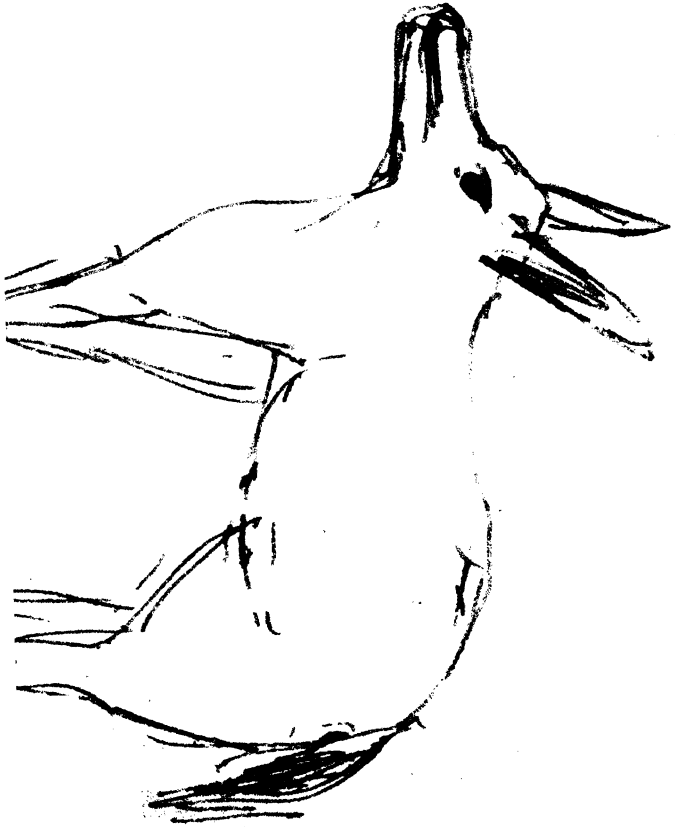
یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب رُوفی کے دانت پر بجلی گری (رُوفی جن کو بعد میں شیطان کا نام ملا) ـــــ بجلی سے بہت ڈرتے تھے جب بادل آتے تو وُہ بستروں میں چھپتے پھرتے سب کہتے کہ اگر بجلی کو گرنا ہے تو ضرور گرے گی۔ رُوفی جواب دیتے بیشک گرے لیکن اس طرح اُسے مجھے ڈھونڈنا تو پڑے گا۔ ہوا یوں کہ بارش ابھی ابھی تھمی تھی، رُوفی صوفے کے پیچھے سے نکل کر دبے پاؤں برامدے تک گئے یہ دیکھنے کہ بادل چھٹ گئے یا نہیں۔ اتنے میں زور سے بجلی کوندی اور ایک عظیم الشان دھماکا ہُوا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو اُن کا ایک دانت ہل رہا تھا۔ اُنہوں نے آئینہ دیکھا تو دانت کا کچھ حصہ سیاہ ہو چکا تھا۔ اگلے روز آس پاس مشہور ہو گیا کہ رات رُوفی میاں کے دانت پر بجلی گری ہے۔ وہ دو دن تک بستر پر پڑے رہے۔ لیکن اس طرح ہم اپنے آنے والے امتحان سے نہ بچ سکے۔ اس کمبخت امتحان نے ہماری نیند اڑا رکھی تھی۔ ماسٹر صاحب نے ہمارے ساتھ خاص رعایت کی تو ازراہِ کرم امتحان چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے۔ یوں تو وہ بیچلر آف آرٹس تھے لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ ہیں اور کئی بچوں کے باپ ہیں۔ وہ اُن حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے۔ آپ کی طرف سے خود جواب دیں گے اور آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا۔ اُن کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے حالانکہ اُن کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔ انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے یکلخت جوش میں آگئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا۔ رُونی کے ابا ہمیشہ اُن سے کہا کرتے تھے۔ کہ ماسٹر صاحب آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔ ایک روز ماسٹر صاحب نے اُن سے پوچھا کہ نمبر ایک کھلاڑی کون ہے؟ وہ بولے۔ پتہ نہیں

ساری کلاس کا امتحان ہو چکا تھا۔ صرف میں اور رُونی رہتے تھے نچلی جماعتوں میں رُونی کے چھوٹے بھائی ننھے میاں باقی تھے۔ کیونکہ اس بجلی کے گرنے کے سلسلے میں وہ بھی بطور تیمار دار شریک تھے میں اور رونی مجرموں کی طرح کمرے میں داخل ہوئے۔ ماسٹر صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمارا فقط زبانی امتحان لیں گے اور بالکل آسان سے سوال پوچھیں گے، گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے

اُنہوں نے رُونی سے پوچھا: "تمہیں کس نے بنایا؟"

رُونی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے "جناب اتنا تو مجھے خدا نے بنایا تھا، اس کے بعد میں خود بڑھا ہوں"۔

• "اس وقت تم ایک چھوٹے سے لڑکے ہو جب تم بڑے ہو گے تو کیا بنو گے"

• "میں انسان بنوں گا"۔

• "تم نے ایسی عجیب آنکھیں کہاں سے پائیں؟"

"جی — یہ چہرے کے ساتھ ہی آئی تھیں"۔

اب ماسٹر صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے — بتاؤ ہاتھی کہاں پائے جاتے ہیں؟

"جناب ہاتھی اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اُن کے کھوئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

"میرا مطلب ہے کہ ہاتھی ملتے کہاں ہیں؟"

"جہاں اور ہاتھی ہوں — وہاں"۔

"کیا یہ سچ ہے کہ ہاتھیوں کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور وہ کبھی نہیں بھولتے؟"

"جی ہاتھیوں کو یاد رکھنے کے لئے باتیں ہی کون سی ہوتی ہوں گی"۔

"اچھا! — لومڑی کی کھال کا کیا فائدہ ہے؟"

"لومڑی کو گرم رکھتی ہے"۔

ماسٹر صاحب کا چہرہ رُودی کی طرف پھر گیا — اگر ایک شخص نے ایک اُلّو پندرہ روپے تین آنے ایک پائی میں خریدا اور سات روپے دس آنے ساڑھے گیارہ پائی میں بیچ دیا تو اُسے کتنا نقصان ہوا؟

جناب — میں نے آج تک اُلّو اتنا مہنگا بکتا نہیں دیکھا" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اور تم نے؟"

"میں نے کبھی اُلّو دیکھا ہی نہیں"۔ رُودی بولے

"غضب خدا کا — تو آج تک تم نے اُلّو نہیں دیکھا — (چلّا کر) — میری طرف دیکھو — نیچے کیا دیکھ رہے ہو — اچھا میں سوال پھر دوہراتا ہوں —" ماسٹر صاحب نے سوال دوہرایا — "بتاؤ کتنا نقصان ہوا؟"

"جی روپوں میں نقصان ہوا اور آنے پائیوں میں نفع"۔ رودی بولے۔

"اچھا، آج تم نے جو سب سے عجیب واقعہ دیکھا ہو بیان کرو۔"

"جناب آج میں نے چند آدمیوں کو ایک گھوڑا اٹھاتے دیکھا۔"

"لکڑی کا گھوڑا --؟"

"جی نہیں اصلی گھوڑا، جیتا جاگتا گھوڑا ---- لیکن جب میں نے دیکھا تو وہ انتقال کر چکے تھے اور اس کے کھُروں میں نعلیں ٹھونک رہے تھے۔"

"ثابت کرو کہ قلم تلوار سے اہم ہے۔"

"جناب ---- تلوار سے چیک پر دستخط نہیں کئے جا سکتے۔"

ماسٹر صاحب کچھ کھچے کھچے سے ہو چلے تھے۔ انھوں نے میری طرف دیکھا اور بولے --- "آسٹریلیا کہاں ہے؟"

"جی --- جغرافیے کے پچاسویں صفحے پر۔"

"جغرافیے میں نہیں۔ ویسے کہاں ہے؟"

"جناب آسٹریلیا کرۂ ارض پر ہے۔"

"تربوز کے فوائد بیان کرو۔"

"تربوز ایک ایسا پھل ہے جسے کھا بھی سکتے ہیں۔ پی بھی سکتے ہیں اور اس سے ہاتھ منہ بھی دھو سکتے ہیں۔"

"اور ناریل؟"

"جی --- ناریل پر ٹکٹ لگا کر اور پتہ لکھ کر بطور پارسل کے بھیج سکتے ہیں۔"

"اچھا --- حروفِ اضافت کیا ہوتے ہیں؟"

"جناب حروفِ اضافت وہ ہوتے ہیں جو اضافہ کرتے ہیں اور جنہیں پڑھ کر کچھ اور حروف

یاد آجاتے ہیں ---"

"مثلاً ---

مثلاً گھڑی ساز یوں معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ ساز ہو، یا اللہ معلوم ہوتا ہے مجرد مجرب اور طبلہ نواز بندہ نواز معلوم ہوتا ہے اور ---"

"بس بس" --- ماسٹر صاحب بالکل خفا ہو گئے

اب ننھے میاں کو بلایا گیا۔

"ننھے گنتی گن کر دکھاؤ" ماسٹر صاحب بولے

"ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، غلام، بیگم اور بادشاہ" ننھے نے فاتحانہ انداز سے کہا۔

اس میں غریب ننھے کا بھی قصور نہیں تھا۔ ان دنوں گھر میں تاش خوب ہوتی تھی۔

شام کو ماسٹر صاحب ہمارے ہاں آئے اور ابا سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں سوتے وقت ہمیں سنایا گیا کہ ہماری تعلیمی حالت بہت کمزور ہے۔ چنانچہ ماسٹر صاحب ہمیں گھر پڑھانے آیا کریں گے۔ اس خبر نے ہمیں اداس کر دیا۔

اگلے روز اتوار تھا۔ علی الصبح ہم نے مچھلیاں پکڑنے کا سامان لیا اور ---- جھیل کا رخ کیا۔ اس ٹیوشن کی خبر نے ہمیں بے حد رنجیدہ کر دیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جو تھوڑی بہت آزادی میسر تھی وہ بھی چھن گئی ہے۔

جھیل کے شفاف اور نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ دور بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوا میں تیر رہے تھے۔ کناروں پر مچھلیاں اچھل رہی تھیں اور پرندے چہچہا رہے تھے اور بے شمار تتلیاں اڑ رہی تھیں۔ جھیل کے کنارے دور دور تک پھیلے گئے تھے۔ دوسرا کنارہ بہت دور تھا اور کبھی کبھار ہی دکھائی

دیتا تھا۔ جب بارش تھمی ہو یا دن بالکل صاف ہو تو ہر بار کسی نئی شکل میں دکھائی دیتا، کبھی دور دور تک محل اور قلعے دکھائی دینے، کبھی گھنے اور سرسبز باغ، اور کبھی ریت کے ٹیلے اور نخلستان نظر آتے

ہم ہر اتوار جھیل کے کنارے گزارتے، بڑے اہتمام سے مچھلیاں پکڑنے کا پروگرام بنتا، مچھلیاں پکڑنے کا سامان بھی ساتھ ہوتا۔ ہمارے مچھلیاں پکڑنے کے طریقے بھی صحیح تھے لیکن ہم نے کبھی وہاں ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی۔ انجینئر صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ اس جھیل میں مچھلیاں بالکل نہیں تھیں۔ جھیل کے پانی میں کوئی خرابی تھی، معدنیات کے کچھ ایسے اجزا شامل تھے جن میں مچھلیاں زندہ نہیں رہ سکتی تھیں لیکن ہمیں اس پر بالکل یقین نہ آیا۔ ایسی خوشنما جھیل میں تو مچھلیاں دور دور سے آ کر رہیں گی۔

ہم اداس ہوتے یا ہمیں دھمکایا جاتا تو ہم سیدھے جھیل کا رخ کرتے۔ ٹانگیں پانی میں ڈال کر گھاس اور پھولوں پر بیٹھ جاتے۔ بادشاہوں، پریوں اور بحری ڈاکوؤں کی کہانیاں پڑھتے، ذرا سی دیر میں ہم بھول جاتے کہ اس خوبصورت گوشے کے علاوہ دنیا کے اور حصے بھی ہیں جہاں سکول ہیں، سکول کا کام ہے، ماسٹر صاحب کی ڈانٹ ہے، گھر والوں کی گھڑکیاں ہیں۔

ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرتے جسے دیکھنے کا ہمیں بے حد شوق تھا۔ ہم قیاس آرائیاں کرتے کہ وہاں کیا کچھ ہوگا۔ شاید وہاں کسی اور قسم کی دنیا ہوگی، اور طرح کے لوگ ہوں گے۔ ہم نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ کہیں سے ایک کشتی لے کر چپکے سے نکل جائیں اور جھیل کو عبور کر کے دوسری طرف جا پہنچیں لیکن ہمیں کشتی نہ مل سکی۔ ہمیں تیرنا نہ آتا تھا۔ کنارے کنارے چل کر دوسری طرف جانا ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے میں کئی رکاوٹیں تھیں۔

جب ہم چاندنی رات میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر ایک دوسرے کو پریوں کی کہانیاں سناتے تو جیسے سارے کردار ہماری آنکھوں کے سامنے چلنے پھرنے لگتے۔ چاندنی کچھ یوں بدل جاتی اور دوسرا کنارا ایسا پراسرار معلوم ہونے لگتا کہ ہم سچ مچ پریوں کے ملک میں پہنچ جاتے۔

دروازہ بند کر دیجئے۔

ہمیں خاص طور پر کہا گیا تھا کہ ہم اس طوطے کے ساتھ باتیں کیا کریں اور اُسے اچھے اچھے فقرے سکھائیں لیکن ہمیں دیکھ کر نہ جانے اُسے کیا ہو جاتا بس وہ ایک فقرے کی جاپ کرنے لگتا۔ "میاں مٹھو ہوں، میاں مٹھو ہوں"۔ ہم اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ بولو مٹھو، شاباش، باتیں کرو، یہ کرو، وہ کرو، نئے نئے فقرے سکھاتے۔ لیکن اُس کی میاں مٹھو ختم نہ ہوتی، اور ساتھ ہی وہ ہماری طرف اس انداز سے دیکھتا جیسے جواب کا منتظر ہو۔ ہر مرتبہ کچھ اس قسم کی گفتگو ہوتی۔

"ہلو"۔ وہ کہتا

"ہلو بھئی طوطے۔ سناؤ کیا حال ہے؟"

"میاں مٹھو ہوں"۔ بڑے پیار بھرے لہجے میں جواب ملتا۔

"ہاں ہو"۔

"میاں مٹھو ہوں"۔ چلّا کر۔

"درست کہتے ہو"۔

"میاں مٹھو ہوں"۔ اس مرتبہ لہجہ سوالیہ ہوتا۔

"ہو گے۔!"

"میاں مٹھو ہوں"۔ بڑی حیرانی کے ساتھ

"تو پھر کیا کریں۔؟"

"میاں مٹھو ہوں۔ میاں مٹھو ہوں"۔ غصّے میں۔

"مان لیا بابا، مان لیا، عجب نامعقول طوطا ہے"۔

"میاں مٹھو ہوں، میاں مٹھو ہوں، میاں . . .!"

اور ہم وہاں سے چلے آئے۔

کچھ سفید رنگ کی موٹی موٹی ایرانی بلیاں بھی تھیں جو اس قدر مغرور تھیں کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی
ں البتہ ایک چھوٹی سی بلی بڑی ذہین اور سمجھدار تھی۔ وہ صبح صبح ہمیں جگانے آتی چپکے سے پلنگ پر
ملکر پاؤں میں ہلکی سی گدگدی کرتی — جگا کر ایک کونے میں انتظار کرتی کہ کہیں ہم دوبارہ نہ سو جائیں
بڑے کمرے میں کچھ قالین تھے، اتنے خوبصورت کہ انہیں فرش پر دیکھ کر ہمیں بڑا افسوس ہوتا
ں میں جو بڑا قالین تھا۔ اس کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔ اس طرح کہ وہاں پر نہ صوفہ رکھا جا سکتا تھا نہ کوئی
ر جب کبھی مہمان آتے تو وہی عقلمند بلی اس جلے ہوئے حصے پر بٹھا دی جاتی۔ وہ کچھ اس انداز سے
ں بیٹھتی جیسے اسے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ اسے لاکھ بلاتے، بہلاتے پھسلاتے، پیار کرتے،
ن وہ وہاں سے تب تک نہ ہلتی جب تک وہ سب چلے نہ جاتے۔ باہر والوں میں سے کسی کو پتہ تک نہ
ہ ہمارا خوبصورت قالین جلا ہوا ہے۔

ان دنوں رُوفی اور میں اوپر کے کمرے میں رہتے تھے۔ کیونکہ رُوفی کا خیال تھا ——————
—————— کہ سطح سمندر سے زیادہ بلندی کی وجہ سے اسکی آب ہوا بہتر ہے

ٹیوشن شروع ہو گئی، دن بھر سکول رہتا، شام کو ماسٹر صاحب تشریف لاتے، چلتے وقت فالتو
ے جانے جس کے لئے دیر تک جاگنا پڑتا۔ بعض اوقات رُوفی کے ابا ہمیں سیر پہ لے جاتے اور راستے بھر
و اقسام کی ہدایتیں ملتیں۔ یکو، یہ مت کرو، اگر یوں کرو تو یوں ضرور کرو، اور اگر یوں نہیں کرتے۔ تو
ی مت کرو۔ ایک روز انہوں نے ہمیں کلب جانے کو کہا۔ بولے — اس طرح تمہاری معلومات
بڑھنا نہ ہو گا اور گفتگو کرنے وقت اب جو جھجک محسوس ہوتی ہے۔ وہ دُور ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم
ہ جا کر دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بہت بڑی سجی سجائی عمارت سنسان پڑی ہے اور ایک لمبے سے

کمرے میں بہت سے معمر حضرات بالکل بیزار بیٹھے ہیں۔ ہم ایک کونے میں چوروں کی طرح کھڑے تھے کہ انجینئر صاحب نے بلایا اور پاس بٹھا لیا، کچھ دیر خاموشی رہی، وہ بولے ـــ "بھئی لڑکو! کوئی بات چیت کرو"ـــ میں نے رُوفی کی طرف دیکھا۔ انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں نے گلا صاف کیا اور سوچنے لگا کہ کیا کہوں۔ چند روز پہلے ہم نے سُنا تھا کہ شاہ امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا ہے۔ چلو اسی سے گفتگو شروع کرتے ہیں۔

"وہ سُنا آپ نے ـــ امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"اچھا؟ ـــ کب؟" انجینئر صاحب بولے

"کچھ دن ہوئے۔"

"اُن کی بغل میں جو صاحب بیٹھے تھے بولے ـــ "کس نے تخت چھوڑ دیا؟"

"جی، امان اللہ خاں نے۔"

"اوہ!" کہہ کر وہ خاموش ہو گئے

"کیا ہوا؟ ـــ کون تھا؟" ایک صاحب جو اُن کے بالکل قریب بیٹھے تھے بولے

"جی امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"اوہ ـــ!"

اُن کے سامنے بیٹھے ہوئے صاحب کچھ دیر کے بعد چونک کر بولے "یہ کن صاحب کا ذکر ہو رہا ہے؟"

"جی امان اللہ خاں کا۔"

"انہیں کیا ہوا؟"

"انہوں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"اچھا!"

"بھئی یہ اکیلے ہی اکیلے کیا باتیں ہو رہی ہیں ــــ ہمیں بھی تو بتاؤ" ایک طرف سے آواز آئی۔

"جی، امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"افوہ، بڑا افسوس ہوا۔ کون تھے وہ؟"

"جی، بادشاہ تھے۔"

"کہاں کے؟"

"افغانستان کے۔"

"اچھا۔"

میرے داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے صاحب یکلخت اچھل پڑے ــ "کیا کسی نے تخت چھوڑ دیا؟"

"جی ہاں۔"

"کس نے؟"

"امان اللہ خاں نے۔"

"اوہ ــــ امان اللہ خاں نے ــ"

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر سامنے کے صوفے پر ایک صاحب ہڑبڑا کر کہ اٹھے ــــ "یہ کوئی کسی کے ۔۔ڑ دینے کا ذکر کر رہا تھا ــــ کیا ہوا؟"

"جی، امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا ــ"

"ارے" ــــ

غرضیکہ اسی طرح باری باری ہر شخص نے پوچھا کہ کیا ہوا اور مجھے کوئی پچاس مرتبہ بتانا پڑا کہ اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔ ہم نہایت بیزار ہو کر واپس لوٹے۔ گھر میں سب بیٹھے باتیں کر رہے

تھے۔ جھیل کی باتیں شروع ہو گئیں مچھلیوں کے متعلق اُن کے شبہات بدستور تھے۔ ہم نے بڑے وثوق سے
وہاں بڑی بڑی مچھلیاں ہیں۔ ہم اکثر پکڑتے رہے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ انہیں بھونا بھی ہے۔ بولے۔ ا
اس مرتبہ پکڑ کر تو گھر لانا ہم بھی چکھیں گے۔"

اگلے اتوار کو ہم صبح سے شام تک بنسیاں پانی میں ڈالے بیٹھے رہے لیکن کچھ نہ ملا۔ واپسی پر
ہم مچھلی والے سے بڑی بڑی مچھلیاں خریدی گئیں اور باورچی کے حوالے کی گئیں۔ اتفاق سے اس شب
سب کہیں باہر مدعو تھے۔ گھر میں صرف ہم اور ننھے میاں تھے اور ایک بزرگ جو ننھے میاں کو ساتھ بٹھا
کھایا کرتے۔ رات کو انہیں اچھی طرح دکھائی نہ دیتا تھا۔ ننھے میاں پہلے تو دسترخوان پر بیٹھتے پھر
اُٹھ جاتے۔ اُدھر بلیاں قطار باندھے کیو لگائے منتظر ہوتیں اور بڑے اطمینان سے ساتھ آ بیٹھتیں
وہ یہی سمجھتے کہ ننھے میاں ساتھ بیٹھے ہیں۔ چنانچہ وہ بار بار بلیوں سے کہتے ـــــ برخوردار بھوکے نہ
رہنا۔ چیزیں اُٹھا اُٹھا کر اُن کے سامنے رکھتے ـــــ یہ چکھو برخوردار ـــــ یہ بھی کھاؤ برخوردار ـــــ
بلیاں بڑے سکون سے کھاتیں۔

چنانچہ ہماری خریدی ہوئی مچھلیاں اس روز بلیوں نے کھائیں۔ اگلی مرتبہ ہم جھیل پر گئے۔
مچھلیاں خرید کر لائے تو نہ جانے کس کے مشورے سے مچھلیاں ڈاکٹر صاحب کے ہاں بھیج دی گئیں۔
اگلی مرتبہ انجینئر صاحب کے ہاں۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ سب کے سامنے مچھلی والا حساب لے کر آ گیا۔ ہ
جیب خرچ ختم ہو چکا تھا اور مچھلیاں اُدھار آ رہی تھیں۔ سب کو پتہ چل گیا۔ ہمارا خوب مذاق اُ
ہمیں ہدایت کی گئی کہ ہم آئندہ جھیل پر نہ جایا کریں۔ ہم وہاں محض وقت ضائع کرنے جاتے ہیں۔ ج
وہاں مچھلیاں ہیں ہی نہیں تو وہاں جانا بالکل بے سود ہے۔

ہم سکول کا کام کر رہے تھے۔ رستم ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ ہمارے دل میں بار بار یہی خیال آ
تھا کہ وہاں جانا بے سود کیوں ہے۔ رستم کہہ رہا تھا۔ لڑکو جب تم بڑے ہو جاؤ گے تب تمہیں م

ماکہ دنیا میں جس کام سے کسی فائدے کی اُمید نہیں ہے وہ بیہودہ ہے۔ دُنیا میں لوگ صرف وہی کام
تے ہیں جس میں نفع ہو۔ صرف اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو فائدہ پہنچا سکیں۔ صرف وہ باتیں سوچتے ہیں
سُودمند ہوں باقی کے سب کام، سب انسان اور سب باتیں بیکار ہیں۔

اگلے اتوار کو سب کہیں باہر جا رہے تھے ہمیں حکم ملا کہ ہم دن بھر گھر کی رکھوالی کریں گے چھوٹے
بائے ننھے میاں ٹیلیفون اور ملاقاتیوں کا خیال رکھیں گے۔ ماسٹر صاحب نے ہمیں گھوڑے پر جواب مضمون
نے کو کہا تھا۔

میں اور رُوفی کمرے میں کاپیاں لئے بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں ننھا کھیل رہا تھا۔ ننھے میاں
ن میں بچوں کے ساتھ تھے۔

رستم پوچھنے لگا۔ "کیا لکھ رہے ہو؟" ہم نے بتایا۔ بولا "یوں بھی کبھی مضمون لکھے گئے ہیں
ل مضمون ہو یا جواب مضمون، جس چیز پر لکھنا ہو اُسے دیکھ کر لکھو۔ میں ابھی گھوڑا لاتا ہوں"۔
ھوڑا لے آیا۔ "اب اس پر سوار ہو کر لکھو۔ تمہیں گھوڑے پر جواب مضمون لکھنا ہے۔"
وہ گھوڑا بہت اُونچا تھا۔ ہم زینے پر کھڑے ہو گئے۔ رستم گھوڑے کو کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کر
تا رہا۔ بڑی مشکلوں سے گھوڑا نزدیک آیا۔ ابھی رُوفی نے اپنا پاؤں اس پر رکھا ہی تھا کہ وہ آگے چل دیا۔ کئی مرتبہ
طرح ہوا۔ آخر طے ہوا کہ گھوڑے پر سیڑھی لگا کر چڑھا جائے۔ رستم بولا۔ "اگر تم دونوں نے اس گھوڑے پر چڑھ کر مضمون
و دونوں کا مضمون ایک سا ہو گا۔ میں ایک اور گھوڑا لاتا ہوں۔" ہم نے کہا "نہیں یہی کافی ہے" بمشکل رُوفی گھوڑے
رہ گئے۔ وہ اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ رستم کو بھی ساتھ بیٹھنا پڑا۔ میں نے انکار کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے گھوڑا
کر سرپٹ بھاگا۔ رستم نے چار یا شاید پانچ نہایت اعلیٰ درجے کی نفیس قلابازیاں کھائیں اور رُوفی نے کسی
شتی نٹ کی طرح تماشا دکھایا۔

کپڑے جھاڑتے ہوئے رُوفی رستم سے بولے ۔" گھوڑے پر ان دونوں سواریوں کا شکریہ"۔

"دو سواریاں کیسی؟"

"میری پہلی اور آخری سواری"۔

باورچی کو کہا گیا تھا کہ وہ ننھے کا خیال رکھے لیکن وہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد باورچی خانے کی کھڑکی سے سر نکال کر ننھے کی طرف دیکھے بغیر چلّاتا تھا ۔" ننھے یوں مت کرو ۔ خبردار ننھے ۔ جو یہ کیا ہے تو" پھر یکا یک ننھے کے رونے کی آواز آئی ، ہم بھاگے بھاگے پہنچے ۔" ننھے کو چوٹ کیونکر لگی؟" ہم باورچی سے پوچھا۔

"وہ سامنے سیڑھیاں دیکھیں آپ نے؟"

"ہاں"۔

"بس وہ ننھے نے نہیں دیکھیں"۔

ہم نے اُسے چُپ کرانے کے لئے بہتیرے جتن کئے ۔ آخر رستم نے مشورہ دیا کہ اُسے گائے کا دودھ پلایا جائے ۔ باورچی دودھ لایا ۔ ہم نے اس سے پوچھا " یہ تازہ تو ہے نا؟"

"تازہ ہے ۔ چند گھنٹے پہلے یہ سبز گھاس تھا"۔

ننھے نے چکھا لیکن پینے سے انکار کر دیا ۔ معلوم ہوا کہ دودھ پھیکا تھا ۔ باورچی سے شکر لانے کو کہا گیا ۔ اس نے گھر چھان مارا لیکن شکر نہ ملی ۔ رستم بولا " ابھی صبح پانچ سیر شکر آئی تھی ۔ باورچی خلا میں نے خود دیکھی ہے "۔

باورچی مسکرایا اور بولا " اوہ ! مجھے یاد آیا"۔

اندر گیا ، کچھ دیر میں خالی ہاتھ لوٹا ۔" وہاں تو نہیں ملی"۔

"تو پھر کہاں گئی؟"

"کسی کتے بلی نے کھالی ہوگی۔" وہ بولا۔

اندر جا کر دیکھتے ہیں تو ایک کتا خواب خرگوش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اُسے جگانے سے پہلے
ن نے پوچھا "کیا کتے شکر کھاتے ہیں؟"

"اور کتوں کا پتہ نہیں، یہ کتا بیحد چٹورا ہے میٹھی چیز تو کبھی نہیں چھوڑتا، ضرور اسی نے شکر کھائی
ہے۔ اسے تول کر دیکھ لیجئے۔"

کتے کو جگایا گیا۔ ترازو منگائی گئی، اُسے تولا گیا ــــ وہ پورا پانچ سیر تھا۔

"شکر کا وزن تو پورا ہوگیا۔" رُوفی باورچی سے بولے "اب کتا کہاں گیا؟"

باورچی سے جب اور کئی سوال پوچھے گئے تو وہ بولا ــــ "میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں
تاکہ دکھائی دیتا ہوں۔"

"کاش کہ تم ہوتے۔" رستم بولا

اتنے میں ننھے میاں آگئے۔ ننھے میاں خود چار ساڑھے سال کے تھے، اور چھوٹے ننھے سے دو سال
بڑے تھے ہم نے ان کی خوشامد کی کہ چھوٹے ننھے کے ساتھ کھیلو۔ انہوں نے بڑی حقارت سے ننھے کی طرف
دیکھا اور بولے "اس کے ساتھ؟ ــــ اونہہ ــــ یہ تو بچہ ہے۔"

ننھا خوب رو رہا تھا۔ آخر ہم نے تنگ آکر ریڈیو لگا دیا اور اسے اتنا بلند کر دیا کہ ننھے کی آواز دب
گئی۔ ہوشیاری سے اس طوطے کو نکال کر ریڈیو کے سامنے بٹھا دیا۔ سیاہی سے ننھے میاں کی داڑھی اور مونچھیں
بنائی گئیں۔ بلیوں کے چہرے پر پاؤڈر، سُرخی اور لپ سٹک لگائی گئی۔ کتے کے گلے میں سفید کالر اور
بٹ بڑھیا ٹائی باندھی گئی۔ سر پہ ہیٹ اٹھایا گیا۔ گھوڑے کے سر پر کلاہ رکھ کر صافہ باندھا گیا۔

فون آیا ــــ رُوفی نے ریسیور اٹھایا اور ننھے کے منہ کے سامنے کر دیا۔ ننھا خوب مزے
لے کر رو رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد پھر فون آیا۔ رُونی نے پوچھا "کون صاحب بول رہے ہیں؟"
آواز آئی — "انعام علی، اکرام علی، الہام علی اینڈ کمپنی —"
"اوہ — آداب عرض، آداب عرض، اور آداب عرض!" اور رسیور رکھ دیا۔
گھر میں خوب اُودھم مچایا گیا، صندوقوں اور الماریوں کی تلاشی لی گئی۔ بندوق نکال کر چلائی
گئی، دو گھڑے پھوٹ گئے۔ پھر فون کیا گیا۔
"کون سا نمبر چاہیئے؟"
"کوئی سا نمبر دے دیجیئے" رُونی بولے
"آپ بتائیے۔"
"آپ خود کوئی اچھا سا نمبر دے دیجیئے۔"
"نہیں آپ۔"
"واللہ آپ۔"
"آپ بتاتے ہیں یا نہیں؟"
رُونی نے ڈائل پر لکھا ہوا نمبر پڑھا — "مجھے یہ نمبر چاہیئے۔"
"یہ تو آپ کا نمبر ہے۔"
"تو پھر میں اپنے آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"
جب شام کو سب آئے تو ہم بڑی سنجیدگی سے سوال نکال رہے تھے۔ ننھا رونے کے شغل سے
تنگ آ کر سو چکا تھا۔ ننھے میاں کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہیں۔ کچھ دیر میں وہ سب کے سامنے سے گذ
رکچھ چیزیں چرائے لئے جا رہے تھے، منہ سفید کریم سے لپا ہوا تھا۔ انہیں پکڑا گیا۔ معلوم ہوا کہ
آپ نے وینشنگ کریم VANISHING CREAM لگائی ہے اور آپ کا خیال ہے کہ آپ سب کو

نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور آپ کو چوری کرتے ہوئے کوئی نہیں دیکھ رہا۔

صبح صبح باہر آہٹ ہوئی ہم نے آواز دی۔ باورچی تھا۔ "مجھے چھ بجے جگا دینا"۔ رومی بولے
"چھ تو بج گئے"۔
"تو مجھے جگا دو"۔
ہم باہر نکلے، پچھلے سے گلائے کا موٹا تازہ اور بیل نما بچھڑا کھولا۔ اس پر زین کسی گئی۔ ایک سینگ پر سائیکل کا لیمپ لگایا گیا۔ دوسرے پر گھنٹی اور ہارن فٹ کئے گئے۔ ہم دونوں سوار ہو کر سیر کے لئے نکلے۔ رومی نے دونوں سینگ یوں پکڑ رکھے تھے جیسے موٹر چلا رہے ہوں لیمپ روشن تھا، ہم ہارن بھی بجاتے تھے اور گھنٹی بھی۔

ماسٹر صاحب بالکل ہمارے پڑوس میں رہتے تھے۔ انہوں نے مرغیاں، بطخیں، خرگوش اور نہ جانے کیا کیا الابلا پال رکھی تھی۔ راستے میں طے ہوا کہ آج دوپہر کو چھت پر چڑھ کر آئینے کی مدد سے ان کے پرندوں اور جانوروں پر سورج کی شعاعیں پھینکی جائیں۔ دوپہر کو رومی اندر سے ایک بڑا سا آئینہ اٹھا لائے ہم نے شعاعیں پھینکیں، مرغیاں اور بطخیں اڑ کر سڑک پر چلی گئیں، کچھ ہمارے ہاں آ گئیں، خرگوش اندر جا چھپے اور پھر رومی کے ہاتھ سے جو آئینہ پھسلا ہے تو چور چور ہو گیا۔ ہم نے رستم کو بتایا وہ بولا۔ غضب ہو گیا یہ آئینہ تو بہت پرانا تھا۔ کئی نسلوں سے آپ کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ ہم بہت ڈرے۔ وہ بولا۔
"اچھا میں موقعہ پا کر صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہ آئینہ جو نسلاً بعد نسلاً آپ کے ہاں چلا آتا تھا ـــ"
"ہاں ہاں اسے کیا ہو گیا؟" ہم نے بے صبری سے پوچھا
"اسے اس نسل نے توڑ دیا ہے"۔
ہم منتیں کرنے لگے کہ کسی کو مت بتانا، ہم دوسرا خرید لائیں گے بالکل ایسا ہی مصیبت یہ

تھی کہ ان دنوں ہم بالکل مفلس تھے۔ میری سائیکل میں اتنے پنکچر لگے ہوئے تھے کہ سائیکل والا عاجز آ چکا تھا۔ آخری مرتبہ جب میں ایک اور پنکچر لگوانے گیا تو اُس نے مجھے ٹیوب دکھائی۔ پنکچروں پہ پنکچر اور اُن پر اور پنکچر لگے ہوئے تھے۔ وہ بولا ”اب میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ اس ٹیوب پر ایک نئی ٹیوب چڑھا دوں، بس۔“

اُدھر رُوفی کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ ہم نے رستم سے اُدھار کے لئے کہا۔ وہ بولا ”مجھے تو پڑوسیوں نے کنگال کر رکھا ہے۔ سب کچھ اُدھار لے جاتے ہیں بعض اوقات جو چیزیں میں خود اُدھار لاتا ہوں۔ وہ اُنہیں بھی اُدھار لے جاتے ہیں۔ میری تنخواہ، میرے برتن، کپڑے، صندوق، سب کچھ اُن کے ہاں رہتا ہے۔ اُن کے ہاں میری اتنی چیزیں ہیں کہ اپنے گھر کی نسبت اُن کے ہاں میرا زیادہ جی لگتا ہے یہاں تک کہ ایک روز وہ میرے مصنوعی دانت اور عینک بھی اُدھار لے گئے تھے۔“

ہم بڑے گھبرائے۔ آخر طے ہوا کہ باورچی سے روپے مانگے جائیں اور مانگتے وقت اُسے باورچی نہ کہا جائے بلکہ خانساماں کہا جائے۔ مشکلوں سے اُس نے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے اُدھار لے کر ہمیں کل روپے دے گا اور ہم اُسے گیارہ بجے بازار میں ملیں۔

ہم سکول سے بھاگ کر بازار پہنچے، دیر تک انتظار کرتے رہے لیکن وہ ہمیں نہ ملا۔ اُدھر یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں کوئی ہمیں بازار میں دیکھ نہ لے۔ آخر ہم ایک دُکان میں جا گھسے اور یونہی قیمتیں پوچھنے لگے

رُوفی نے ایک مفلر کی قیمت پوچھی۔ دُکاندار بولا ”پچاس روپے۔“

”لاحول ولاقوۃ ۔۔۔ اور اس قلم کی کیا قیمت ہے؟“

”دو لاحول ولاقوتیں۔“

”یعنی؟“

”یعنی سو روپے۔“

"اچھا کوٹوں کا کپڑا تو دکھایئے۔"

ہم کپڑے بھی دیکھ رہے تھے اور سڑک کی طرف بھی۔ تھوڑی سی دیر میں ہم نے سارے تھان الٹ پلٹ کر رکھ دیئے۔ دکاندار بولا۔ "تو کون سا کپڑا پسند آیا آپ کو؟"

"جناب معاف فرمائیے ہمیں کپڑا نہیں خریدنا تھا۔ دراصل ہم اپنے باورچی کی تلاش میں ہیں۔"

"تو اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ کا باورچی ان دو باقیماندہ تھانوں میں لپٹا ہوا ہے تو میں وہ بھی دکھائے دیتا ہوں۔"

وہ بقیہ تھان لینے مڑا اور ہم وہاں سے بھاگے۔

آخر ہمیں باورچی مل ہی گیا۔

"اتنی دیر لگا دی؟ پتہ بھی ہے اب کیا بجا ہے؟" ہم نے اس سے تنکا تنکا کہا

"میں مختلف آدمیوں سے وقت پوچھتا رہا ہوں۔ کوئی کچھ بتاتا ہے کوئی کچھ۔"

"وہ سامنے دیکھو۔" ایک کلاک میں پورے بارہ بجے ہوئے تھے۔

"ارے۔" وہ چونک کر بولا "یہ کلاک کی دوسری سوئی کہاں گئی؟"

ہم نے آئینہ خریدا۔ واپسی پر وہ بولا۔ "میں ڈاک کا بہانہ کر کے آیا ہوں، ڈاکخانے ہو کر چلیں گے"

اور ہم راستے بھر ڈرتے آئے کہ کہیں کوئی ہمیں اور آئینے کو دیکھ نہ لے۔

"کوئی ڈاک تھی؟"

"ڈاک تو نہیں تھی، فقط ایک خط تھا۔" وہ بولا۔

آئینہ رستم کو دکھایا گیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس کے سامنے وہی آئینہ دو مرتبہ ٹوٹ چکا ہے۔ دونوں مرتبہ نیا خریدا گیا۔ لیکن شکر ہے کہ وہ آئینہ جو نسلاً بعد نسلاً چلا آ رہا تھا۔ بالکل صحیح سلامت ہے"

رات کو ہم نے دیکھا کہ رستم کے ابا دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے ڈیپارٹمنٹل امتحان

ہو رہے تھے۔ روفی اندر گئے، سلام کیا اور بولے۔ "سنائیے ابا جان پرچے کیسے ہو رہے ہیں؟"

"اچھے ہو رہے ہیں۔ شکریہ۔"

"امتحان مشکل تو نہیں لگ رہا؟"

"نہیں۔ آسان ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"پھر بھی آپ اتنی محنت نہ کیا کریں ساتتی و ٹینک، جاگا بھی مت کریں۔ ورنہ صحت پر برا اثر پڑیگا اور اپنی عینک سنبھال کر رکھا کریں، نوکر اکثر لگا لیتے ہیں۔"

روفی کے ابا کی عینک کچھ ایسی تھی کہ جو اسے لگاتا چند قدم چل کر دھڑام سے گرتا۔ ہم نے کئی مرتبہ تجربہ کیا تھا۔

روفی کے ہاں اُن کے کئی رشتہ دار ملنے آئے۔ اُن کے ساتھ بے شمار بچے تھے۔ نہایت شوخ اور شریر قسم کے بچے۔

روفی کی امی نے ننھے میاں کو کہا "ننھے دادی جان کو پیار کرو۔"

"امی۔ نیر انصور" انہوں نے ٹھنک کر کہا۔

"اچھا انہیں اپنا سبق پڑھ کر سناؤ، یا چلو کوئی ضرب المثل ہی سنا دو۔"

"کل کا کام آج پر مت چھوڑو۔" ننھے میاں سینہ تان کر بولے

"غلط ہے۔ سوچ کر پھر بتاؤ۔" اُن کی امی نے ڈانٹا۔

"آج کا کام پرسوں پر مت چھوڑو۔"

"چلو رہنے دو۔" اُن کی دادی جان بولیں "اچھا یہ بتاؤ تم صبح کتنے بجے جاگتے ہو؟"

"جب سب جاگتے ہیں۔"

"بچوں کو تو مرغ کی اذان کے ساتھ اُٹھنا چاہیے۔"

"جی ہمارے ہاں مرغ ہیں ہی نہیں۔"

"تو سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اُٹھنا چاہیے۔"

"جس کمرے میں ہم سوتے ہیں اُس کا رُخ مغرب کی طرف ہے۔"

بچوں نے ہمیں پریشان کر دیا۔ ایک پوچھتا تھا۔ بھائی جان چڑیا گھر کو چڑیا گھر کیوں کہتے ہیں؟ دوسرا یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ چیتے اور شیر وغیرہ سرکس سے پہلے کیا کیا کرتے تھے۔ ایک کا غبارہ اُڑ گیا۔ وہ یہ دریافت فرما رہے تھے کہ کششِ ثقل نے غبارے کو روکا کیوں نہیں کشش ثقل سے اُن کا اعتبار اُٹھ چلا تھا۔

ایک بچے نے بتایا کہ اُس نے ایک شخص دیکھا تھا جس کا نصف چہرہ بالکل سیاہ تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" رُوفی بولے

"اُس کا بقیہ نصف چہرہ بھی سیاہ تھا۔"

دوسرا بولا۔ "ہمارے ماسٹر صاحب بارش میں چھتری استعمال نہیں کرتے۔"

"تو پھر کیا کرتے ہیں؟"

"بس بھیگ جاتے ہیں۔"

تیسرا بھاگا بھاگا آیا۔ "امی جان میں نے باغ میں خرگوش دیکھا ہے۔"

"وہم ہو گا۔"

"اچھا تو کیا وہم کی ایک سفید دُم اور دو لمبے لمبے کان ہوتے ہیں؟"

ہم تنگ آ گئے۔ عجب گستاخ اور بیوقوف بچوں سے واسطہ پڑا تھا۔ رُوفی اور میں اُٹھے

"کہاں جا رہے ہو؟"

"باغ میں — پھل توڑنے"

"لیکن پھل تو ابھی کچے ہیں — ابھی کل تو دیکھے تھے۔"

"شاید کچھ پک گئے ہوں۔"

"بیٹھے رہو — پھر کبھی دیکھ لینا۔"

اور ہمیں بیٹھنا پڑا۔

ایک بزرگ فرماتے تھے — "جب میں چھوٹا سا تھا تو اس قدر نحیف تھا۔ اس قدر کمزور تھا کہ میرا وزن کل چار پاؤنڈ تھا، مجھے دنیا بھر کی بیماریوں نے گھیرے رکھا —"

"تو کیا آپ زندہ رہتے تھے؟" ایک ننھا بولا۔

ایک خاتون فرما رہی تھیں — "اس وقت ہندوستان میں ہم جاگ رہے ہیں لیکن امریکہ کے بعض حصوں کے لوگ سو رہے ہوں گے —"

"سست الوجود کہیں کے —" ایک اور ننھے نے بات کاٹی۔

"آئس کریم جلدی سے کھا لو، ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"یہ کافی تو جلی ہوئی ہے" — ایک بچے نے نعرہ لگایا۔ اسے بتایا گیا کہ کافی کا ذائقہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ نہ مانا اور مصر رہا کہ کافی جلی ہوئی ہے۔

دادی جان ننھے میاں سے پوچھ رہی تھیں "کیوں ننھے یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟"

"جی جاتی واتی تو کہیں نہیں ہر صبح مجھے یہیں ملتی ہے۔ اگر رات کو کہیں چلی جاتی ہو تو پتہ نہیں۔"

"مگر یہ دیکھا سڑک جو جرنیلی سڑک سے جا ملتی ہے اور پشاور جاتی ہے۔"

"تو پشاور سے واپس کون سی سڑک آتی ہے؟" ایک ننھا بولا۔

"ہمارے ماسٹر صاحب کی سالگرہ ہے۔ انہیں کیا تحفہ دیا جائے؟" آواز آئی

"ایک کتاب دے دو۔"

"مگر اُن کے پاس ایک کتاب ہے۔"

"دادی جان نے پھر شیخے سے سوال کیا۔ "وہ جو سامنے جانور چر رہے ہیں، کتنے ہیں؟"

"بائیس۔" کچھ دیر کے بعد جواب ملا۔

"شاباش ــــ اتنی جلدی تم نے کیونکر گن لئے؟"

"بالکل آسان ہے ــــ پہلے جانوروں کی ٹانگیں گن لیں پھر چار پر تقسیم کر دیا۔"

ایک صاحب جو غالباً شکاری تھے، اپنی آپ بیتی سنا رہے تھے، وہ بتا رہے تھے کہ کس طرح وہ جنگل میں چھپتے پھر رہے تھے اور ایک شیر اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ بچے طرح طرح کے سوال پوچھ رہے تھے۔ شیر کا رنگ کیسا تھا؟ آپ کی شیر سے دشمنی تھی کیا؟ شیر موٹا تھا یا دبلا؟ آپ نے شیر کی کمر پر پیٹھ کیوں نہیں مارا؟ کیا آپ ڈرپوک تھے جو شیر سے ڈر رہے تھے؟ ــــ وہ تھوڑی سی بات کرتے اور سب چلا کر پوچھتے "پھر کیا ہوا؟" اور ساتھ ہی بے تکے سوالوں کی بوچھار شروع ہو جاتی۔ وہ تنگ آ چکے تھے۔ ایک مرتبہ بچوں نے پھر پوچھا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہونا تھا" ــ وہ اپنے بال نوچ کر بولے۔ "پھر شیر نے مجھے کھا لیا۔"

اور بچوں نے تالیاں بجائیں، ہپ ہپ ہرّا کیا۔ ایک ننھا اپنا ڈھول اٹھا لایا اور ساتھ ہی لکڑی کا نصف گھوڑا جسے آری سے کاٹا گیا تھا۔ گھوڑے کا نام تو تی ساڑھے تین تھا۔ انہوں نے وجہ بتائی کہ پہلے انہوں نے کسی دوست کی شرکت میں خریدا تھا۔ تب اس کا نام تو تی ہفتم تھا [illegible] دوستوں کی لڑائی ہوئی تو گھوڑے کو آری سے آدھا آدھا تقسیم کیا گیا چنانچہ اس کا نام [illegible] رکھ دیا گیا۔

ہم پھر اٹھے ــــ

"کہاں جا رہے ہو؟"

"جی باغ میں — شاید اب پھل کچھ پک گئے ہوں۔"

لیکن ہمیں پھر بٹھا لیا گیا۔ دوسرے کمرے سے ایک بچے نے صدائے احتجاج بلند کی اور نعرہ لگایا۔ ہم بھاگ کر پہنچے، دو بچے لڑ رہے تھے۔ بڑا چھوٹے کی خوب تواضع کر رہا تھا۔ مشکل سے دونوں کو علیحدہ کیا۔ دادی جان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ لڑائی کی تفصیل بیان کی جا رہی تھی، چھوٹا بچہ ڈینگیں مار رہا تھا کہ میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نے اس کو پکڑ کر اپنے اوپر گرا لیا اور اپنی ناک اس کے دانتوں میں دبا لی، پھر میں نے اس کی کہنی اپنی پسلیوں میں چبھو دی اور دھڑام سے اس کا گھٹنہ اپنی کمر میں رسید کیا، پھر زور سے اس کا تھپڑ اپنے منہ پر مارا۔ پھر میں نے جو اس کی ٹھوکر اپنے گھٹنے میں لگائی ہے تو بس —"

ہم پھل توڑنے کے بہانے سے مشکل وہاں سے نکل سکے، باغ میں روفی اور میں دیر تک بیٹھے سوچتے رہے کہ دنیا میں کیسے کیسے نامعقول اور بیہودہ بچے بستے ہیں۔

روفی نے کمرے کے دروازوں پر اندر کی طرف "خوش آمدید" لگایا تھا۔ اس طرح کہ جو شخص کمرے میں بیٹھا ہو اُسے ہر وقت نظر آتا رہے۔ یہ ماسٹر صاحب کے لئے تھا۔

روفی کے لئے نئی رضائی تیار ہوئی تھی۔ انہیں رضائی کے نقش و نگار بیحد پسند تھے، اس لئے کہ انہیں دیکھ کر روفی کو مغل آرٹ یاد آ جاتا تھا۔ ابھی اچھی خاصی گرمیاں تھیں۔ لیکن وہ رات کو پنکھا چلا کر رضائی اوڑ[illegible]

ایک او[illegible]ہیں زائد کام کرنے کو کہا گیا۔ رستم پوچھنے لگا۔ "اتنے پریشان کیوں ہو؟"

روفی بولے "یہ بات[illegible]صبح کام، شام کو کام — کام، کام — تنگ آ گئے ہیں۔"

"اتنا کام کب سے شروع کیا؟"

"کل سے شروع کریں گے۔"

رستم لکھا پڑھا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارا ہاتھ بٹایا کرے گا، اور حساب کے سوال نکال دیا کرے گا۔ اس کے بعد دیر تک بڑوں پر تبصرے ہوتے رہے کہ یہ مزے کرتے ہیں۔ انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا، نہ انہیں شام کو ٹیوشن کی مصیبت ہے نہ علی الصبح اٹھنے کی قید۔ ان کی آزمائشیں، ان کے امتحان کے کٹھن دن گذر چکے ہیں — وغیرہ وغیرہ۔

ہمارا امتحان ہوا۔ ہمیں کچھ اور بتایا گیا تھا۔ لیکن پرچے کچھ اور ہی آئے۔ چنانچہ ہم کچھ اور ہی لکھ آئے — بس فیل ہوتے ہوتے بچے۔ ہر ایک نے ہمیں حسب توفیق ڈانٹا۔ باورچی نے ہمدردی کے طور پر پوچھا — "سنا ہے کہ آپ کا امتحان اتنا اچھا نہیں ہوا — کیا بات ہوئی؟"

رُوفی بولے — "بات یہ ہوئی کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ کوہ سیرا نویدا، دریائے مس سپی اور ٹمبکٹو کہاں ہیں —"

"میں تو ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ اپنی چیزیں سنبھال کے رکھا کرو۔"

ماسٹر صاحب ہمارے پرچے لیکر آئے۔ پہلے انہوں نے تعلیم کی اہمیت اور محنت کے فوائد پر چھوٹا سا لیکچر دیا۔ پھر غلطیاں گنوائی شروع کیں — تمہارا جغرافیہ بے حد کمزور ہے۔ یہ دیکھو اس نقشے میں یہ ریلوے لائن اس جنکشن سے آگے چلتے چلتے ایک دم دریا بن جاتی ہے اور خلیج بنگال میں گرتی ہے۔ یہ چھوٹی سی جھیل عین سمندر کے درمیان واقع ہے — اور اس دریا سے ایک سڑک نکلتی ہے جو واپس پہاڑوں کی طرف لوٹ جاتی ہے — تم نے اب تک اٹلس نہیں خریدی؟"

"جی نہیں۔"

"میں مہینوں سے چلا رہا ہوں۔ آخر تم اٹلس کیوں نہیں خریدتے؟"

"جی — دنیا کے سیاسی حالات ذرا درست ہو لیں پھر خرید لیں گے۔"

"اور یہ طوفانِ نوح کے متعلق تم نے کیا اُوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں۔ تم نے لکھا ہے کہ وہ کشتی کسی پہاڑ پر ٹھہری ہی نہیں۔"

"جناب پہاڑوں پر بھی کبھی کشتیاں ٹھہری ہیں؟"

"لیکن اُن دنوں سیلاب آیا ہوا تھا، چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ اچھا، بھلا تم اس کشتی میں ہوتے تو اُسے کہاں لے چلتے؟"

"جی میں اُسے کسی اچھی سی بندرگاہ میں لے جاتا اور۔"

"اور — پھر —؟"

"پھر اُن تمام جانوروں کو باہر نکال کر ایک سرکس کھول لیتا۔"

"اُفوہ سیلاب تھا چاروں طرف۔" ماسٹر صاحب سر ہلا کر بولے۔ "اور یہ مضمون اتنا لمبا کیوں ہے اسے صرف تین صفحوں کا ہونا چاہئے تھا۔"

ادنی کو لمبے لمبے جواب، مضمون لکھنے کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ وہ ہوتے تھے بالکل یُونہی سے۔ تین صفحوں کی قید کو اُنہوں نے یوں نظرانداز کیا کہ پہلے صفحے پر نمبر ایک لکھا، دوسرے پر نمبر دو، اس کے بعد کئی صفحوں کو اکٹھا کر کے پن کر دیا اور اس پر نمبر تین لکھ دیا۔

"اور پھر یہ مضمون اچھا بھی نہیں ہے۔"

"جناب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اچھا نہیں ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پسند نہیں آیا۔"

"اچھا چلو یُوں سہی کہ مجھے پسند نہیں آیا — اور یہ تاریخ کے پرچے میں تم نے ایجاد کیا، ایجاد کیا کیوں بار بار لکھا ہے — تم نے لکھا ہے کہ شاہ جہان نے تاج محل ایجاد کیا، جہانگیر نے جہانگیر کا مقبرہ ایجاد کیا۔ قطب صاحب نے قطب صاحب کی لاٹھ ایجاد کی —"

"جی یہ اس لئے کہ پہلے ان چیزوں کا کسی کو علم نہیں تھا۔"

"دریافت کیں۔" رُوفی نے لقمہ دیا۔

"نہیں دریافت بھی نہیں کیں ۔۔۔ بتائیں۔" ماسٹر صاحب بولے۔ "سچ بتاؤ تمہارا اسکول کا کام کون کیا کرتا ہے ۔۔۔ ایمان سے۔"

"جی۔ رستم کیا کرتا ہے۔"

"اکیلا؟"

"جی نہیں ہم اُس کی مدد کیا کرتے ہیں۔"

"تم دونوں کو اپنا خط خوبصورت بنانا چاہیئے۔"

"پھر آپ ہماری املا میں غلطیاں نکالیں گے۔"

ماسٹر صاحب شاید کوئی خوشخبری سُن کر آئے تھے ہم سے بالکل خفا نہیں ہوئے۔ چلتے وقت بولے ۔۔۔ "اتنی غلطیاں میں نے کسی اور کے پرچے میں نہیں دیکھیں۔"

"جی غلطیاں تو ہم سب کرتے ہیں ۔۔۔ اسی لئے تو پنسل کے ساتھ ربڑ لگائی گئی ہے۔" رُوفی مؤدبانہ بولے۔

چپراسی بیمار پڑ گیا۔ اس کی ڈیوٹی ہمیں دیدی گئی۔ ٹیلیفون اور مُلاقاتیوں کا خیال رکھنا اور اُس بیوقوف [illegible] کی [illegible] کرنا۔ اس کی بیماری بھی عجیب سی تھی۔ صبح کہتا ہے نمونیہ ہو گیا ہے۔ شام کو کہتا ہے نہیں سرسام تھا۔ کبھی کہتا کہ باؤلا کتا کاٹ گیا تھا۔ اسے ثابت کرنے کیلئے اُس نے کتے کے بھونکنے کی نقل بھی اُتاری۔ پھر رستم نے اُسے بتایا کہ اس مرض میں مریض مرجاتا ہے لیکن بھونکتا ہرگز نہیں چنانچہ اُس نے مرض فوراً بدل لیا، یہ مرض تپ دق، مالیخولیا، خون کے دباؤ، زکام وغیرہ سے ہوتا ہوا آسیب پر آ کر رکا۔ آخر میں اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اس پر کسی بھوت کا سا[illegible]

شام کو ہم باورچی خانے میں بیٹھے تھے۔ باورچی کھانا پکا رہا تھا۔ رستم پاس بیٹھا تھا۔ بھوتوں کے قصّے ہو رہے تھے۔

"رات تم سوتے ہوئے شور مچا رہے تھے"۔ میں نے رُدنی سے کہا۔

"میں شور مچاتے ہوئے کتوں کو رات بھر خواب میں دیکھتا رہا۔ تم نے وہ شور سنا ہوگا"۔

"بھوت تو میں نے دیکھا تھا پچھلے سال"۔ باورچی بولا۔

"کیسا تھا؟"

"ایک بہت بڑے گدھے جیسا۔"

"تم اپنے سائے سے ڈر گئے ہوگے"۔ رستم بولا

"نہیں — سچ مچ کا بھوت تھا۔ اُس نے میرا پیچھا کیا، میں نے بھاگ کر دروازہ بند کر لیا، مگر بھوت دیوار میں سے نکل آیا"۔

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"میں دوسری دیوار میں سے باہر نکل گیا"۔

"کیا ہانک رہے ہو"۔ رستم بولا۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے"۔

"ایسا ہوا تھا۔ مگر میں اُس وقت خواب دیکھ رہا تھا — یہ خواب سنا رہا ہوں"

"میں اپنی آپ بیتی سناتا ہوں"۔ رستم بولا۔ "میں اُن دنوں اپنے کھیت میں کام کیا کرتا تھا۔ کھیت کے راستے میں قبرستان بھی پڑتا تھا اور شمشان بھی۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ میں رات کو کھیت میں پانی لگانے جا رہا تھا کہ راستے میں میرے پیچھے ایک بھوت ہو لیا۔ دیکھنے میں وہ بالکل انسانی روپ میں تھا۔ اُس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ بس میری نقلیں اتارنے لگا۔ میں ڈر سے کانپنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھی کانپ رہا ہے۔ میری گھگھی بندھی تو اُس کی بھی گھگھی بندھ گئی۔ ایک پیر وہاں رہتے تھے۔ میں اگلے روز اُن کے

پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو ایک تعویذ لکھا۔ پھر کچھ سوچکر بولے ۔ تم اس مرغ سے کام کیوں نہیں لیتے" چنانچہ اُن کی ہدایت کے مطابق میں اگلے روز ایک ہل اور دو بیل فالتو لے گیا۔ رات کو وہ آیا۔ میں نے اپنا ہل اٹھایا۔ بیل جوتے۔ اس نے فوراً دوسرا ہل لیا اور بیل جوت لئے۔ میں نے ہل چلانا شروع کر دیا۔ اس نے بھی یہی کیا۔ غرضیکہ رات بھر ہم دونوں نے خوب ہل چلایا۔ علی الصبح وہ واپس چلا گیا ——— میں نے اس سے ہل چلوایا۔ فصل کٹوائی، اناج نکلوایا، بوریوں میں بند کروایا۔ پھر اچانک نہ جانے اسے کیا ہو گیا۔ شاید کسی اور بھوت نے اسے پٹی پڑھا دی یا کچھ اور ہو گیا۔ اس کے تیور بدل گئے، وہ میری طرف گھور گھور دیکھتا۔ میرے قریب آنے کی کوشش کرتا۔ میں پیر صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو تعویذ لکھا، پھر کچھ سوچ کر تعویذ واپس لے لیا اور مجھے ایک تجویز بتائی۔ اس پر میں نے عمل کیا، شام کو میں نے دو گڑھے کھودے۔ ایک میں خوب انگارے دہکائے، دوسرا یونہی رہنے دیا۔ دونوں میں ایک ایک اینٹ دبا دی اور اوپر سے راکھ چھڑک دی تھی۔ رات کو وہ آیا۔ میں نے اس سے خوب کام لیا۔ پھر میں نے انگڑائی لی۔ اس نے بھی انگڑائی لی، میں بولا ——— بھئی اب تو آرام کرنا چاہئے۔ وہ اسی طرح بولا ——— بھئی اب تو آرام کرنا چاہئے۔ میں نے راکھ ہٹا کر ٹھنڈی اینٹ نکالی اور اس پر بیٹھ گیا۔ اس نے بھی اسی طرح کیا۔ دہکتی ہوئی اینٹ پر بیٹھ کر اس نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا اور جو وہاں سے غائب ہوا ہے تو پھر کبھی نہیں آیا"۔

باورچی بولا۔ "جہاں میں پہلے ملازم تھا وہاں حویلی میں ایک بھوت رہتا تھا۔ اس سے کوئی ڈرتا ہی نہ تھا۔ بچے تک اس کا مذاق اڑاتے۔ جب وہ ڈرانے کی کوشش کرتا تو اسے جھڑک دیا جاتا کہ کیوں بیکار شور مچا رہے ہو۔ ناحق اپنا وقت بھی ضائع کر رہے ہو اور ہمارا بھی۔ کبھی کبھی اسے چائے کی دعوت دی جاتی۔ بھوت رات گئے میرے پاس آتا اور اپنی اس دُرگت پر آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتا سب سے زیادہ غم اسے اس بات کا تھا کہ قاعدے کی رُو سے اس سے سب کو ڈرنا چاہئے تھا اور

بحیثیت ایک بھوت کے اُسے نہایت ظالم اور سخت دل ہونا چاہیئے تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ خودکشی کی کوشش بھی کی۔ آخر میں نے ایک روز سُنا کہ بیچارہ کہیں شرم سے سمندر میں ڈوب کر مر گیا“۔

”ایک بھوت ہمارے چپراسی پر بھی تو سوار ہے“۔

”یہ فرضی بیمار ہے“۔ رستم بولا۔ ”اس کا مرض فرضی ہے۔ اس لئے اس کا علاج بھی فرضی ہونا چاہیئے۔ جب سب چلے جاتے ہیں تو یہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ ساری دوائیاں کہیں اِدھر اُدھر پھینک دیتا ہے اور علی الصبح اُٹھ کر ورزش کرتا ہے تاکہ سارا دن بیٹھے رہنے سے کہیں صحت خراب نہ ہو جائے“۔

”تو کیا یہ جھوٹ بولتا ہے“۔ ہم حیران ہو گئے۔

”بالکل! —— لڑکو، دُنیا میں جھوٹ ایک نہایت اہم چیز ہے اس کے بغیر گذارا مشکل ہے۔ اب تم جھوٹ بولتے ہو تو تمہیں تھوڑا سا افسوس ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ افسوس غائب ہو جائے گا اور تم بے دھڑک کھلم کھلا جھوٹ بولا کرو گے۔ صبح سے جو جھوٹ بولنا شروع کرو گے تو شام تک سراسر جھوٹ بولو گے۔ حیوانوں سے جھوٹ بولو گے۔ انسانوں سے جھوٹ بولو گے۔ یہاں تک کہ خدا سے بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کرو گے“۔

کچھ دیر میں ڈاکٹر صاحب کی کار آ گئی۔ وہ مریض کو دیکھنے آتے تھے ہم نے تہیّہ کر لیا کہ اب اس مریض کو شفا دلا کر ہی چھوڑیں گے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا۔ رُدی بولے۔ ”جناب مریض کی طبیعت اس قدر خراب ہے کہ وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا“۔

”آج تمہارا ٹمپریچر کتنا تھا“؟ ڈاکٹر صاحب نے مریض سے پوچھا

”ایک سو چھ کے قریب تھا“۔

”اس قدر زیادہ“؟

”کہیں تم نے تھرمامیٹر سے چائے میں شکر تو نہیں ہلائی“؟ رُدی بولے

"تم نے ہدایت کے مطابق دوائی پی تھی؟" ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا

"جناب انہوں نے بوتل پر لکھی ہوئی ہدایت پر عمل کیا ہے کہ کارک کو مضبوطی سے بند رکھو"

رُوفی بولے

جب ڈاکٹر صاحب نسخہ لکھ رہے تھے تو رُوفی بڑی سنجیدگی سے مُنہ بنا کر کہنے لگے "جناب اگر فرصت ہو تو مجھے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ میں ہمیشہ تندرست رہتا ہوں۔ آج تک بیمار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ مجھے معمولی سا نزلہ زکام بھی نہیں ہوا۔ بعض اوقات تو میں بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے نظام میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔"

ہم علی الصبح اُٹھے۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھتے ہیں تو مریض صاحب کمرے میں ورزش کر رہے ہیں، چھلانگیں لگائی جا رہی ہیں، ڈنٹر پیلے جا رہے ہیں۔ ہم نے اندر جا کر اُن سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولینا یا تو آج صبح سے اپنا ٹیلیفون، وہ نالائق طوطا اور مُلاقاتیوں کو سنبھالو، ورنہ ہم سب کہہ دیں گے۔ آدمی سمجھدار تھا فوراً تندرست ہو گیا۔

اگلے ہفتے ماسٹر صاحب کے ہاں چوری ہو گئی۔ اُن کا کُنبہ چند دنوں سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اُس رات وہ خود بھی کہیں مدعو تھے۔ گھر خالی تھا۔ کوئی موقعہ پا کر بالکل صفائی کر گیا۔ صبح کو ہم اُن کے مکان پر گئے ———— رُوفی نے بڑے غور سے سب کچھ دیکھا۔ پھر بولے —— "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خوش قسمتی سے ہم [illegible] دنوں سراغرسانی کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں۔"

ہم دونوں نے مشورہ کیا۔ ماسٹر صاحب سے بالکل تھانیدارانہ انداز میں سوال پوچھے۔ پاؤں کے نشان دیکھے۔ مکان کو اِدھر اُدھر سے سُونگھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سیاہ رنگ کی بلی جو برآمدے میں بندھی ہوئی تھی پکڑی گئی۔ یہ بلی موقعہ پر موجود تھی۔ اس نے چور کو دیکھا تھا۔ بلیاں سمجھدار ہوتی ہیں۔ اُن کی

آنکھیں رات کو چمکتی بھی ہیں۔ وہ اندھیرے میں بخوبی دیکھ سکتی ہونگی۔ یہ چور کو پہچان سکتی ہے۔ اگر اس نے چور کو دیکھا تو غرّائے گی، پنجہ مارے گی یا کسی اور طرح خفگی کا اظہار کرے گی۔ ہم اسے آس پاس سڑکوں پر ساتھ لئے پھریں گے ــــ چور بھی نزدیک ہی رہتا ہوگا۔ یہ کسی بھیدی کا کام تھا۔

شام کو ہم جھیل کے کنارے بیٹھے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ دراصل ہم نے کانٹوں میں مچھلیاں پہلے لگائی ہوئی تھیں ــ پانی میں ڈوبتی اور ڈور کے سرے پر مچھلی۔ یہ رستم کے لئے کیا تھا۔ آج اسے مچھلیاں پکڑ کر دکھا دیں گے ــــــــــــــ وہ ہمیں لینے آیا، چوری کی باتیں شروع ہوگئیں ہمارا خیال تھا کہ لوگ محض دوسروں کو پریشان کرنے کے لئے چوری کرتے ہیں اور یہ ایک قسم کا مذاق ہے وہ ہمیں بتانے لگا کہ لوگ اس لئے چوری نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی چیزوں پر قبضہ جمانے کے لئے کرتے ہیں اور پھر ان چیزوں کو کبھی واپس نہیں لوٹاتے ــــ اور یہ انسان کی ہوس ہے جو چوری کرنے کے لئے اکساتی ہے۔ کئی لوگ بڑی بڑی چوریاں بھی کرتے ہیں ــــ انسانوں کو چرا لیتے ہیں۔ زمین کے بڑے بڑے خطوں، بر اعظموں کو چرا لیتے ہیں"۔

اتنے میں شڑپ سے آواز آئی ــ "یہ آواز سُنی تم نے؟" ہم دونوں چلّا کر بولے ــ "یہ مچھلی تھی"۔

پھر میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ ڈور کھینچی اور مچھلی باہر نکال لی۔ رُوفی نے بھی یہی کیا۔

"تم دیکھتے جاؤ، کچھ دیر میں یہاں مچھلیوں کے ڈھیر لگ جائیں گے ــــ تب تو تمہارا شک رفع ہو جائے گا"۔ ہم نے کہا

پھر ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرنے لگے کہ جب کبھی ہم وہاں گئے تو رستم کو بھی ساتھ لے جائیں گے"۔ ــــــــــــــ وہ مسکرا کر بولا۔ "لڑکو یہ خود فریبی کی

مچھلیاں اور دوسرے کنارے عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتے — ہم زندگی بھر اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش میں رہتے ہیں — یہ یقین دلانے کی کوشش میں کہ جو چیز وہاں نہیں ہے وہ وہاں ہے۔ آج تم نے دو مری ہوئی مچھلیاں اپنے کانٹوں میں اس لئے لگائی تھیں کہ تمہیں اب تک یقین ہے کہ دنیا جھوٹی ہے اور تمہارا تصور سچا ہے۔ دوسرے کنارے کے متعلق تم نے کیسے سہانے خیالات دل میں بسا رکھے ہیں۔ میں وہاں کئی مرتبہ گیا ہوں۔ وہ کنارہ بالکل ویران ہے، اس کنارے سے بھی برا ہے — میری مانو تو تم کبھی اس طرف مت جانا۔ ورنہ تمہیں افسوس ہوگا — دوسرا کنارہ بس دور ہی سے اچھا لگتا ہے۔

باری باری بلی پر ہماری ڈیوٹی لگتی۔ رات کو میری ڈیوٹی تھی۔ صبح اٹھ کر دیکھتا ہوں تو بلی غائب ہے۔ بہتیرا ڈھونڈا مگر نہ ملی۔ روفی سو رہے تھے۔ میں باہر بھاگا کہ کہیں ایسی ہی کالی بلی مل جائے تو پکڑ لاؤں۔ یوں تو بلیاں ہمارے بھی بہت سی تھیں لیکن ان میں سیاہ ایک بھی نہیں تھی۔ میں دعا مانگ رہا تھا کہ الٰہی کہیں سے ایک سیاہ بلی بھیج۔ لوگ کہتے ہیں کہ بچوں کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں — لوگ سچ کہتے ہیں۔ میں نے سڑک پر ایک آدمی دیکھا جس کے ہاتھ میں تھیلا تھا اور تھیلے میں میاؤں میاؤں ہو رہی تھی۔ اس سے پوچھا۔ وہ بولا — اس میں کوئی پندرہ سولہ بلیاں بند ہیں۔ میں ان سے تنگ آ چکا ہوں اور انہیں کہیں دور چھوڑنے جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ ایک سیاہ بلی نکال دے تو میں اس کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ پہلی بلی سفید تھی اسے واپس پھینک دیا۔ دوسری چتکبری نکلی، تیسری بھوری، چوتھی بادامی۔ ادھر میرا برا حال تھا۔ کسی کالی بلی کے دیدار کے لئے آنکھیں بیتاب ہو رہی تھیں، خدا خدا کر کے سیاہ بلی نکلی اور میں لیکر بھاگا۔ روفی کے جاگنے سے پہلے ایک سیاہ بلی وہیں بندھی ہوئی تھی۔

"یہ بلی دو تین دنوں میں کتنی موٹی ہو گئی ہے" — وہ بولے۔ واقعی یہ نئی بلی گذشتہ بلی سے

بڑی بھی تیسری رات یہ بلی بھی بھاگ گئی۔ بدقسمتی سے اُس رات بھی میری ڈیوٹی تھی۔ میں بڑا گھبرایا۔ اگر رُدّی کو پتہ چل گیا تو جان کھا جائیں گے۔ مجھے صبح تک نیند نہ آئی۔ علی الصبح پڑوس میں گیا۔ اُن کے ہاں ایک سیاہ بلی رہتی تھی۔ وُہ اُن سے اُدھار مانگی۔ پہلے تو وہ متعجب ہوئے۔ غالباً پہلی مرتبہ کوئی بلی اُدھار مانگنے آیا تھا۔ پھر اُنہوں نے اس شرط پر بلی دی کہ میں تیسرے دن واپس لوٹا دوں۔ ساتھ ہی اُس کے ناشتے، لنچ اور ڈنر کے متعلق ہدایتیں کیں کہ ناز و نعم میں پلی ہوئی ہے۔ کہیں دُبلی نہ ہو جائے۔ یہ بلی بہت موٹی تھی۔ اسے دیکھ کر رُدّی بولے ــــ "بھئی یہ بلی تو روز بروز موٹی ہوتی جا رہی ہے" ــــ حالانکہ پہلی بلیوں کو سارا سارا دن بھوکا رکھا جاتا تھا۔ یہ بلی عجب شان سے رہتی تھی۔ خوشامدیں کر کے اُسے کھانا کھاتی۔ ذرا ذرا سی بات پر بُرا مان جاتی اور دیر تک رُوٹھی رہتی۔ آتے ہی اُس نے رُدّی کے ابا پر پنجہ اُٹھایا۔ اور رُدّی سوچنے بیٹھ گئے کہ سُراغ رسانی کے قواعد کے مطابق تو ان پر شبہ کرنا چاہیئے پھر بولے ــــ محض پنجہ اُٹھانے سے شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلی کو کچھ اور بھی کرنا چاہیئے۔ شام کو ماسٹر صاحب آئے اُن پر بلی نے نہ صرف پنجہ اُٹھایا بلکہ آنکھیں بھی دکھائیں اور دانت بھی نکالے۔ تو گویا ماسٹر صاحب نے خود اپنا سامان چُرایا تھا۔ اُن کے پوچھنے پر ہم نے تفصیل بتائی۔ وُہ بولے ــــ "تم ناحق اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ بھلا بلیوں سے بھی کبھی سُراغ نکلے ہیں۔"

"اور اگر سُراغ نکل گیا تو ــــ؟"

"تو شرط رہی جو کچھ تم کہو گے کروں گا۔"

تیسرے روز مجھے وُہ بلی واپس کرنی پڑی۔ نئی بلی کی تلاش میں پھر مارا مارا پھرا۔ بڑی مصیبتوں سے ایک لڑکے سے ایک روپے میں ایک مریل سی کالی بلی خریدی۔ سارا دن بھر تو میں نے چھپائے رکھا رات کو رُدّی نے دیکھا تو بڑا افسوس ظاہر کیا ــــ "ہائے ہائے ــــ بیچاری بلی ــــ یہ اسے کیا ہوا ــــ یکلخت اتنی دُبلی کیسے ہو گئی؟"

ہمیں جب فرصت ملتی۔ بلّی کو لے کر باہر نکل جاتے ـــــ اسی اُمید پر کہ چور اب ملا ــــ اب ملا اور پھر خدا کا کرنا کیا ہوا۔ اُسی مریل سی بلّی نے جو اس قدر صلح پسند اور خاموش طبیعت تھی۔ سب کے سامنے رسّی تڑا کر چھلانگ لگائی اور چپراسی کے اوپر سوار ہو گئی۔ یہ وہی چپراسی تھا جس نے کچھ عرصہ پہلے اپنے عجیب و غریب مرض سے شفا پائی تھی۔

بلّی اُسے نوچے ڈالتی تھی، پنجے مار رہی تھی۔ غرّا رہی تھی ـــــ ہم نے بمشکل اُسے چھڑایا۔ بلّی کی اس حرکت پر سب کو چپراسی پر شبہ ہو گیا۔ جب اُسے ڈرایا دھمکایا گیا تو وہ مان گیا کہ اُس نے چوری کی تھی اگلے روز تک ماسٹر صاحب کی سب چیزیں واپس مل گئیں۔ ہماری بڑی تعریفیں ہوئیں۔ بلّی کی بھی تعریفیں ہوئیں۔ ہماری سُراغ رسانی کو سراہا گیا۔ ہماری تصویریں بلّی کے ساتھ اُتاری گئیں۔

اور حقیقت کا صرف مجھے علم تھا۔ بلّی کے متعلق بھی اور چور کے متعلق بھی ـــــ چور تو محض اپنی بدقسمتی سے پکڑا گیا۔ ہوا یوں کہ بلّی دو دن سے بھوکی تھی۔ اُدھر وہ سیدھا باورچی خانے سے نکلا تھا۔ جب وہ بلّی کے سامنے سے گذرا تو اُس میں سے پلاؤ اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو بُری طرح آ رہی تھی ـــــ بلّی نے جو کچھ کیا۔ وہ سراغ رسانی کے سلسلے میں نہیں کیا۔ بھوک سے تنگ آ کر کیا۔

میں اور رُوفی باغ میں بیٹھے تھے۔ سامنے پھلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہمارے ذمّے یہ کام لگایا گیا تھا کہ ہم چھانٹ کر کچے پھل الگ کر دیں اور پکے الگ۔ رُوفی بڑے غور و خوض سے چھانٹ رہے تھے۔ ایک ایک پھل پر بڑی دیر لگاتے تھے۔ میں نے پوچھا ـــ بولے ـــ "یہ انتخاب ہے، جو مجھے مار رہا ہے ـــ جانتے نہیں ہم آج کل کس قسم کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں۔"

"میرے خیال میں پھل چکھ کر چھانٹے جائیں" ـــــ میں نے مشورہ دیا۔ ہم نے پکے پھل کھانے شروع کر دیئے۔ ماسٹر صاحب تشریف لے آئے۔ وہ ہمارا شکریہ ادا کرنے آئے تھے ـــ "لڑکو! میں شرمسار ہوں ـــ بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آپ پچاس مرتبہ خوشخط لکھئے کہ میں ہار گیا" روفی بولے اور ماسٹر صاحب نے سچ مچ لکھ دیا

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب روفی اور میں جھیل کے کنارے لمبی لمبی گھاس میں بیٹھے تھے۔ رات کو بارش ہوئی تھی صبح بالکل صاف طلوع ہوئی۔ خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ فضا میں بادل تیر رہے تھے۔ جھیل کے نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہر چیز میں نکھار تھا۔ تازگی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دُنیا ابھی ابھی تخلیق ہوئی ہے۔

ہم کہانیاں پڑھتے رہے، باتیں کرتے رہے، کھیلتے رہے۔ زقندیں بھرتے ہوئے پرندوں اور ناچتی ہوئی تتلیوں کو دیکھتے رہے۔ ہماری ڈوریں پانی میں تھیں۔ دن بھر ہمیں مچھلیوں کا انتظار رہا۔ ہم اُنہیں بھوننے کا سارا سامان لائے تھے۔ دن ڈھلے رستم ہمیں لینے آیا۔ ایسے خوشنما نظارے کو دیکھ کر وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گیا اور عجیب عجیب سی باتیں سنانے لگا جب رستم ایسی باتیں کرتا تو وہ ہمیں بالکل اچھا نہ لگتا ——— وہ بڑی سنجیدہ قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ کیا ہو جو زندگی اسی خود فراموشی اور خود فریبی میں گذر جایا کرے اسی طرح مسکراتی ہوئی گذر جایا کرے۔ لیکن یوں نہیں ہوتا ——— کوئی کتنی ہی کوشش کرے ایسا ہرگز نہیں ہوتا ——— ان خوابوں سے چونکنا پڑتا ہے ——— وہ ہمیں کہنے لگا ——— لڑکو تم بڑے ہو گئے تو تمہیں افسوس ہو گا ——— جُوں جُوں تمہارا تجربہ بڑھتا جائے گا۔ تمہارے خیالات میں پختگی آتی جائے گی۔ یہ افسوس بھی بڑھتا جائے گا ——— یہ خواب پھیکے پڑتے جائیں گے۔ تب اپنے آپ کو فریب بھی نہ دے سکو گے۔ بڑے ہو کر تمہیں معلوم ہو گا کہ زندگی بڑی مشکل ہے۔ جینے کے لئے مرتبے کی ضرورت ہے۔ عزت کی ضرورت ہے۔ عزت کے لئے روپے کی ضرورت ہے ——— اور روپیہ حاصل کرنے کے لئے مقابلہ ہوتا ہے۔ مقابلے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے، دھوکہ دینا پڑتا ہے، غداری کرنی پڑتی ہے ——— یہاں کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔ دُنیا میں دوستی، محبت، اُنس ——— سب

رشتے مطلب پر قائم ہیں۔ محبت آمیز باتوں، مسکراہٹوں، مہربانیوں، شفقتوں — ان سب کی تہہ میں کوئی غرض پوشیدہ ہے۔ یہاں تک کہ خدا کو بھی لوگ ضرورت پڑنے پر یاد کرتے ہیں اور جب خدا دُعا قبول نہیں کرتا تو لوگ دہریئے بن جاتے ہیں اُس کے وجود سے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور دُنیا کو تم کبھی خوش نہیں رکھ سکتے۔ اگر تم احمق ہوئے تو دُنیا تم پر ہنسے گی، تمہارا مذاق اُڑائے گی۔ اگر عقلمند ہوئے تو حسد کرے گی۔ اگر تم الگ تھلگ رہے تو تمہیں چڑچڑا اور مکار گردانا جائے گا۔ اگر تم ہر ایک سے گھُل مل کر رہے تو تمہیں ———— خوشامدی سمجھا جائے گا۔ اگر تم نے سوچ سمجھ کر دولت خرچ کی تو تمہیں پست خیال اور کنجوس کہیں گے اور اگر فراخ دل ہوئے تو بے وقوف اور فضول خرچ۔ عمر بھر تمہیں کوئی نہیں سمجھے گا، نہ سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ تم ہمیشہ تنہا رہو گے حتےٰ کہ ایک دن آئے گا اور تم چپکے سے اس دُنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔ یہاں سے جاتے وقت تم متحیر ہو گے کہ یہ کیا تماشا تھا۔ اس تماشے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ سب کچھ کس قدر بے معنی اور بے سُود تھا —"

سُورج غروب ہو رہا تھا۔ یکایک دوسرا کنارہ جگمگا اُٹھا۔ وہاں بادل کے ٹکڑوں اور دُھند نے ایسا رنگین اور خوشنما محل بنا دیا کہ ہماری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں — نازک سی حسین محرابیں، رنگ برنگے برج اور مینارے، بل کھاتے ہوئے زینے، دُور دُور تک پھیلی ہوئی فصیلیں —

ہم نے رستم کو اشارے سے یہ محل دکھایا۔ "کون کہتا ہے کہ دوسرا کنارہ بھی ایسا ہی ہے۔ — وہ دیکھو —"

پھر سب کچھ نیلا ہو گیا۔ آسمان، جھیل، بادل، دھند اور دوسرا کنارہ — کائنات نیلی ہو گئی۔ بادلوں کا بنا ہوا وہ حسین محل بے رنگ سا ہو گیا اور اُس پر ہلکی ہلکی چاندنی چھا گئی۔

* * * * *

ان باتوں کو کافی سال گذر چکے ہیں اور اب مجھے دُور اندیش، جہاندیدہ اور عقلمند ہونا چاہیئے لیکن بدقسمتی سے یہ طویل عرصہ مجھ میں ذرا بھی تبدیلی نہ لا سکا۔

جب کبھی زندگی کی تلخیاں سامنے آتی ہیں۔ کریہہ حقیقتیں حسین و نازک خوابوں کو کچل ڈالتی ہیں تب میں کسی ایسی ہی خیالی جھیل کے کنارے پناہ لیتا ہوں ـــ اور زندگی میں ان جھیلوں کا تار بندھا ہوا ہے، تاحدِ نگاہ یہ جھیلیں اس طرح چلی گئی ہیں کہ جہاں ایک ختم ہوتی ہے۔ وہاں دُوسری شروع ہو جاتی ہے۔

اور جہاں حقیقت کی حدیں تصوّر کی حدّوں سے چھُوتی ہیں۔ وہاں ایک پُراسرار خطّہ بالکل ویسا ہی حسین اور دلکش ـــــــ جھیل کا دوسرا کنارہ!

# بے بی

اس مرتبہ جو میں نے ایک اونچے پتھر سے چھلانگ لگائی تو ندی کی تہہ سے ایک چمکیلا گول پتھر لایا ہوا خنک تھی اور پانی سے باہر نکلتے وقت سردی لگتی تھی۔ اس لئے میں تیرتا ہوا پانی کے بہاؤ کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک جگہ چھولدار بیلیں ندی پر جھکی ہوئی پانی کو چھو رہی تھیں۔ میں نے غوطہ لگایا اور دُور جا کر نکلا۔ دیکھتا ہوں کہ بالکل سامنے پتھر پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہے۔ اس کے منہ میں لمبا سا پائپ تھا اور ہاتھ میں مچھلیاں پکڑنے کی بنسی۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ مجھے یاد آگیا میں اسے ہر روز کہیں نہ کہیں ضرور دیکھتا تھا۔

"ایک غوطہ میرے لئے لگاؤ"۔ وہ بولا "اس پتھر کے نیچے کئی مچھلیاں شرارتاً چھپی ہوئی ہیں ذرا انہیں باہر نکال دو!"

میں نے غوطہ لگایا۔ کافی تلاش کی۔ نیچے کوئی مچھلی نہیں تھی۔ باہر نکل کر اسے بتایا۔ وہ بہت ہنسا۔ بولا "میرے پاس نہایت مزیدار سینڈوچ ہیں۔ ایک تم بھی چکھو!"

میں اُس کے پاس جا بیٹھا۔ اُس نے ایک بڑی سی سینڈوچ مجھے دی، ایک خود کھانے لگا
وُہ کافی بوڑھا تھا۔ اُس کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کیونکہ اُس کے چہرے پر بلا کی تازگی اور شگفتگی
تھی مسکراہٹ تھی کہ پھوٹی پڑتی تھی۔ اُس نے بڑے شوخ کپڑے پہن رکھے تھے۔ اُس کے ہیٹ میں
ایک خوشنما پر لگا ہوا تھا۔

"آج میں نے رنگ برنگی تتلیاں پکڑی ہیں ـــ شام کو میں انہیں البم میں لگاؤں گا ـــ
یہ دیکھو ـــ" اُس نے مجھے تتلیاں دکھائیں۔

"آپ کے پاس تتلیوں کا البم ہے؟" میں نے بڑے شوق سے پوچھا

"ہاں ـــ اور پھولوں کا البم بھی ہے ـــ پرندوں کے رنگین پروں کا البم بھی۔ میرے
ہیٹ میں جو پر لگا ہوا ہے۔ اس سے کہیں خوشنما پر البم میں ہیں۔"

میں اکثر اُسے جنگلوں میں پھرتے دیکھا کرتا تھا۔ وُہ ہمیشہ تنہا ہوتا۔ اُس کے ہاتھ میں تتلیاں پکڑنے کا
جال ہوتا اور گردن میں کیمرہ اور تھیلا۔ چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ۔

ہم باتیں کرتے کرتے واپس اس جگہ آ گئے۔ جہاں میرے کپڑے رکھے تھے۔ اُس نے
میرا بلیزر دیکھا۔

"یہ کرکٹ کا کلر تمہیں کب ملا؟"

"چند مہینے ہوئے۔"

"تب تو تم بہت اچھے کھلاڑی ہو گے۔ بولر ہو یا بیٹسمین؟"

"بولر ہوں۔"

"سلو یا فاسٹ؟"

"فاسٹ۔"

میں نے کلر جیتنے کی ساری داستان سُنائی۔ کچھ جھوٹ کچھ سچ۔ اُس نے بڑی دلچسپی سے سب کچھ سُنا۔

"مجھے بھی کرکٹ کا خبط ہے۔ لیکن میں کبھی اسے سیکھ نہ سکا۔ مجھے بولنگ سیکھنے کا تو بیحد شوق ہے۔ کیا تم مجھے سکھا دو گے؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ بھلا اس عمر میں بولنگ سیکھنے کا کیا فائدہ۔ لیکن بڑی سنجیدگی سے اُس نے دوبارہ یہی سوال کیا۔

"آپ کو تھوڑی بہت تو آتی ہوگی۔"

"نہیں بالکل نہیں آتی۔ لیکن سکھاؤ گے تو بہت جلد سیکھ جاؤں گا۔ میرے پاس چند بلے اور گیندیں ہیں۔ جال اور وکٹیں یہاں نہ مل سکیں تو سری نگر سے منگا لیں گے۔"

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ انگریز ہے۔ آسٹریلیا سے یہاں آیا تھا۔ ہندوستان میں کافی دنوں سے ہے۔ گلمرگ میں اکیلا آیا ہے۔ اُسے کرکٹ کا نہایت ــــــ شوق ہے اُس نے انگلینڈ اور آسٹریلیا کے بڑے بڑے ٹسٹ میچ دیکھے ہیں۔ کئی مشہور کھلاڑیوں کو جانتا بھی ہے۔ میں نے بریڈمین اور لاروڈ کے متعلق بے شمار سوال پوچھے۔ پھر میں نے ہندوستانی کھلاڑیوں کی باتیں سُنائیں، اچھے اچھے میچوں کا ذکر کیا۔ میرا ہوٹل پہلے آتا تھا۔ میں نے اُسے چاء پر ٹھہرا لیا۔ چاء کے بعد اُسے اپنے البم دکھائے اور پرندوں کے ٹھٹے سے رنگین پَر۔

طے ہوا کہ اگلے روز ــــــ ہم اکٹھے تتلیاں پکڑنے چلیں۔ تصویریں بھی اُتاریں گے اور کہیں ایک آدھ مچھلی مل گئی تو اُسے بھی پکڑ لیں گے۔ پھر شام کو کرکٹ کے لئے میدان درست کیا جائیگا۔ میں اکیلا گلمرگ آیا ہوا تھا۔ سالانہ امتحان ہوا۔ اس قدر کٹھن اور طویل کہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا ــــــ ــــــ جس دن امتحان ختم ہوا۔ میں نے بستر باندھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں گلمرگ میں تھا

ہوٹل میں ٹھہرا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک بھی مانوس چہرہ نظر نہ آیا۔ بڑی مایوسی ہوئی۔ چند ہی دنوں میں بیزار ہوگیا۔ عجب تماشہ تھا کہ ایسی پُر رونق جگہ میں میرا جی ایسا اُچاٹ ہُوا کہ وقت گذارنا مشکل ہوگیا۔ مجھے اُن نوں کرکٹ کا کلر نیا نیا ملا تھا۔ اس لئے بلیزر پہننے کا اتنا شوق تھا کہ میں کوئی دوسرا کوٹ نہیں پہنتا تھا۔ صبح صبح بلیزر پہن کر نکل جاتا اور سارا دن اِدھر اُدھر پھرتا رہتا، شام کو آتا، بلیزر اتار کر سو جاتا۔

اگلے روز ہم اکٹھے سیر کو گئے۔ دن بھر کرکٹ کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہماری عمروں میں اس قدر مایاں فرق تھا۔ پھر بھی ہم اتنی جلدی بے تکلف ہوگئے۔ شام کو اُن کی چھوٹی سی کوٹھی میں چاء پی گئی سامنے ایک باغیچہ اور میدان تھا۔ اس میں ہم نے جگہ منتخب کی اور دیر تک زمین ہموار کرتے رہے یں نے اُن کا نام پوچھا۔ نام بتا کر کہا ——— "یہ نام تو لمبا ہے اور مجھے پسند بھی نہیں ہے۔ میرے وست مجھے فرینکی کہتے ہیں۔ تم بھی فرینکی کہا کرو۔"

یں سوچنے لگا کہ فرینکی تو کوئی ہم عمر دوست ہی کہہ سکتا ہے، یہ مجھ سے اتنے بڑے ہیں، مجھے ن کا ادب کرنا چاہیئے۔ اُنہوں نے اصرار کیا۔ آخر ایک مختصر سی بحث کے بعد طے ہُوا کہ میں اُنہیں حکل فرینکی کہا کروں۔

اُنہوں نے البم دکھائے۔ اس قدر پیاری تتلیاں، رنگ برنگے پَر اور شوخ پھول ——— ایسے بصورت مجموعے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ پھر اُنہوں نے طرح طرح کی سیپیاں، گھونگے اور نکے دکھائے۔ میرے لئے یہ سب کچھ کسی خزانے سے کم نہ تھا۔

ہم نے دو دن صرف کر کے کرکٹ کھیلنے کے لئے موزوں جگہ بنا لی۔ جال لگایا، وکٹیں گاڑیں سبق شروع ہُوئے۔ میں نے گیند پکڑنے کا طریقہ بتایا۔ قدم گن کر دکھائے۔ ہاتھ گھما کر گیند پھینک کر دکھائی۔ جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے۔ تب اُن سے کہا کہ اب آپ پھینکیئے۔ میں بلّا لے کر وکٹوں کے

سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُن کی پہلی گیندیں تو بمشکل مجھ تک پہنچ سکیں۔ چند گیندیں جال سے باہر نکل گئیں
کئی میرے سر کے اُوپر سے گذر گئیں۔ مجھے اُن کے سٹائل پر بڑی ہنسی آئی۔ یہ تو شاید ہی سیکھ سکیں۔
کئی دنوں تک یہی ہوتا رہا حتّٰی کہ میں بالکل نا اُمید ہو گیا۔ لیکن اُن کا جوش و خروش بدستور
تھا۔ وُہ اُلٹی سیدھی گیندیں پھینک کر خوب ہنستے، ہنستے ہنستے اُن کا چہرہ گلابی ہو جاتا ——
—— وُہ بیحد زندہ دل تھے حالانکہ اُنکی عمر ایسی تھی کہ اُنہیں خاموش اور قنوطی ہونا چاہیئے تھا لیکن
نہ جانے کیوں اُن کی ایک ایک حرکت میں بچپنا تھا۔ بات بات میں شوخی تھی زندگی تھی۔

ہر روز ہم اکٹھے باہر جاتے، درختوں پر چڑھتے۔ پرندوں کے گھونسلوں سے رنگین انڈے
اُڑا لاتے۔ تتلیوں کا تعاقب کرتے۔ خود رو پھول توڑتے۔ بھاگ بھاگ کر بے حال ہو جاتے۔ شام کو
کرکٹ شروع ہوتی۔ میں گیند پھینکنے کی قسمیں بتاتا کہ کس موقعہ پر کیسی گیند پھینکنی چاہیئے۔ اس کے بعد
عجب اوٹ پٹانگ گیندیں پھینکنی شروع کرتے اور میں ہنس ہنس کے دُہرا ہو جاتا۔

ایک شام کو وُہ بولے کہ آج کلب میں رقص ہے وہاں چلیں گے۔ میں نے معذرت کی۔
اوّل تو مجھے رقص کا کچھ اتنا شوق نہیں، دوسرے یہ کہ میں نے آج تک والز نہیں کیا۔ تیسرے میرا
لباس میں کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہوں۔ وُہ بولے۔ والز تو میں ابھی سکھلائے دیتا ہوں، رہ گیا لباس سو
دیکھ لینا تم اس لباس میں ایسے جچو گے کہ ساری نگاہیں تم پر ہونگی۔ اُنہوں نے مجھے آسان سے سٹیپ
بتلائے۔ ایک — دو — تین، ایک — دو — تین ٭ میں نے نقل اُتاری — ایک، دو، تین۔
گراموفون پر ریکارڈ لگایا گیا اور وُہ میرے ساتھ رقص کرنے لگے۔ مجھے ہنسی ضبط کرنا مشکل
ریکارڈ بج رہا ہے۔ ہم دونوں رقص کر رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ ہدایتیں مل رہی ہیں — تم مجھے اپنی
سمجھو، میرا ہاتھ مت جھٹکو، میرے پاؤں مت کچلو، یُوں مُنہ مت بناؤ، گھبراؤ مت۔

ذرا سی دیر میں میں سٹیپ سیکھ گیا۔ چلتے وقت میں پھر ہچکچانے لگا۔ وہ بولے — "بھتیجے، زندگی
یں یہ شام پھر کبھی نہیں آئے گی۔ زندگی بیحد مختصر ہے اور رنگین شامیں گنی گنائی ہیں — سمجھ لو کہ جو لمحہ
لذر گیا پھر کبھی نہیں آئے گا۔ لو اب مسکرانے لگو —" Kareem
اُنہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر میرے بال اور بھی پریشان کر دیئے "یوں اچھے لگتے ہو"
کلب کے برآمدے میں پہنچ کر وہ بولے — "تم اس کھڑکی سے سب لڑکیوں کو دیکھ لو اور مجھے
ناؤ کہ کس کے ساتھ ناچو گے —"

میں نے ایک سرے سے لڑکیوں کو دیکھنا شروع کیا — یہ سیاہ گاؤن — نہیں یہ شوخ بہت
علوم ہوتی ہے۔ یہ سنہری نیک لیس — اس کی ناک بہت لمبی ہے، نزدیک جانے پر کہیں چبھ نہ جائے
یہ سُرخ بالوں والی — اس کی صحت ضرورت سے زیادہ اچھی ہے — یہ سبز ربن — یہ بھی یونہی ہے
ور پھر دفعتہً نگاہیں ایک چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اسے پہلے کہیں دیکھا ہے
—— اس سنگ مرمر کے مجسمے کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔

میرے کندھے پر ایک ہاتھ آگیا — "کون سی ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ میں نے اشارے
سے بتایا۔ بولے — "انتخاب کی داد دیتا ہوں، سچ پوچھو تو میری نگاہ بھی اسی پر تھی۔ اگر میں تمہاری
مر کا ہوتا تو اُسی کو چُنتا۔ اب تمہارے لئے مجھے اس کی بوڑھی استانیوں کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔
چلو اندر چلیں —"

ہم اندر گئے اور سچ مچ بہت سی نگاہیں مجھ پر جم کر رہ گئیں۔ میرا تعارف کرایا گیا۔ پہلے دو
عمر خواتین سے — جو اس کی استانیاں تھیں۔ پھر اس سے — اس کا نام رُوبی تھا۔ ——
—— یہ چہرہ میں نے بارہا دیکھا ہے ان گلابی رسیلے ہونٹوں، ان شگفتہ رُخساروں
ن ساحر آنکھوں کو بار بار دیکھا ہے۔ لیکن یہ نام پہلی مرتبہ سُنا ہے۔ ویسے میں اسے جانتا ضرور ہوں

یہ موہنی مورت میں نے کئی مرتبہ خوابوں میں دیکھی ہے، تصور میں بسائی ہے۔

"اسے رقص کے لئے کہو۔" فرینکی میرے کان میں بولے

میں جھجکتا ہوا بڑھا۔ موسیقی شروع ہو گئی اور میں نے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ مدھم سروں میں بلیو ڈینیوب بج رہا تھا۔

ایک جھلمل جھلمل کرتی ہوئی ندی بہہ رہی تھی۔ شفاف نیلگوں پانی میں لہریں مچل رہی تھیں۔ بڑے بڑے کنول کے پھول ہلکورے لے رہے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے آئے اور پانی کی سطح پر ننھے منے رنگین پھول نکل آئے۔ یہ پھول بڑھتے گئے۔ پھر ان پر سرخ تتلیاں آ گئیں۔ اتنی ساری تتلیاں کہ سب کچھ سرخ ہو گیا پھر تتلیاں شعلے بن گئیں۔ چاروں طرف شعلے ہی شعلے لپکنے لگے۔ بادل گرجا۔ بجلی کوندی۔ ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں۔ شعلے غائب ہو گئے۔ چاند نکل آیا۔ چاروں طرف چاندنی پھیل گئی۔ بادلوں کے ٹکڑے چاند سامنے سے گذر گئے۔ سفید سفید پرندوں کی قطاریں اڑتی ہوئی چلی گئیں۔ چاند آسمان کو عبور کرتا ہوا نیلے نیلے گنبدوں کے پیچھے چلا گیا۔ ٹمٹماتے ہوئے تارے طلوع ہوئے۔ ان کی چمک بڑھنے لگی۔ ان میں حرکت پیدا ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے وہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ تاریکی پھیل گئی۔ پھر کہیں سے جگنو آ گئے —— ایک جھنجھناہٹ کے ساتھ سارا طلسم ٹوٹ گیا —— موسیقی تمام ہوئی —— والز ختم ہو گیا۔ دفعتہً مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک نیلے چاند کو بازوؤں میں لے کر فضاؤں میں پرواز کرتا رہا ہوں

"یہ میرا پہلا والز ہے۔" میں نے کہا

"یہ میرا بھی پہلا والز ہے۔" وہ بولی

میں کچھ کہنے کے لئے الفاظ تلاش کرنے لگا —— "باہر بڑا اندھیرا ہے، نہ جانے چاند کب نکلے گا۔"

"مجھے بھی چاند کا بڑا انتظار رہتا ہے۔ مجھے چاندنی بہت پسند ہے۔"

"بلیو ڈینیوب میری محبوب گت ہے۔"

"میری بھی۔"

موسیقی شروع ہو گئی۔ ہم رقص کرنے لگے۔ بدستور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"معاف کیجئے، مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ نہ رقص کرنا آتا ہے۔ نہ باتیں کرنا آتی ہیں۔ نہ لباس پہننے کی تمیز ہے۔"

"جی ہیں نے بھی رقص ابھی ابھی سیکھا ہے ــــ یہ بھڑکیلا لباس مجھے بالکل پسند نہیں۔ میری سہیلیوں کا اصرار تھا کہ آج میں اپنے نام کے مطابق رُوبی رنگ کا لباس پہنوں ــــــــ ــــــ لیکن مجھے شوخ کپڑے ذرا نہیں بھاتے۔"

"آپ کو تو ہر لباس سج جائے گا۔"

اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

"آپ کے خدوخال مشرقی ہیں، یہ سیاہ آنکھیں، سیاہ بال اور محجوب نگاہیں ــ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مشرقی محلسرائے سے کوئی شہزادی نکل آئی ہو۔"

"جی، یہ آنکھیں اور یہ بال میری امی کے ہیں، وہ ہسپانیہ کی ہیں۔ میرے ابا آئرش ہیں۔ میرے ساتھ کئی ہندوستانی لڑکیاں بھی آئی ہوئی ہیں۔ وہ اکثر مجھے ہندوستانی لباس پہنا دیا کرتی ہیں۔"

موسیقی شروع ہو گئی لیکن ہم دونوں باہر برآمدے میں چلے گئے اور سیڑھیوں پر بیٹھ گئے آسمان میں تارے بڑی تیزی سے چمک رہے تھے، ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

اس نے مجھے بتایا کہ اُسے ہندوستان میں آئے تھوڑا سا عرصہ ہوا ہے۔ بمبئی میں اس کے چچا ایک بہت بڑی فرم میں ہیں۔ وہ وہاں لڑکیوں کے کالج میں پڑھتی ہے۔ لڑکیوں کا ایک گروپ استانیوں کے ساتھ کشمیر آ رہا تھا۔ اس کے چچا نے اسے ساتھ بھیج دیا۔ اِن دنوں اس کی امی اور

ابا دوسرے ملکوں میں گئے ہوئے ہیں۔ بمبئی سے گذرتے ہوئے اُسے چچا کے پاس چھوڑ گئے۔ بہت جلد وُہ اُسے واپس آئرلینڈ لائیں گے۔ اُسے ہندوستان بہت پسند آیا ہے۔ اُس کا جی چاہتا ہے کہ وُہ یہاں کچھ اور عرصہ رہے۔

ہم واپس ہال میں آتے تو بلیو ڈینیوب بج رہا تھا، میں نے کچھ دیر کے لیے جیسے کنول کے پھولوں کو ہاتھوں میں تھام لیا اور بلندیوں میں رقص کرنے لگا۔

جب رُوبی اپنی اُستانیوں اور سہیلیوں کے ساتھ چلی گئی تو ہال سُنسان ہو گیا۔

فرینکی کی دیکھا دیکھی میں نے بھی شوخ کپڑے پہننے شروع کر دیئے۔ صبح صبح میں نے ایک بہت شوخ چیک کی قمیض پہنی جس میں بے شمار رنگ تھے۔ رنگین پھولدار سکارف گلے میں لپیٹا۔

فرینکی بولے "تمہارا قد، رنگ اور لباس — تم بالکل کاؤ بوائے معلوم ہوتے ہو صرف ایک کاؤ بوائے ہیٹ کی کسر ہے۔ وُہ میں تمہیں دیئے دیتا ہوں۔"

اُنہوں نے ایک چھجے دار ہیٹ مجھے دیا۔ ہم گھوڑوں پر باہر نکلے۔ فرینکی بولے "بالکل کاؤ بوائے — ہو بہو کاؤ بوائے — یاہ ہُو وُوُ —"

میں نے کاؤ بوائز کی طرح چلّا کر کہا — "یپی یِ یِ یِ —"

آبادی سے نکل کر اُنہوں نے پوچھا "تمہیں کاؤ بوائز کے گانے آتے ہیں —؟"

"ہاں آتے ہیں" — میں نے گانا شروع کیا۔ اُنہوں نے ساتھ دیا۔
گانے میں یہ بار بار آتا تھا —

"یپی یا یا یا یپی یا
یپی یے یے یے یپی یے —"

——— ایک جگہ ہم نے گھوڑوں کو باندھا اور خود تتلیوں کی تلاش میں نکل گئے۔ ایک جھنڈ میں دیکھتے ہیں کہ کئی لڑکیاں بیٹھی ہیں — ارے یہ تو وہی ہیں یہاں روبی بھی ہوگی۔ روبی بھی تھی۔

استانیوں کے سامنے پتھروں کا چھوٹا سا ڈھیر تھا۔ غالباً معدنیات یا جمادات پر لیکچر ہو رہا تھا۔ ہم بھی اسی جھرمٹ میں جا بیٹھے۔ لیکچر ختم ہوا تو لنچ شروع ہوا۔ مجھے کہا گیا۔ میں نے معذرت کی

"لنچ نہیں کھاتے؟" استانیاں حیران ہو کر بولیں — "آخر کیوں؟"

"دیکھئے تو سہی کاؤ بوائے ہو کر لنچ نہیں کھاتا" — فرینکی کہنے لگے۔ یہ کاؤ بوائے والا نام بہت پسند کیا گیا۔ جب روبی نے مجھے کباب کا ٹکڑا دیا تو میں انکار نہ کر سکا۔ کئی بار ہماری انگلیاں چھو گئیں۔

طے ہوا کہ اور آگے چلیں، استانیوں کو جغرافیے کے سلسلے میں کسی خاص قسم کے پتھروں کی تلاش تھی۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہ مل سکے۔ ایک جھیل آئی۔ وہ کہنے لگیں۔ شاید اس کی تہہ میں ہوں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ تہہ سے نکالے کیونکر جائیں۔ فرینکی نے تھیلے سے تیرنے کا لباس نکالا اور مجھے دیا میں جھیل میں کود گیا۔ تہہ میں پتھر تھے تو سہی لیکن عجیب بے ڈھنگے اور بھاری۔ بڑی مصیبتوں سے ایک پتھر ہلایا۔ اس مرتبہ پانی میں اتنی دیر ٹھہرنا پڑا کہ دم ٹوٹنے لگا تھا۔ پتھر باہر لایا۔ معائنے کے بعد بتایا گیا کہ یہ کسی اور قسم کا پتھر ہے۔ میں نے پھر غوطہ لگایا۔ کئی مرتبہ کوشش کی۔ جب سردی لگنے لگی تو میں باہر نکل آیا۔ شام ہو چکی تھی۔ ہم واپس لوٹے میں اور روبی پیچھے رہ گئے۔ میں نے اُسے جی بھر کے دیکھا۔ جب کہیں مشکل سا راستہ آتا تو میں اُسے اپنے بازو سے سہارا دیتا۔ میں نے پھول توڑ کر اُسے دیئے۔ تھوڑی سی باتیں بھی ہوئیں۔

جب میں اور فرینکی گھوڑوں پر واپس جا رہے تھے تو وہ بولے — "یہ لڑکی تمہیں پسند کرتی ہے"

"کون سی لڑکی؟"

"رُوبی۔"

"سچ مچ؟"

"ہاں — اور شاید اور زیادہ پسند کرنے لگے۔"

"آپ کو کس نے بتایا؟"

"اُس کی نگاہوں نے — آج وُہ تمہیں ایسی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ مجھے یقین ہو گیا جب تم نے غوطہ لگایا اور دیر تک اندر رہے تو وُہ اتنی بے چین ہوئی کہ اگر تم کچھ دیر اور اندر رہتے تو وُہ پانی میں کُود جاتی۔"

"لیکن —"

"میں بڑا شریر بوڑھا ہوں بھتیجے — میں نے ایسے کھیل کئی مرتبہ کھیلے ہیں حقیقت یہ ہے کہ میں نے عمر کے یہ تیس پینتیس سال یُوں جھاڑ دیئے ہیں جیسے کوٹ کے کالر سے گرد جھاڑ دیتے ہیں — یوں چٹکی بجا کر —"

"اُس نے کچھ کہا؟"

"ابھی تک تو نہیں کہا عنقریب کہہ دے گی لیکن یہ مت بھولنا کہ تم اتفاق سے ملے ہو، تھوڑے عرصے کے لئے، اس کی اور تمہاری راہیں مختلف ہیں سفر میں کتنے مُسافر ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں۔ اسے سنجیدگی سے مت سوچنا۔ یہ یاد رکھنا کہ ہزاروں رُوبی آئیں، ہزاروں جائیں لیکن تمہیں اتنی سی پروا نہ ہو۔ خوب ہنسو کھیلو، ایسے لمحوں کا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن اپنی جان کو کبھی روگ نہ لگانا جس دن تم نے کسی لڑکی کے فراق میں آہیں بھرنی شروع کر دیں۔ اُس دن تمہارے انکل فرینکی تم سے خفا ہو جائیں گے۔"

اگلے روز ہم نے اُستانیوں اور لڑکیوں کو چاء پر بلایا۔ ہم نے کوٹھی سجائی، گلدانوں میں پھول لگائے رُوبی بھی آئی۔ اُس نے ساری پہن رکھی تھی۔ ساری میں وُہ ایسی پیاری معلوم ہو رہی تھی کہ بس۔ اُس نے سب کی نظریں بچا کر اُنگلیاں ماتھے سے چھُوا کر مجھے سلام کیا۔ میں نے اسی طرح جواب دیا۔ بولی ——

"یہ ساری میری ایک سہیلی کی ہے، یہ سلام کرنا بھی اُسی نے سکھایا ہے۔ اگر میرے بال لمبے ہوتے تو میں دو چوٹیاں کرتی، جیسے میری سہیلی نے کی ہوئی ہیں۔ آپ نے دیکھا اُسے ؟"

"نہیں تو ——"

"وُہ سامنے بیٹھی ہے ——"

"ہو گی۔ جب تم سامنے ہو تو نگاہیں کسی اور جانب جاتی ہی نہیں"۔

میں نے اُسے پھولوں کے گجرے دیئے کہ ہاتھوں میں پہن لو۔ بولی "ابھی تو بیڈمنٹن ہو گی، پہنے تو پھول بکھر جائیں گے، چلتے وقت پہنوں گی"۔

چاء پر ہم آمنے سامنے بیٹھے۔ شاید بیڈمنٹن بھی ہوئی، تاش بھی ہوئی، کھیل بھی کھیلے گئے، مجھے بقیہ لڑکیوں سے بھی ملایا گیا —— مجھے اچھی طرح پتہ نہیں۔ بس میں رُوبی کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے۔ نظریں بچا کر، دزدیدہ نگاہوں سے، ہزار بہانوں سے۔

چلتے وقت اُس نے سر پر پَلّو لے کر اُسی طرح مجھے سلام کیا۔

فرینکی نے بتایا کہ اُستانیوں نے ہمیں چاء پر بلایا ہے —— "بھئی ان چھوکریوں نے تو ہمارا کرکٹ کا پروگرام خراب کر دیا۔ آج کہہ رہی تھیں کہ نمائش دیکھنے سری نگر چلیں"۔

"پھر آپ نے کیا کہا ——؟" میں نے بیتاب ہو کر پوچھا

"کیا کہنا تھا —— اپنے بھتیجے کے لئے جانا پڑے گا۔ وہاں ملنے کے موقع زیادہ مل سکیں گے۔ جانتے ہو محبّت کی پہلی نشانی کیا ہے ؟" ———— "کیا ہے ؟"

"دن میں دو مرتبہ شیو کرنا۔ اور آج تم نے دو مرتبہ شیو کیا ہے۔"

ہم دونوں سری نگر گئے۔ ڈل میں دو ہاؤس بوٹ لئے۔ ایک اُن سب کے لئے اور دوسرا اپنے لئے۔ میرے لئے ایک چھوٹی سی کشتی بھی لی گئی۔

سب سری نگر گئے۔ مصیبت یہ تھی کہ ساری لڑکیوں سے تعارف ہو چکا تھا۔ ہر ایک سے باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ اُن کے ساتھ جانا پڑتا تھا۔

شام کو نمائش جانے سے پہلے فرینکی بولے۔ "ان سب کو میں اپنے ساتھ رکھوں گا۔ تم رُوبی کو ساتھ رکھنا اور ہم سے دُور دُور رہنا۔"

رُوبی نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ اُس کے مشرقی خدوخال پر یہ لباس ایسا سج رہا تھا کہ وُہ آنکھوں میں کھبی جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا۔ اس کے ماتھے پر سیاہ ٹیکا لگا دوں، اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ کہیں اسے میری ہی نظر نہ لگ جائے۔

ایک سٹال پر قدِ آدم آئینہ تھا۔ میں نے اُسے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ "تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ تم کتنی پیاری معلوم ہو رہی ہو، ذرا اپنا عکس تو دیکھو۔"

"آج پہلی مرتبہ میں نے یہ لباس پہنا ہے۔"

"تم ایک خوبصورت سی چینی کی گڑیا معلوم ہو رہی ہو۔"

ایک جگہ میں نے اس کے لئے ہلکی ہلکی نازک چوڑیاں لیں جو اُس نے پہن لیں۔ پھولوں کے ہار لئے۔ پھر ایک تنہا گوشے میں ایک دوسرے کو دیر تک دیکھتے رہے۔ پتلا سا اودا کدار چاند درختوں سے طلوع ہو رہا تھا۔

"رُوبی!"

"جی!"

"اس لباس کے ساتھ تو تمہارا نام بھی ہندوستانی ہونا چاہئے۔"

"آپ رکھ دیجئے — نیا نام —"

"رابعہ — روبی اور رابعہ سے بھی ہیں۔"

"رابعہ — میں اپنی سہیلیوں کو یہ نام بتاؤں گی۔"

اُس کے منہ سے رابعہ بڑا پیارا لگا۔

"میں نے بھی آپ کا نام رکھا ہے۔"

"کیا —؟"

"ابھی نہیں، پھر کبھی بتاؤں گی۔"

میں نے ہار اُسے دیتے ہوئے — "تمہیں ہندوستانی پھولوں کی خوشبو ناپسند تو نہیں؟"

"جی نہیں، مجھے تو یہ خوشبوئیں بیحد پسند ہیں۔ ان میں ایک نامعلوم سا فسوں ہے، ایسا فسوں جو بھلائے نہیں بھولتا، جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

"جو تمہاری آنکھوں میں ہے۔"

اُس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ میں نے اُس کے لئے آویزے لئے۔ وہ بولی۔ "ایسا قیمتی تحفہ میں نہیں لوں گی۔" میں نے اصرار کیا کہ یہ قیمتی ہرگز نہیں۔ بالکل معمولی سے ہیں۔ وہ بولی۔ "اُستانیاں پوچھیں گی کہاں سے" کہہ دینا کہ خود خریدے ہیں۔"

"لاؤ تمہیں آویزے پہناؤں۔" اُس نے بہتیرا کہا کہ نہیں پھر کبھی پہن لوں گی، میں نے پہلے کیل پہن رکھے ہیں۔ لیکن میں نے کیل اتار کر آویزے پہنا دیئے۔

"اب تم سچ مچ رابعہ بن گئی ہو۔"

"بس میرے بال تراشیدہ ہیں۔ اگر یہ بڑے ہوتے تو میں ضرور دو چوٹیاں کرتی ـــــ تب میں بالکل ہندوستانی لڑکی دکھائی دیتی ـــ"

"تم اب بھی ہندوستانی معلوم ہوتی ہو۔ یہ تمہیں سر پر ٹوپو رکھنا کس نے سکھایا ہے؟"

"کسی نے بھی نہیں، یونہی میرا جی چاہتا ہے کہ سر پر ٹوپو رہے، کیوں اچھا نہیں لگتا کیا ـــ"

"بہت اچھا لگتا ہے۔"

جب فرینکی نے اشارہ کیا تو مجھے گروہ میں شامل ہونا پڑا

سہ پہر کو فرینکی بولے ـــ "آج شام کو کلب میں بوڑھوں اور بوڑھیوں کا رقص ہے۔ سب پچاس سے اوپر ہونگے۔ میں بھی مدعو ہوں۔ وقت گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ میں بوڑھوں کی صحبت سے بہت گھبراتا ہوں۔ دونوں استانیاں میرے ساتھ جا رہی ہیں۔ ہم کافی دیر میں لوٹیں گے۔ لڑکیوں کو اِدھر اُدھر کر دوں گا۔ چاندنی رات ہو گی تم روبی کو کشتی میں لے جانا۔"

شام کو انہوں نے سب کو اس خوبی سے تتر بتر کر دیا کہ کسی کو پتہ نہیں رہا کہ کون کہاں ہے میں کشتی لے کر نکلا، روبی کو ساتھ لیا۔ اس نے رنگین لباس پہن رکھا تھا۔ رنگین دوپٹے میں گوٹے کا پلو جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ کانوں میں وہی آویزے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں۔

میں کشتی چلا رہا تھا اور وہ سامنے بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہاؤس بوٹ اور روشنیاں پیچھے رہ گئیں۔ سفیدے کے درخت آئے پھر سرو کے درختوں کی قطاریں۔

"میں بھی کشتی چلاؤں گی ـــ ایک چپو مجھے دے دیجئے" وہ میرے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر ہم دونوں کشتی چلاتے رہے۔

"تم تھک گئی ہو گی ـــ" میں نے اس کے گرد بازو حمائل کر کے چپو تھام لیا۔

"لائیے میں بھی آپ کی مدد کروں"۔ اُس نے میرا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔ ہوا کے جھونکوں سے
س کے بال لہرا رہے تھے۔ بار بار اُس کی چوڑیاں بجتی تھیں ۔ ہم دُور نکل آئے۔

"کشتی کہاں ٹھہرائیں؟"

"اُس کنج میں جہاں چاند ٹہنیوں کے پیچھے چھپا ہُوا ہے۔"

کشتی کنارے تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ کنارے پہ پانی تھوڑا تھا۔ میں پانی میں اُتر گیا۔

"آؤ"۔ میں نے بازو پھیلا کر کہا۔ "کچھ دُور تک پانی ہے۔"

اُس نے دوپٹہ درست کیا اور شرماتی لجاتی میرے بازوؤں میں آگئی۔ میں اُسے کنارے پر
آیا۔ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔ وہ ایک خوشنما کنج تھا۔ خوشبودار پھولوں نے
ب کچھ مہکا رکھا تھا۔ سرو کے درخت چُپ چاپ کھڑے تھے۔ چاروں طرف ایسی خاموشی تھی
ے سب کچھ سو رہا ہو۔ کبھی کبھار کوئی جھینگر بول پڑتا۔ یا جھاڑیوں سے کوئی پرندہ نکل کر اُڑ جاتا۔
دونوں سبزے پر بیٹھ گئے۔ چاندنی میں پہلی مرتبہ میں نے اُس کا چہرہ اتنے قریب سے دیکھا۔

میں نے اسے بتایا کہ اُس رات میں نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ مجھے اُس کا چہرہ بے حد
ن معلوم ہُوا۔ وہ کہنے لگی کہ اُسے بھی یُونہی سا محسوس ہُوا تھا جیسے وہ مجھے برسوں سے جانتی ہو
سے کہیں بھی ملتا وہ پہچان لیتی۔

میں اُس کے آویزوں سے کھیلتا رہا، چوڑیوں سے کھیلتا رہا، بالوں سے کھیلتا رہا۔

"اچھا ۔۔ بھلا تم نے میرا نام کیا رکھا ہے؟"

اُس نے ہتھیلی اُٹھائی اور میں نے آنکھیں میچ لیں۔

"بے بی ۔۔ بالکل بے بی۔"

"نہیں" میں نے مچل کر کہا۔

"میں نے پہلی ملاقات پر ہی تمہارا یہ نام رکھ دیا تھا — بے بی"
اس نے آہستہ سے میرے گال کو چھوا — "کبھی پہلے بھی کسی نے بے بی نام رکھا؟"

"نہیں تو۔"

"اور یہ گردن کا تل ہے۔ اسے کسی نے چھوا؟"

نہ جانے ایسے کتنے سوال اس نے پوچھ ڈالے۔ دیر تک ہم یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ چاند درختوں کے پیچھے چلا گیا۔ سائے لمبے ہو گئے۔ جب چاندنی پھیکی پڑنے لگی تو ہم واپس لوٹے۔ کشتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ ہولے ہولے چل رہی تھی اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

میں نے فرینکی کو اپنا نام بتایا۔ وہ اچھل پڑے — "بہت اچھے! یہ نام تو کاؤبوائے والے نام کو بھی مات کر گیا۔ کیسا موزوں نام رکھا ہے اس لڑکی نے — ویسے تم ہو بالکل بے بی۔"
انہوں نے ناشتے پر یہ کہہ دیا۔ میرے سامنے دودھ کا جگ رکھ دیا گیا۔ "بے بی چائے نہیں پیا کرتے، دودھ پیتے ہیں۔"
"آج بے بی بھوکا رہ گیا۔ اس کے لئے گائے کا دودھ اور بے بی بسکٹ منگائے جائیں۔" یہ دونوں چیزیں شام کو آ گئیں اور دو تین کھلونے بھی۔
فرینکی موٹر ہو کر آئے۔ بولے "چلو باغ میں پھول توڑیں گے۔ روبی کو ساتھ لے چلتے ہیں۔" کلب آیا تو خود اتر گئے۔ بولے "مجھے واپسی میں ساتھ لے لینا — یہ کیبرہ ہے، اس میں سلف ٹائم لگا ہوا ہے — واپس آنے کی کوئی خاص جلدی نہیں ہے۔"
روبی کہنے لگی۔ میں کار چلاؤں گی۔ میں اس کے برابر بیٹھ گیا۔ باتیں کرتے کرتے ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے اور کار کسی چیز سے ٹکراتی ٹکراتی بچتی۔

ہم باغ میں پہنچے تو رنگ و بُو کا طوفان آیا تھا۔ شاید پھول ابھی ابھی کھلے تھے۔ دور دور تک رنگ برنگے تختے چلے گئے تھے جیسے قالین بچھا ہوا ہو۔ ننھے منھے خوشرنگ پرندے سیٹیاں بجا رہے تھے تتلیاں اور بھونرے پھولوں پر رقص کر رہے تھے۔

کتنی دیر تک ہم پھولوں اور کلیوں سے کھیلتے رہے۔ ہم نے آنکھ مچولی کھیلی، تصویریں اتاریں۔ درختوں پر نام کھودے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پریوں کے ملک میں دو بچے راستہ بھول کر چلے گئے ہوں۔

جب ہم واپس لوٹے تو دن ڈھل چکا تھا، ساری وادی پر پیلی سی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی ہماری گود میں پھولوں کا ڈھیر تھا کلب میں ہمیں فرینکی منتظر ملے۔ روبی کو چھوڑ کر انہوں نے دو داڑھیاں نکالیں۔ ایک خود پہنی۔ دوسری مجھے دی۔ کافی بڑھیا داڑھی تھی، مہنگی خریدی ہوگی۔ ہم داڑھیاں پہن کر سڑکوں پر نکل گئے۔ کئی واقف نزدیک سے گزرے۔ لیکن کسی نے نہ پہچانا۔

" یہ داڑھی جچتی ہے انکل فرینکی۔"

" لاؤ میں ٹھیک کر دوں۔" انہوں نے میری داڑھی ٹھیک کی۔

" اب بھی جچتی ہے۔"

" تو یہ مونچھیں لگا لو۔" انہوں نے جیب سے مونچھیں نکال کر دیں۔

سامنے گلی ڈنڈا ہو رہا تھا۔ " یہ کون سا کھیل ہے؟"

میں نے بتایا۔ بولے۔ " نہایت دلچسپ کھیل معلوم ہوتا ہے۔ چلو کھیلیں۔"

لڑکوں نے جو ہماری داڑھی مونچھیں دیکھیں تو ادھر ادھر بھاگ گئے۔ جلدی سے فرینکی نے داڑھی اتاری اور میں نے مونچھیں۔ بڑی مشکل سے لڑکوں کو واپس بلایا۔ انہوں نے ہمیں کھیل میں شریک کر لیا۔ شام تک گلی ڈنڈا کھیلا گیا۔ فرینکی بڑے اچھے کھلاڑی ثابت ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کرکٹ سے بہت کچھ ملتا ہے۔

رات کو ہم داڑھی مونچھیں لگا کر بدلتش میں گئے۔ اُن کی فرمائش پر کھانے کے لئے ایک سستے سے ہوٹل میں چارپائی پر بیٹھ کر تنور کی روٹیاں اور کوفتے کھائے گئے۔ انہوں نے حقہ بھی پیا۔

فریڈنگ اور میں ڈل میں تیر کر دھوپ بینک رہے تھے۔ "وہ دیکھئے" میں نے اشارہ کیا۔ چند شکارے آ رہے تھے۔ جن میں لڑکیاں تھیں۔

"بلاؤں؟"

"خود آ جائیں گی" وہ بولے

ذرا سی دیر میں شکارے پاس سے آ لگے۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی خبر ملی ہے کہ آج نشاط اور شالامار میں پانی آئے گا اور سارے فوارے چلیں گے چند لڑکیاں تصویریں اتارنا چاہتی تھیں اگر کوئی انہیں اپنے ساتھ باغوں میں لے جائے۔

"میرا بھتیجا اپنی کشتی میں گنی گنائی لڑکیوں کو لے جائے گا۔ بشرطیکہ آج شام کو تم ہمیں کوئی مزیدار سی چیز کھلاؤ۔"

انہوں نے لڑکیوں کا انتخاب کیا۔ ان میں رُوبی بھی تھی۔ میں انہیں کشتی میں لے کر نکلا۔ انکی فرمائش پر سیدھا راستہ چھوڑ کر بیلوں سے گھرے ہوئے کنجوں اور سرسبز تالابوں سے گذرا۔ باغوں میں فوارے چل رہے تھے، جھرنے رواں تھے، چھوٹی چھوٹی آبشاروں اور نہروں میں پانی آیا ہوا تھا۔ دہکتے ہوئے سُرخ پھولوں نے گویا آگ لگا رکھی تھی۔

رُوبی اور میں بیلوں کے پیچھے چلے گئے۔ ہم پھولوں اور کلیوں میں گھر کر بیٹھ گئے۔ آج وہ مغموم تھی "میں جلد ہی واپس چلی جاؤنگی، پھر کیا ہو گا — تم مجھے بھول تو نہ جاؤ گے ہم بہت جلد ملیں گے نا؟"
میں نے اسے بتایا کہ "میری تعلیم میں ابھی چند سال باقی ہیں۔ جب میں ڈگری لوں گا تو ابا مجھے

ضرور یورپ بھیجیں گے۔ تب ہم ملیں گے ۔۔ بس اب تم مسکرانے لگو۔"

" اچھا" اُس نے آنسو پونچھ ڈالے ۔ "تم جس طرح کہو گے اُسی طرح کروں گی۔"

مَیں نے فرینکی کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ بولا۔ "جب لڑکیاں رونے لگیں تو سمجھ لو کہ وہ سنجیدہ ہو چکی ہیں۔ کھیلتے کھیلتے تم بہت دُور چلے گئے ہو۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ جب تک وہ یہاں ہے تم اُسے اسی طرح پیار کرتے رہو۔ اس عمر کی محبت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ جب تک ایک دوسرے کے سامنے ہوں، چاروں طرف محبت ہی محبت برستی نظر آتی ہے۔ بڑی قسمیں، عمر بھر کے پیمان باندھے جاتے ہیں اور جہاں نظروں سے اوجھل ہوئے، تھوڑے سے رونے دھونے کے بعد کچھ یاد نہیں رہتا۔ ذرا سے عرصے کے بعد ساری باتیں خواب بن جاتی ہیں۔"

"مگر ۔۔"

"مگر وگر کچھ نہیں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بھتیجے تم مجھے اپنا ہم عمر سمجھو ۔۔"

واپسی کا پروگرام بنا۔ فرینکی نے ہمیں پھر ملنے کا موقعہ دیا۔ شام ہوتے ہی میں نے تدبیہ کو ساتھ لیا اور کشتی میں ہم اُسی کنج کی طرف چل دیئے۔ جہاں اُس رات گئے تھے۔

اُس نے زمردی لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کے دوپٹے کا روپہلی پیلو رہ رہ کر جگمگا اُٹھتا۔ پہاڑ کے پیچھے سے چودھویں کا چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ کہیں سے رات کی رانی کی مہک آرہی تھی۔

"یہ مہک کہاں سے آرہی ہے؟" میں نے پوچھا

"میرے بالوں سے۔ یہ دیکھئے ۔ ہے نا؟"

"نہیں یہ خوشبو پسند ہے؟"

"بہت ۔۔!"

اُس نے ایک چھوٹا سا رومال مجھے دیا۔" اس پر میں نے بیل بوٹے خود نکالے ہیں۔ اس پہ تمہارا نام بھی لکھا ہے۔"

وہ کُنج آ گیا۔ ہم سرو کی قطاروں میں چلے گئے، چاروں طرف وہی جانی پہچانی خاموشی تھی۔ وُہی مہک تھی۔ چاندنی ابھی ابھی پھیکی پھیکی تھی۔ جب چاندنی تیز ہوئی تو طرح طرح کے نغمے جاگ اُٹھے۔ رات کی رانی کی مہک بڑھتی گئی۔ دیر تک تارے درختوں سے جھانکتے رہے۔ ہوا کے جھونکے سائیں سائیں کرتے رہے ۔ سلسلے گھٹتے بڑھتے رہے ۔

جب ہم واپس لوٹے تو جھیل خاموش تھی، فضا خاموش تھی۔ دُنیا خاموش تھی۔

گلمرگ پہنچ کر فرینکی نے ایسے زور و شور سے کرکٹ شروع کیا کہ ساری کسر نکل گئی۔ وُہ بڑی محنت سے سبق سیکھتے، بڑی کوشش سے سبق یاد کرتے۔ دوپہر سے شام تک بولنگ کرتے۔ اُن کا کھیل پہلے سے کچھ کچھ بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

ایک روز وہ بڑی غمگین ملی۔ بولی "عنقریب ہم جانے والے ہیں۔ آج اُستانیاں واپسی کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ وہ تو پہلے ہی سے چلی جاتیں مگر فرینکی نے روکے رکھا۔ ہم رات کو ملے اُس نے بتایا کہ پرسوں تک اندھیرے وہ سب چلے جائیں گے۔ اُس نے ایک نامکمل سویٹر دکھایا جسے وہ میرے لئے بُن رہی تھی ۔" جتنا میں نے ابھی ابھی سیکھا ہے۔ پہلی چیز میں نے بُنی ہے وہ آپ کا سویٹر ہے ہیں اسے بمبئی سے مکمل کر کے بھیجوں گی۔ وہاں میری ایک بڑی ساری تصویر ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔ وہ بھی بھیجوں گی۔"

اُس نے مجھے ایک تصویر دی۔ اندھیرے میں اچھی طرح نظر نہ آتی تھی۔

" اس پہ لکھنا بھول گئی " ۔ آنکھوں کے سامنے تصویر رکھ کر اندھیرے میں اُس نے

کچھ لکھا۔ میں نے پڑھنے کی کوشش کی۔

"نہیں ابھی نہیں۔ میں چلی جاؤں تب پڑھنا"

اگلے روز فونیکی نے الوداعی پارٹی دی۔ رات کو رقص تھا۔ اسی ہال میں جہاں میں نے رُوبی کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکا ہلکا نیلا لباس۔ جب بلیو ڈینیوب بجا تو میں نے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ وہ دھیمی دھیمی سُریں ہمیں ایک ایسی دُنیا میں لے گئیں جہاں فراق کی گھٹائیں تلی کھڑی تھیں۔ آسمان سے غم برس رہا تھا۔ آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے، آہوں کے طوفان بپا تھے۔

رات کو وہ باغیچے میں ملی۔ اس نے مجھے لاکٹ دیا۔ "یہ میری امّی نے مجھے دیا تھا۔ میرے پاس اور کوئی ایسی نشانی نہیں ہے جو میں تمہیں دے سکوں۔ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنا، خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔"

ہم نے پروگرام بنائے۔ اگر وہ بمبئی رہی تو میں ملنے آیا کروں گا۔ اگر وہ واپس چلی گئی تو میں تعلیم مکمّل کر کے جتنی جلدی ہو سکا، وہاں پہنچوں گا۔

"اور جب تم ملنے آؤ گے تو میں سٹیشن پر تمہیں لینے آؤں گی۔ ہندوستانی لباس پہن کر، ہندوستانی خوشبو لگا کر، ہاتھوں میں چوڑیاں اور کانوں میں آویزے پہن کر ـــــ"

چاروں طرف تاریکی تھی، اُداسی تھی۔ جوں جوں رات گذرتی جاتی تھی، تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اُداسی بڑھتی جا رہی تھی۔ تاروں کی چمک مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

وہ بھولی بھالی حسین گڑیا بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی رہی، جب رات ختم ہونے کو آئی اور آسمان پر ہلکی ہلکی سفیدی پھیلنے لگی تو ہم رخصت ہوئے۔

علی الصبح وہ چلی گئی

✤ ✤ ✤ ✤ ✤

اس دن میں اکیلا باہر نکل گیا۔ اُداس و مغموم جنگلوں میں پھرتا رہا۔ رُوح پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ دُنیا تاریک معلوم ہو رہی تھی۔ میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ دیر تک بیٹھا رہا۔

"بے بی ــ" میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فرینکی کھڑے مسکرا رہے تھے۔

وہ میرے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے بڑی میٹھی میٹھی باتیں کیں۔ اُن کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایسی شفقت تھی جیسے میں اُن کا برسوں پرانا رفیق ہوں۔ ہماری عمروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم دونوں ہم عمر لڑکے ہیں۔

میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ وہ بولے ــ "تمہیں تو آج مسرور ہونا چاہئے۔ جب خدا کسی پر خوش ہوتا ہے تو اُسے محبت عطا کرتا ہے۔ تمہیں وہ عطیہ ملا ہے جو بہت کم انسانوں کو ملتا ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ تمہیں اس کا ذرا بھی خیال نہیں تھا۔ تمہیں محبت ملی۔ اور پھر کیسی پیاری لڑکی کی معصوم محبت۔ حالات پر تمہارا قابو نہیں۔ وقت کے سیل کو تم نہیں روک سکتے۔ تم دونوں کو جدا ہونا تھا۔ ایسے دل آویز لمحے فانی ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں۔ لیکن ان کی یاد رہ جاتی ہے اور یہ یاد زندگی کے اُداس لمحوں کو جگمگاتی رہتی ہے۔ کیسا کیف آور خیال ہے کہ کبھی تمہیں ایک بھولی بھالی مخلص لڑکی نے چاہا تھا اور شاید اب بھی دُنیا کے کسی گوشے میں وہ تمہیں یاد کرتی ہے۔ کتنی حسین یاد ہے ــ سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن یادیں فنا نہیں ہوتیں۔ یادیں زندگی بنتی ہیں۔"

انہوں نے ایسی اچھی اچھی باتیں کیں کہ میں مسکرانے لگا۔ ہم مسکراتے ہوئے واپس لوٹے۔ شام کو خوب بولنگ ہوئی۔ اب وہ سیدھی گیندیں پھینکنے لگے تھے۔ کبھی کبھار بریک بھی کرا لیتے تھے۔ ایک آدھ بار تو انہوں نے مجھے آؤٹ بھی کر دیا۔

رات کو روشنی کے سامنے انہوں نے ہاتھوں کے سائے سے جانور اور پرندے بنائے

رنگیلی، خرگوش، کتا، بطخ۔ میں نے بھی سیکھے۔ سایوں سایوں کی آپس میں چھوٹ موٹ کی لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔

کلب میں رقص تھا۔ مجھے ساتھ لے گئے۔ میرے لئے ہال کی سب سے حسین لڑکی چن کر لائے جب ہم بلیو ڈینیوب پر رقص کر رہے تھے تو میں کیسا اداس ہو گیا۔ جیسے میرے بازوؤں میں روبی آگئی ہیں اتنا غمگین ہوا کہ کونے میں اکیلا جا بیٹھا۔ فرینکی مسکراتے ہوئے آئے۔ میرے کندھے کو تھپتھپایا۔ "بھتیجے! تم بھول جاتے ہو کہ زندگی بے حد مختصر ہے۔ یہ لمحے دوبارہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ نہ جانے کتنی مرتبہ بلیو ڈینیوب بجے گا۔ ہر دفعہ رقص کے لئے نیا ساتھی ملے گا لیکن تمہیں ہر بار مسکراتے ہوئے رقص کرنا ہوگا۔ اپنے ساتھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر — یہ تمہارا فرض ہے — ورنہ زندگی تم سے بیزار ہو کر تمہیں پیچھے چھوڑ جائے گی۔ جاؤ اس لڑکی سے پھر رقص کے لئے کہو۔"

ایک روز پارسل ملا۔ تدبی نے بھیجا تھا۔ سویٹر جس پر میرے نام کا پہلا حرف لکھا تھا۔ روبی کی ایک نہایت اچھی تصویر، چند کڑھے ہوئے رومال اور کچھ کھلونے "بے بی کے لئے"۔ ساتھ ہی ایک خط جس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ یورپ جا رہی ہے۔ خط کی عبارت میں اتنا خلوص اور پیار تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ معصوم سی حسین روح میرے کندھے سے سر لگائے باتیں کر رہی ہے۔

فرینکی نے ایک اور پروگرام بنایا۔ ہم گلمرگ سے پہلگام گئے۔ ڈاک بنگلے چشموں پر گئے۔ پہاڑی جھرنوں پر چڑھے۔ جنگلوں میں خیمے لگے۔ الاؤ کے گرد بیٹھ کر درختوں کے تنوں پر سایوں سے

تصویریں بناتے، ماؤتھ آرگن کے ساتھ گانے گاتے جاتے ——————
پرندوں کے رنگین پر، پتھروں کے گول چمکیلے ٹکڑے، خود رو پھول —— ہمارے پروں اور
پھولوں کے البم بھر گئے۔ فرینکی نے مچھلیاں اور پرندے پکڑنے کی بہت سی ترکیبیں بتائیں
جانوروں کو بے وقوف بنانے کے طریقے بتائے۔ تاش کے کھیل سکھائے۔ دوسرے ملکوں کی
باتیں سنائیں۔ دنیا بے حد دلچسپ معلوم ہونے لگی۔

جب واپس گلمرگ پہنچے تو مجھے خیال آیا کہ میری چھٹیاں ختم ہو چکی ہیں اور کالج کبھی کا کھل
چکا ہے۔ فرینکی بھی کچھ عرصے کے بعد وہاں سے جا رہے تھے۔ افغانستان کی طرف، اپنے کسی دوست سے
ملنے، جہاں شکار کا پروگرام تھا۔

جب میں وہاں سے چلا تو وہ مجھے چھوڑنے سری نگر تک آئے۔ اُنہوں نے مجھے اپنی تصویر دی
جس پر لکھا تھا —— "بے بی کے لئے، انکل فرینکی کی طرف سے"۔

علی الصبح مجھے روانہ ہونا تھا۔ وہ رات ہم نے ڈل کے کنارے ٹہل کر گذار دی۔ ہم نے
خوب باتیں کیں۔ اُنہوں نے مجھے اپنی زندگی کے قصّے سنائے —— "کہنے کو میری عمر کافی ہے اور میں
زندگی کا بیشتر حصّہ گذار چکا ہوں۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے لئے زندگی ابھی ابھی شروع
کی ہے۔ مجھے دنیا کی نفیس ترین چیزوں سے محبّت ہے۔ مجھے طرح طرح کے رنگوں سے محبت ہے
چاند تاروں سے محبّت ہے۔ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے محبت ہے۔ اندھیری رات کے
چمکتے ہوئے تاروں سے محبّت ہے۔ وہ قوسِ قزح بڑی پیاری لگتی ہے۔ جو کمان کی طرح کسی
وادی پر محیط کر جائے۔ سچائی، خلوص اور محبّت پر اب تک میرا اعتقاد ہے۔ ایک مخلص دوست
میرے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ میں صرف خلوص پر زندہ ہوں۔ یہی میری زندگی کا ماحصل
ہے۔ یہی میرا ماضی ہے یہی مستقبل۔ میں نے زندگی سے اور کچھ نہیں مانگا —— زندگی کا ہر سال

نہ کر میری عمر میں جمع نہیں ہوتا بلکہ کم ہو جاتا ہے ۔ اب بھی میں مچھلیوں اور تتلیوں کو کسی اور دنیا
کی مخلوق سمجھتا ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ ہر رات ایک نئی کائنات تخلیق ہوتی ہے ۔ جب انسان سو
جاتے ہیں تو چاندنی میں پریاں اُترتی ہیں ۔ دُنیا کا گوشہ گوشہ نقشے میں موجود ہے ۔ لیکن مجھے پورا
یقین ہے کہ کہیں نہ کہیں ایک ایسا جزیرہ ضرور ہے جس میں انسان نے آج تک قدم نہیں
رکھا ۔ اُس جزیرے میں ایسے ایسے رنگ ہیں جو انسانی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھے ۔ طرح طرح کے
خوشنما پرندے ہیں جن کے چہچہوں میں ایسی موسیقی ہے جس سے انسان نا آشنا ہے ۔ اُس کا
کونہ کونہ پُر اسرار اور مسحور ہے — وہ جزیرہ اُس سیاح کا منتظر ہے جو کسی دن کشتی لے کر پیچھے
سے آجائے گا ۔"

چلتے وقت میں نے وعدہ کیا کہ میں کبھی غمگین نہیں ہوں گا ہمیشہ مسکراتا رہوں گا۔

کالج پہنچ کر میں نے اُن کی باتیں دوستوں کو سُنائیں ۔ اُن کے خط آتے رہے ۔ افغانستان
سے وہ کہیں اور چلے گئے تھے ۔
ایک روز کرکٹ کا میچ تھا ۔ بلیزر کی جیب میں اُن کی تصویر تھی ۔ میں نے کھلاڑیوں کو دکھائی
ان میں سے چند تو چونک پڑے ۔
"یہ تمہارے دوست کیسے بنے ؟"
میں نے بتایا کہ میں اُنہیں بولنگ سکھایا کرتا تھا ۔ بڑی محنت کے بعد وہ اس قابل ہو گئے
تھے کہ سیدھی گیند پھینک سکیں ۔
"بولنگ سکھایا کرتے تھے ؟ — ان کو ؟"
"ہاں !"

" جانتے ہو یہ کون ہیں، آسٹریلیا کے مشہور بولر، جو اپنے وقت میں دُنیا کے بہترین بولر رہ چکے ہیں "

لیکن مجھے یقین نہ آیا۔ اُنہوں نے ایک کتاب میں فرینکی کی تصویر دکھائی
" لیکن میں نے سچ مچ اُنہیں بولنگ سکھائی تھی "
میرا خوب مذاق اُڑا۔

اُس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن بعد میں سمجھا۔ اُس پُر رونق جگہ میں جس طرح میں تنہا اور اُداس تھا۔ اُسی طرح شاید فرینکی بھی تنہا اور اُداس تھے۔
شروع شروع میں کرکٹ ہی اُنہیں ایسا موضوع مل سکا جو ہم دونوں میں یکساں تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ہمارے نظریے، ہمارے خیالات، ہمارے مشاغل یکساں تھے،
ہمارے دل ہم عمر تھے۔
اور ہم دونوں میں سے لے پی کون تھا؟ — میں یا وہ؟ — یا شاید دونوں ❖

# تعویذ

چار بجے شیطان چاء پینے آئے۔ جب ہم پی کر باہر نکلے تو دفعتاً انہیں یہ احساس ہوا کہ چاء ٹھنڈی
تھی چنانچہ ہم اُن کے ساتھ ہو لیے۔ وہاں جا کر انہوں نے تین پیالی چاء پی لی لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔ مصر تھے کہ
یہ چاء بھی ناکافی رہی، کیونکہ اس کے ساتھ لوازمات موجود نہ تھے لہٰذا کسی کیفے میں جا کر باقاعدہ
پی جائے۔

مصیبت یہ ہے کہ شیطان کو ہر وقت چاء کی پیاس لگی رہتی ہے اور وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں
دن میں دو مرتبہ دنیا سے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک تو جب وہ صبح دس بجے اٹھتے ہیں تو ان کے
دنیا اندھیر ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ شعر سرے سے پیدا ہوا ہی نہیں لیکن چاء کی چند پیالیوں کے
بعد انہیں ایک پتہ چلتا ہے کہ ابھی شعر کے امکانات باقی ہیں۔ یہی حال تیسرے پہر چاء کے وقت ہوتا
ہے، اٹھتے ہیں تو انہیں زندگی سے بیزار پاتے ہیں اور پھر چار بجے اُن کا عجیب سا حال ہوتا ہے۔ اگر
چاء کی دریافت سے پہلے اس دنیا میں پیدا ہوئے ہوتے تو نہ جانے ان کا کیا حال ہوتا۔

ہم سائیکلوں پر ٹہلتے ٹہلتے کیفے میں پہنچے جہاں ہمیں اکثر بڈی ملا کرتا تھا۔ اندر جاکر دیکھا تو سب
ہو سنسان پڑا تھا، فقط ایک کونے میں ایک نحیف و نزار نوجوان بیٹھا چاے پی رہا تھا۔ ہم اس کے قریب جا
بیٹھے۔ ہماری طرف اس کی پشت تھی۔ سسکیوں کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ وہ سسک سسک کر رو رہا تھا۔ چہرے سے
بہتے ہوئے آنسو سینڈوچز، کیک کے ٹکڑوں اور چاے کی پیالی پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ غور سے دیکھتے ہیں
یہ امجد تھا ــــ امجد ہمارا پرانا دوست تھا جو مدت سے لاپتہ تھا۔ ہم اس کی میز پر جا بیٹھے۔ بسور بسور کر
س نے عجیب سلیک کی اور پھر رونے میں مشغول ہو گیا۔ شیطان بولے ــــ دیکھیے مولانا، اگر آپ
ینڈوچز یا چاے کے سلسلے میں رو رہے ہیں تو بہتر یہی ہوگا کہ کم از کم یہاں سب کے سامنے نہ روئیں۔ جس
خص نے یہ چیزیں تیار کی ہیں وہ سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے اور وہ بے حد حساس و جذباتی ہے۔ اسے
شدید اذیت پہنچے گی۔ لیکن امجد بدستور مصروف رہا۔

شیطان بولے "خان بہادر صاحب کا کیا حال ہے؟"

"کون سے خان بہادر صاحب کا؟" امجد نے پوچھا

"کوئی سے خان بہادر صاحب کا!"

"اوہ!"

ہم نے بہتیری کوشش کی کہ اس نالائق کو ہنسائیں لیکن کچھ نہ بنا۔ اتنے میں بڈی آ گیا۔ ہم نے
ہمیشہ روتے ہوئے امجد کا تعارف ہمیشہ ہنستے ہوئے بڈی سے کرایا۔ اب بڑی سنجیدگی سے وجہ پوچھی گئی۔
بر امجد نے بتایا کہ اس کی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے بلکہ بالکل ہی گر گئی ہے۔ اس کی آنکھوں کے
سامنے رات کو تارے ناچتے ہیں اور دن بھر اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ وہ اپنے آخری امتحان میں مدت سے
فیل ہو رہا ہے۔ لگاتار فیل ہو رہا ہے۔ اگر محنت کرے اور پرچے اچھے ہو جائیں تب بھی فیل ہو جاتا ہے
اگر پرچے خراب ہو جائیں تب بھی۔ اس کی قسمت ہمیشہ اسے دھوکہ دیتی ہے۔ وہ کسی پر عاشق بھی ہے

محبوب نے پہلے تو سب کچھ کہہ سن لیا اور بعد میں بڑے مزے سے اُسے ڈبل کراس کر دیا۔ آج کل محبوبہ بالکل خاموش ہے۔ اُن کے ہاں آنا جانا بھی مدت سے بند ہے۔ کیونکہ اُن کے ہاں ایک بیحد بھاری بھرکم اور خونخوار کتا کہیں سے منگایا گیا ہے جو امجد کو بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ اُس سے خفا رہتا ہے مجبوبہ کے ہاں ایک اور صاحب کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی ہے جو شاید رقیب روسیاہ بننے والے ہیں مجبوبہ کے ابا امجد کو یونہی سا بیکار لڑکا سمجھتے ہیں اور انہوں نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ امجد کچھ نہیں کماتا۔ شیطان اور میری طرح شہزادہ ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اُس کا کسی چیز کو دل ہی نہیں کرتا۔ بالکل جی نہیں چاہتا یہاں تک کہ چاء سامنے رکھی ہے اور پینے کو جی نہیں چاہتا

گفتگو کے موضوع بدلتے رہے اور ہم نے امجد سے لے کر امجد تک گفتگو کی۔

شیطان بولے "بھئی تمہاری مصیبتیں تو اتنی ہیں کہ ایک آدھ فرشتہ تمہارا کام نہیں کر سکتا تمہارے لئے تو فرشتوں کا سنڈیکیٹ بیٹھے گا۔"

بڈی بولا "تم آج سے ورزش شروع کر دو۔ ہلکی پھلکی اور مقوی غذا کھاؤ۔ علی الصبح اُٹھ کر لمبے لمبے سانس لیا کرو۔ قوت ارادی پیدا کرو۔ خوب محنت کر کے امتحان پاس کر لو۔ ملازمت ضرور مل جائیگی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" اُدھر امجد نے اور زیادہ رونا شروع کر دیا۔ اب تو وُہ باقاعدہ بھوں بھوں رو رہا تھا۔ آخر طے ہوا کہ امجد کی سچ مچ مدد کی جائے اور کل پھر یہیں ملاقات ہو۔

اگلے روز ہم سب وہیں ملے۔ اتفاق سے ہمارے کالج کی چند لڑکیاں بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ یوں ظاہر کیا کرتا ہوں جیسے میں شیطان کے ساتھ نہیں ہوں کیونکہ ہمارے کالج کی لڑکیاں شیطان کو پسند نہیں کرتیں حتٰی کہ وہ ہماری طرف دیکھتی رہیں میں کسی اور طرف دیکھتا رہا۔ اُن کے جانے پر گفتگو شروع ہوئی۔

"امجد تم موسیقی پر فدا ہو جاؤ" شیطان بولے "یہ پیانو سارنگی والی لڑکی بڑا اچھا ستار بجاتی ہے تمہیں کوئی ساز بجانا آتا ہے؟"

"ہاں!"

"کونسا؟"

"گراموفون"

"تب تم موسیقی کو پسند نہیں کروگے۔ اچھا یہ بتاؤ جب تم آخری مرتبہ اس لڑکی سے ملے تو کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"میں نے اُسے شادی کے لئے کہا تھا ——— کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، نہ کچھ کما سکتا ہوں، نہ کسی قابل ہوں، نہ کچھ کر سکتا ہوں اور نہ کچھ کر سکوں گا ——!"

"پھر ——؟"

"پھر اس نے کچھ بھی نہیں کہا اور آج تک خاموش ہے۔"

"تمہارے ہونے والے خسر اچھے خاصے فرسودہ بزرگ ہیں میں انہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔ لیکن لڑکی بہت اچھی ہے جتنے تم شکل و صورت میں بخشے گئے ہو۔ اتنی ہی وہ حسین ہے۔ تمہیں احساسِ کمتری ہو جائے گا ——— بھلا کبھی تمہاری خط و کتابت بھی ہوئی؟"

"ہوئی تھی ——!" اور امجد نے خطوط کا پلندہ میز پر رکھ دیا۔ شیطان نے جلدی سے خطوط کو سونگھا اور بولے ——— "جلدی ہے اس لئے سارا مضمون تو کبھی فرصت میں پڑھیں گے۔ البتہ میں خطوط کو ترتیب وار رکھ کر صرف القاب پڑھ کر سناتا ہوں ——!"

ترتیب وار القاب یہ تھے ——— "جناب امجد صاحب" "مکرمی امجد صاحب" "امجد" "پیارے امجد" "میرے امجد" "امجد ڈارلنگ" "امجد ڈارلنگ" "میرے امجد" "پیارے امجد" "امجد"

"امجد صاحب"۔ "جناب امجد صاحب"۔

اُدھر امجد نے پھر رونا شروع کر دیا شیطان بولے "میں رات بھر سوچتا رہا ہوں کہ تمہارے لئے کیا کیا جائے۔ یہاں سے بہت دور جنگلوں میں ایک پہنچے ہوئے بزرگ رہتے ہیں۔ اُن تک میری رسائی ہو سکتی ہے۔ اچھا تعویذ گنڈوں پر کس کس کا اعتقاد ہے؟"

سوائے بڈی کے ہم سب معتقد تھے۔ بڈی بولا "تعویذ گنڈے کیا ہوتے ہیں؟"

"کیا امریکہ میں تعویذ نہیں ہوتے؟"

"نہیں تو"

جب بڈی کو سب کچھ بتایا گیا تو وہ بولا "ہمارے ہاں گُڈ لک کے لئے شگون ہوتے ہیں مثلاً سیاہ بلی کا دیکھنا، یا سڑک پر گھوڑے کی نعل مل جانا ــــــ یہ تعویذ وغیرہ نہیں ہوتے لیکن مجھے شگونوں پر اعتقاد نہیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا نجومی نے مجھے بتایا کہ مجھے اگلے اتوار کو غروب آفتاب سے پہلے اگر سڑک پر گھوڑے کی نعل مل گئی تو بہت اچھا شگون ہوگا اور غالباً اُس لڑکی سے میری شادی ہو جائے گی۔ اگلے اتوار کو میں نے مُنہ اندھیرے اُٹھ کر سڑکیں ناپنا شروع کر دیں، دوپہر ہوئی، سہ پہر آیا۔ گھوڑے کی نعل تو کیا کسی گدھے کی نعل بھی نہ ملی آخر میں نے اصطبلوں کا رُخ کیا۔ وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ شام ہونے پر میں بہت گھبرایا ہمارے پڑوس میں ایک گھوڑا رہتا تھا۔ میں نے چند اوزار اُٹھائے اپنے بھائی کو ساتھ لیا۔ چپکے سے اُس گھوڑے کو باندھ بُوندھ کر رکھ دیا۔ گھوڑا ہرگز رضامند نہ تھا لیکن ہم نے زبردستی اس کی نعل اُتار لی۔ باہر نکل کر جو دیکھا تو سُورج غروب ہو رہا تھا۔ اگلے روز میں نے اس لڑکی سے شادی کے لئے کہہ دیا اور اُس نے کسی اور سے شادی کر لی۔ تب سے گھوڑے کی نعل سے میرا اعتقاد اُٹھ گیا۔ کیا لغویت ہے۔ اگر گھوڑے کی نعل اتنی مبارک چیز ہے تو گھوڑوں کو سب سے خوش نصیب ہونا چاہیئے...."

"لیکن تمہارا واسطہ ہندوستانی عاملوں سے نہیں پڑا۔ یہاں تو ایسے ایسے عمل کئے جاتے ہیں کہ سُن کر یقین نہیں آتا۔ شکلیں بدل جاتی ہیں۔ تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ دُنیا بدل جاتی ہے"!

"اچھا"؟

"ہاں تم نے ہندوستانی فقیروں اور سنیاسیوں کے متعلق نہیں پڑھا"؟

"میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے کہ ہندوستان میں بڑی بڑی پُراسرار باتیں ہوتی ہیں۔ یہاں کے فقیر کچھ پڑھ کر ایک رستے پر پھونک دیتے ہیں رستہ سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ رسے پر چڑھ جاتے ہیں۔ رات کو وہ میخوں کے بستر پر سوتے ہیں ---"!

"یقیناً! تم خود دیکھ لو گے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ امجد کے لئے اُن بزرگ سے تعویذ حاصل کروں۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ اول تو وہ بزرگ کسی کو تعویذ دیتے ہی نہیں۔ اگر کبھی خوش ہو کر دیتے ہیں تو صرف سال میں ایک آدھ مرتبہ۔ لیکن میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ اُن کا تعویذ جادو سے کم اثر نہیں رکھتا۔ ناممکن سے ناممکن باتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔ اگر مل گیا تو امجد کی تقدیر بدل جائے گی اور امجد! تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔ اب تمہارے لئے صرف دو باتیں رہ گئی ہیں۔ یا تو میری ہدایات پر عمل کرو اور یا --- پھر ان پر عمل کرو"۔

شیطان نے ایک لمبی چوڑی فہرست بنا دی۔ امجد دو دن بھوکا رہے گا صرف اُسے بکری کا دودھ اور چھوہارے ملیں گے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا۔ دوسرے روز شام کو حجامت کرائے گا پھر سفید لباس پہن کر عطر لگا کر رات بھر ایک وظیفہ پڑھے گا۔ اگلے روز تالاب میں کھڑا ہو کر دعا مانگے گا اور سورج کی پہلی شعاع کے ساتھ اُس کے بازو پر تعویذ باندھ دیا جائے گا --- وغیرہ وغیرہ

امجد نے فقط ایک اعتراض کیا وہ یہ کہ وہ سر پر اُسترا ہرگز نہیں پھروائے گا۔ البتہ تلونے بھی حجامت کرائے گا۔

شیطان ایک ہفتے تک غائب رہے۔ پھر یکایک تعویذ لے کر نازل ہوئے۔ پہلے تو اُن بزرگ کے متعلق باتیں سنائیں۔ انہوں نے اپنی ساری عمر جنگلوں میں گذاری ہے۔ بہت کم کھاتے ہیں بولتے تو بالکل نہیں کوئی شخص ان کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا۔ اُن کے کمالات معجزوں سے کم نہیں۔ اُن سے تعویذ حاصل کرنا بالکل ناممکن ہے لیکن شیطان اپنی خوش قسمتی اور محض اتفاق سے کامیاب ہوئے ہیں۔ ہم اُن باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔

شیطان نے رومال کھول کر ہمیں تعویذ کی زیارت کرائی۔ تعویذ موم جامے میں لپٹا ہوا تھا اور اس سے عنبر کی ہلکی ہلکی مہک آرہی تھی۔ میں نے اور امجد نے اُسے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ بڈی نے بھی ہماری تقلید کی۔

امجد دو روز شیطان کے ساتھ رہا تیسرے روز اُس کے داہنے بازو پر تعویذ باندھ دیا گیا شیطان ایک فاتحانہ انداز میں بولے ــ "لو بھیا امجد! سمجھ لو کہ آج تمہاری قسمت جاگ اٹھی۔ اب اس مقدس طاقت کے کرشمے دیکھنا۔"

ہم نے چند روز بعد امجد کو دیکھا۔ بسورتے ہوئے چہرے پر اب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ لباس بھی پہلے سے بہتر تھا۔ آہستہ آہستہ تعویذ کی برکت سے تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں۔ اب ہر کام کے لئے امجد کا جی کرنے لگا۔ وہ چست ہو گیا تھا۔ اب یا تو وہ نہایت شوخ ٹائی لگاتا اور یا رنگین رومال ... پہنتا ہمیشہ اُس کے کوٹ کے کاج میں ایک مسکراتا ہوا پھول اٹکا ہوتا

امجد کے امتحان میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔ میں اور شیطان اُس کے ہاں گئے۔ اس کی دو تین من بھاری کتابوں کو دیکھا شیطان بولے۔ کتابیں بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت تھوڑا ہے میرے خیال میں کچھ ہم پڑھتے ہیں۔ کچھ تم پڑھو۔ باقی کتابیں بڈی پڑھے گا۔ امجد نے کہا۔ مذاق مت کرو۔ کوئی اور تدبیر بتاؤ۔

شیطان نے مشورہ دیا کہ کتابوں کے خلاصے، نوٹ اور ایسی ویسی چیزیں امتحان میں ساتھ لے جاؤ اور خوب دل کھول کر نقل کرو۔ امجد نہ مانا۔ شیطان بولے ـــــ ارے میاں ایسا تعویذ بازو پر بندھا ہے کہ نقل تو نقل اگر کوئی سنگین ترین جرم کر آؤ تب بھی پتہ نہ چلے۔ اس کا سایہ ہمیشہ تمہارے سر پر رہے گا۔ غرضیکہ امجد کی خوب ہمت بندھائی گئی اور اس نے امتحان میں خوب نقل کی۔ پرچے نہایت اچھے ہوئے۔ نتیجہ نکلا۔ امجد اول آیا۔ اب تعویذ پر ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔ بڈی نے تعویذ کو کئی مرتبہ چوما۔ میرا جی بری طرح چاہ رہا تھا کہ ایک ایسا ہی تعویذ مجھے بھی مل جائے۔

اب سوال ملازمت کا تھا۔ ایک جگہ درخواست تو دے دی گئی لیکن امید کسی کو بھی نہ تھی۔ کچھ دنوں بعد بورڈ کے سامنے انٹرویو تھا۔ بورڈ کے صدر نزدیک ہی رہتے تھے۔ شیطان نے امجد کو مشورہ دیا کہ اگر تم صدر صاحب کے سامنے کئی مرتبہ جاؤ تو تعویذ کی برکت سے وہ اس قدر متاثر ہوں گے کہ فوراً منتخب کر لیں گے۔ امجد نے اگلے روز سے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ان کے گھر گیا ـــــ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ملازمت کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے جو کچھ ہوگا انٹرویو کے وقت سنا دیا جائے گا۔ امجد منہ لٹکائے واپس آیا۔ شیطان نے ڈانٹا کہ پھر یہ تعویذ کس واسطے باندھے پھر رہے ہو۔ پیچھا مت چھوڑو ان کا۔ اگلے روز امجد پھر ان کی کوٹھی پر جا کھڑا ہوا۔ دس بجے وہ دفتر گئے، یہ ساتھ ساتھ گیا۔ چار بجے وہ واپس آئے یہ ساتھ واپس آیا۔ کلب گئے۔ شام کو پکچر گئے۔ امجد سائے کی طرح ساتھ رہا۔ اگلے روز وہ شاپنگ کے لئے گئے امجد بھی پیچھے شاپنگ کے لئے گیا۔ وہ سٹیشن پر کسی سے ملنے گئے۔ امجد بھی گیا۔ غرضیکہ بازار، ڈاک خانہ، سینما، باغ جہاں بھی وہ جاتے یہ ساتھ رہتا۔ یہاں تک کہ وہ پچاس ساٹھ میل دور ایک جگہ گئے۔ امجد بھی پچاس ساٹھ میل دور اسی جگہ گیا۔ انہوں نے بہتیرا کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انٹرویو میں تمہیں ضرور لے لوں گا لیکن شیطان کی ہدایت کے مطابق امجد کہا کرتا کہ نہیں ابھی لے لیجئے۔ انہوں نے دھمکایا بھی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا کہ میں ساری عمر اسی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ آخر انہوں نے امجد کو منتخب کر لیا۔ اس کامیابی پر

ایک زبردست دعوت ہوئی۔ تعویذ پر اب پیتل کا خول چڑھایا گیا اور ہر وقت اُسے معطر رکھا جاتا تھا۔ شیطان کی معرفت اُن بزرگ کے لئے کچھ نذرانہ بھی بھیجا گیا۔ جسے اُنہوں نے بمشکل قبول کیا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں بھی ایک تعویذ اپنے لئے بنواؤں گا۔ بڈی نے بھی شیطان سے یہی خواہش ظاہر کی۔

اب اُس لڑکی کی باری آئی۔ سب سے پہلے تو وہاں رسائی کا سوال تھا۔ اُن کا نیا کُتا نہایت ہی ہیبت ناک اور آدم خور قسم کا تھا۔ اُسے دیکھ کر ہی امجد کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی تھی۔ بڈی نے مشورہ دیا کہ کچھ کھلا پلا دیا جائے جس سے وُہ انا للہ ہو جائے لیکن وُہ کُتا کچھ ایسا بورژوا ذہنیت کا واقع ہوا تھا کہ ایسی ویسی چیزوں کو سُونگھتا تک نہیں تھا۔ شیطان نے ایک موٹا سا ڈنڈا امجد کو دیا اور کہا کہ اسے ہاتھ میں لے کر جاؤ اور مار مار کر کتے کا بھُرتہ بنا دو۔ امجد کانپ اُٹھا۔ گڑگڑا کر بولا خدا کا واسطہ میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ شیطان نے تعویذ چھُو کر کہا —— جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے تمہارے بازو پر! یہ ہمیشہ تمہاری حفاظت کرے گی۔ خواہ تم شیروں سے دل لگی کرتے پھرو، بال تک بیکا نہ ہوگا۔ کافی لمبی بحث کے بعد امجد مانا۔ اگلے روز علی الصبح امجد ہاتھ میں ڈنڈا لے کر اُن کے ہاں گیا۔ کتا باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ امجد نے کتے کی ایسی مرمت کی کہ طبیعت صاف کر دی۔ اُسی دن سے امجد اور کتا بڑے گہرے دوست بن گئے۔ امجد کو دیکھ کر وُہ نہ صرف دُم ہلاتا بلکہ باقاعدہ مزاج پُرسی کر کے ساتھ ساتھ چلتا۔

وُہ صاحب جو گھر آیا کرتے تھے۔ اُن کے لئے بھی یہی نسخہ پیش کیا گیا۔ لیکن بڈی نہ مانا، بولا کہ کتے اور انسان میں کچھ تو فرق ہونا چاہئیے۔ بہتر ہوگا کہ پہلے اُنہیں دھمکایا چمکایا جائے۔ وُہ صاحب قد میں امجد سے دُگنے تھے۔ امجد پہلے تو بہت ڈرا۔ لیکن جب شیطان نے ڈانٹ کر کہا کہ اس طرح تم اپنی نہیں بلکہ تعویذ کی توہین کر رہا ہے اور تُمہیں کوئی چھُو تک نہیں سکتا۔ تو امجد اُن صاحب سے ملا اور اُنہیں صاف صاف کہہ دیا کہ خبردار جو آئندہ اس گھر میں قدم بھی رکھا۔ اُنہوں نے حیران ہو کر پُوچھا کہ میاں

تم ہو کون ؟ یہ بولا میں کوئی بھی ہوں لیکن یہ واضح رہے کہ میں نے آپ جیسے بہت سوں کو سیدھا کیا ہے۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ آئندہ آپ اس گھر کا رُخ نہ کریں۔ امجد نے کچھ اس طرح گفتگو کی کہ وہ صاحب واقعی سہم گئے۔ امجد نے چلتے وقت کہا کہ میرا ارادہ تو کچھ اور تھا۔ لیکن فی الحال صرف انتباہ کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ سمجھدار ہیں تو سمجھ جائیں گے۔ اس دن کے بعد وہ صاحب ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

امجد لڑکی سے ملا، خدا جانے کیا باتیں ہوئیں لیکن سنیچر کو اُن دونوں کو میٹنی پر دیکھا گیا۔ لڑکی واقعی نہایت پیاری تھی۔ امجد اُس کے سامنے بالکل حکم کا غلام معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن خوب اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔

بڑی نواب تعویذ پر باقاعدہ ایمان لے آیا تھا۔ بولا کہ میں یہ سب کچھ لکھ کر امریکہ کے سب سے مشہور سائنس کے رسالے میں بھیجوں گا۔ میں نے اس قدر زود اثر اور کارآمد عمل آج تک نہیں دیکھا۔ یہ کسی جادو سے کم نہیں معجزے ابھی ختم نہیں ہوئے۔ ہندوستان واقعی نہایت پُراسرار جگہ ہے۔

تعویذ پر چاندی کا خول چڑھا دیا گیا۔ ہر دوسرے تیسرے ہم سب اُسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے

اب امجد کی تمام مشکلیں حل ہو چکی تھیں۔ صرف اُس کی شادی باقی تھی۔ لیکن یہ مشکل سب سے کڑی تھی۔ کیونکہ اُس کے ہونے والے خسر واقعی نہایت گرم خشک انسان تھے۔ امجد نے کئی مرتبہ پیغام بھجوایا۔ لیکن ہر مرتبہ پیغام واپس لوٹا دیا گیا۔

شیطان بولے۔ اس تعویذ کے سامنے وہ بزرگ تو کیا اُن کے فرشتے بھی سر جھکا دیں گے۔ تم آج ہی اُن سے ملو اور بغیر کسی تمہید کے اُن سے سب کچھ کہہ ڈالو۔ امجد نے یہی کیا۔ بزرگ نے ملاقات کی وجہ پوچھی۔ امجد نے صاف صاف کہہ دیا کہ قبلہ میں آپ کا آنریری فرزند بننا چاہتا ہوں اور آپ کی

دخترِ نیک اختر سے عقد کا خواہشمند ہوں۔ اس مرتبہ آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ بحث کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ۔ پہلے آپ کو میرے شہزادے پن پر اعتراض تھا۔ سو اب یہ خاکسار باقاعدہ ملازم ہے۔ اگرچہ تنخواہ صرف ڈھائی سو روپے ماہوار ہے لیکن اُوپر کی آمدنی کافی ہے۔ مانا کہ یہ بہت زیادہ نہیں۔ لیکن گستاخی معاف جب آپ کی شادی ہوئی تھی تب آپ کیا کماتے تھے اور تب آپ کے کیا خیالات تھے ـــ خصوصاً اپنے خسر صاحب کے متعلق۔ یقیناً آپ بالکل میری طرح ہوں گے اور پھر شروع شروع میں ڈھائی سو روپے اتنی بڑی تنخواہ نہیں جبکہ اُوپر کی آمدنی بھی شامل ہو۔ شاید آپ یہ فرمائیں گے کہ آپ اپنے رشتہ داروں سے اس سلسلے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ سو یہ بالکل غلط ہے میں نے اپنے کسی رشتہ دار سے نہیں پوچھا اور پھر رشتہ دار بالکل اُلٹے سیدھے مشورے دیں گے۔ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں ہونا چاہئیے۔ آج آپ کو ہاں کرنی ہوگی ـــ اسی طرح امجد نے وُہ دہنے اور بائیں ہاتھ دیئے۔ کہ اُن بزرگ کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور ہاں کرنی ہی پڑی۔

اُسی شام کو ایک بھاری جشن منعقد ہُوا۔ تعویذ پر سونے کا خول چڑھایا گیا شیطان کی معرفت اُن پہنچے ہوئے بزرگ کو نذرانہ بھیجا گیا۔ میں نے اور بڈھی نے شیطان کی بڑی منتیں کیں کہ کسی طرح ایک ایک تعویذ ہمارے لئے بھی لا دو تاکہ ہمارے بھی دن پھر جائیں۔ شیطان نے وعدہ کیا کہ وُہ کوشش کریں گے۔ ہم تقریباً ہر روز تعویذ کو آنکھوں سے اور دل سے لگاتے۔

میں اور بڈھی کینٹین میں بیٹھے امجد اور مسز امجد کا انتظار کر رہے تھے ہم بڑے مسرور تھے۔ کیونکہ شام کو شیطان نے تعویذ لانے کا وعدہ کیا تھا۔ ہم دونوں دل ہی دل میں اپنے مستقبل کے متعلق پروگرام بنا رہے تھے ـــ کہ امجد اور مسز امجد پہنچے۔ آج امجد ایک ایسا دلیر، نڈر اور بے پروا نوجوان نظر آ رہا تھا جس کی آنکھوں میں چمک تھی جس کے دل میں اُمنگیں تھیں اور جس نے ایک بہت اچھا سوٹ پہن

رکھا تھا۔ باتوں باتوں میں اُس شام کا بھی ذکر ہوا۔ جب امجد کو ہم نے اُسی جگہ روتے پیٹتے دیکھا تھا مسز امجد کے فراق میں۔ صرف چند مہینوں میں کیا سے کیا ہو گیا — صرف ایک مقدس عمل کی بدولت، اُس تعویذ کی برکت سے جو امجد کے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ شیطان نے بھی دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔ نہ جانے کن کن مصیبتوں کے بعد یہ تعویذ دستیاب ہوا ہوگا۔ اگر آج امجد کے پاس یہ تعویذ نہ ہوتا تو غالباً وہ پھر یہیں بیٹھا سینڈوچز اور کیک کے ٹکڑوں پر آنسو بکھیر رہا ہوتا — اور اب ہمیں بھی ایسے تعویذ ملیں گے۔ ہمیں اپنے اوپر رشک آنے لگا۔ بار بار ہم دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شیطان کے انتظار میں۔

بڈی نے تعویذ کی زیارت کرنی چاہی۔ امجد نے نہایت حفاظت سے تعویذ اتارا۔ اور بڈی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بڈی نے اُسے چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور بولا "بھلا تعویذوں میں لکھا کیا ہوتا ہے؟" ہم نے بتایا "آیتیں ہوتی ہیں۔" بڈی سمجھ نہ سکا۔ اُسے بتایا گیا کہ مقدس الفاظ ہوتے ہیں اور ایک خاص ترتیب سے لکھے جاتے ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ بھلا اس تعویذ میں کون سے الفاظ ہیں۔ ہم نے لاعلمی ظاہر کی۔ بڈی کہنے لگا۔ کیوں نہ اسے کھول کر دیکھیں۔

امجد بولا۔ ہرگز نہیں۔ اس طرح بے ادبی ہوتی ہے۔ میں نے بھی کہا کہ گناہ ہوگا۔ لیکن بڈی نہ مانا۔ بولا۔ مجھے بڑا اشتیاق ہے۔ سارا گناہ میرے ذمے رہا۔ میں نہایت ادب سے اسے کھولوں گا۔ اور الفاظ دیکھ کر بالکل اُسی طرح بند کر دوں گا۔ پھر تم اسے بازو پر باندھ لینا۔

میں بھی سوچنے لگا کہ بھلا دیکھیں تو سہی۔ وہ کون سے الفاظ ہیں۔ جنہوں نے جادو کی طرح اثر دکھایا۔ میں نے بھی بڈی کا ساتھ دیا۔ امجد بولا۔ کھولنے سے تعویذ کی تاثیر جاتی رہے گی۔ بڈی بولا — بھئی سچ پوچھو۔ تو اب اس تعویذ نے اپنا کام کر دیا ہے۔

اب تمہیں کسی مزید تاثیر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے مسنر امجد سے پوچھا۔ اُنہوں نے اجازت دے دی۔ آخر امجد بھی مان گیا۔ اس شرط پر کہ اگر کوئی گناہ ہوا تو بڈی کے سر پہ ہو گا۔

بڈی نے بڑی حفاظت سے خول کھولا اور تعویذ نکالا، پھر آہستہ آہستہ موم جامہ کھولنے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے پہنچے ہوئے بزرگوں کے نورانی چہرے، فقیروں کے مزار سبز غلاف، پھولوں کے ہار، جلتے ہوئے چراغ، مزاروں کے گنبد اور خانقاہیں پھرنے لگیں جیسے عنبر اور لوبان کی خوشبو سے سب کچھ مہک اٹھا۔ جیسے پاکیزہ روحیں ہمارے گرد منڈلانے لگیں، مجھے فرشتوں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ماحول کچھ ایسا مقدس سا ہو گیا تھا۔ کہ میرا دل دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔

بڈی نے تعویذ کا کاغذ کھولا اور پڑھنے لگا۔ میں رہ نہ سکا۔ بڑی بے صبری سے کاغذ چھین لیا۔ کاغذ پر شیطان کی مخصوص طرزِ تحریر میں یہ لکھا تھا۔

"ارے آیا کرو ادھر بھی مری جاں کبھی کبھی"

# ننانوے ناٹ آؤٹ

بڑی مشکلوں سے ہم نے وُہ میچ جیتا، یا یوں کہئے کہ ہارتے ہارتے بچے۔ سب سے زیادہ سکور مقصود گھوڑے کا تھا۔ اس نے صبح سے کھیلنا شروع کیا۔ کوئی سٹروک ایسا نہ تھا جو اُس نے نہ دکھایا ہو۔ بولرز کو خوب سزا دی اور دو گھنٹے کے بعد تین رنز بنائیں۔ اس کے بعد جو اچھل اچھل کر کھیلا ہے تو دوپہر تک تین سے دس تک سکور پہنچا دیا۔ لنچ کے بعد وُہ بےحد تیز کھیلا، آگے بڑھ بڑھ کر وُہ ہٹیں لگائیں کہ پانچ رنز کا اضافہ اور کر دیا۔ جب ہم شام کو رو پیٹ کر جیتے اور آخری کھلاڑی نے آخری ہٹ لگائی تو مقصود گھوڑا بیس رنز بنا چکا تھا۔

ہمارے مخالف بھی کافی گئے گذرے تھے۔ وُہ بھی اسی طرح کھیلے تھے۔ اُن کی بولنگ کا یہ حال تھا کہ گیارہ کھلاڑیوں میں سے دس نے بولنگ کی تھی۔ گیارھواں وکٹ کیپر تھا اور مجبور تھا۔ ورنہ وُہ بھی حسبِ توفیق مدد کرتا۔ کھیل دیکھنے والوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ دونوں ٹیموں کو یہ ڈر نہیں ہے کہ کہیں ہار نہ جائیں بلکہ یہ خطرہ ہے کہ کہیں جیت نہ جائیں۔

"ارے! لاحول ولاقوۃ! ــــ یہ خواتین تو حقّہ پی رہی ہیں" وہ چونک کر بولے
"جی نہیں ــــ یہ خواتین نہیں ہیں ــــ کچھ اور ہی ہیں"۔
"میں جو کہہ رہا ہوں کہ خواتین ہیں ــــ غضب خدا کا مستورات کو حقّہ پیتے میں آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں"۔

میں نے کن انکھیوں سے رضیہ کو دیکھا جو کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اُن دنوں رضیہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھی اور میں کافی بیزار تھا۔ شیطان مجھ سے بیزار تھے، بار بار وُہ یہی کہتے کہ "میاں اگر بس یا لڑکی ہاتھ سے نکل جائے تو ذرا فکر نہیں کرنا چاہیئے ــــ دوسری ابھی آتی ہوگی"۔

اُن دنوں جتنا میں اُسے منانے کی کوشش کرتا۔ اُتنا وُہ اور روٹھ جاتی۔ روٹھنے کی وجہ تھی ایک لڑکی جو ٹینس میں میری پارٹنر تھی۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا۔ لیکن سب اُسے 'عینک' کہا کرتے۔ اسکے خدوخال میں سب سے نمایاں چیز اُس کی عینک تھی، بڑی لمبی چوڑی اور وزنی عینک۔ اگر میں رضیہ کی جگہ ہوتا تو ہرگز بدگمان نہ ہوتا۔ کسی نے ہمیں چند مرتبہ اکٹھے دیکھا اور رضیہ سے کہہ دیا۔ پھر ایک شام کو عینک نے کہا کہ "میرے ڈیڈی شام کی ٹرین سے گزر رہے ہیں۔ مجھے سائیکل پر سٹیشن لے چلیے"۔ اسکے پاس سائیکل نہیں تھی اور ٹرین میں بہت تھوڑا وقت تھا۔ میں اُسے لے کر نکلا ہی تھا کہ رضیہ اور حکومت آپا مل گئیں۔ ادھر سٹیشن پر ہمیں ایک نہایت ہی کرخت قسم کے درازریش بزرگ ملے جنہیں ہرگز ڈیڈی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

میرا اور شیطان کا امتحان نزدیک تھا۔ اس لئے ہم دونوں جج صاحب کے ہاں سے ہوسٹل میں چلے آئے تھے۔ اُن دنوں جج صاحب بڑی سرعت سے کوٹھیاں بدل رہے تھے۔ شیطان جب کبھی اُن سے ملتے یہی پوچھتے کہ آج کل آپ کہاں رہتے ہیں۔

اُن کی پہلی کوٹھی میں ہمارے رہتے ہوئے چوری ہوئی۔ جج کے ہاں چوری۔ صبح صبح پتہ چلا کہ رات کو

چوری ہوئی ہے لیکن سب چیزیں جُوں کی توں موجود تھیں۔ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ چرایا کیا گیا ہے۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ چور محض تفریحاً آئے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ میرے سارے کپ جو انگیٹھی پر اور الماریوں میں رکھے تھے۔ غائب ہیں۔ خوب چمکیلے اور بڑے بڑے کپ تھے۔ سخت نامعقول چور نکلے۔

وُہ کوٹھی ویسے بھی بھی سُنسان سی جگہ میں۔ ایک مرتبہ سارا کنبہ کسی دوسرے شہر میں گیا ہوا تھا۔ میں اور شیطان سیکنڈ شو دیکھ کر دیر سے لوٹے، کوٹھی میں بالکل اندھیرا تھا۔ ہم دیوار کُود کر چھوٹے راستے سے اندر چلے آئے۔ اندھیرے میں آہٹ سُنائی دی۔ دبے پاؤں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک صاحب تالا کھولنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ جب تالا کھُل گیا تو شیطان نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "یار بڑے افسوس کی بات ہے"۔

اُنہوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن ہم نے اُنہیں کہیں جانے نہ دیا۔ اندر لے آئے اُنہیں چاء پلائی گئی۔ چاکلیٹ کھلائے گئے۔ پھر کپوں کے متعلق پُوچھا گیا۔ اُنہوں نے قسم کھائی کہ اُنہوں نے نہیں چرائے۔ اگر وُہ چوری کرتے بھی تو کپ کبھی نہ چُراتے —— سپورٹسمین معلوم ہوتے تھے ہم نے ہاتھ ملا کر اُنہیں رخصت کیا۔

جج صاحب نے کوٹھی بدلی۔ نئی کوٹھی میں بجلی کی فٹنگ بالکل غلط تھی پنکھا چلاؤ تو قمقمے جلتے تھے، ٹیلیفون کرو تو پنکھا چلتا تھا۔ ریڈیو بیحد ٹھنڈا رہتا۔ اُدھر سرد نعمت خانے میں موسیقی سُنائی دیا کرتی۔ پھر جو کوٹھی بدلی تو پڑوس میں دن رات قوالیاں ہوتیں، بینڈ بجتے، جلسے ہوتے۔ غرضیکہ اسی طرح ہوتا رہا۔ اب جو نیا مکان ملا تو ایسی جگہ کہ آس پاس بے شمار لڑکیاں رہتی تھیں۔ شام کو لڑکیاں سکولوں اور کالجوں سے واپس لوٹتیں، خوب رونق ہوتی —— شیطان نے اُس جگہ کا نام مینا بازار رکھا۔ پروگرام یہ تھا کہ امتحان ختم ہوتے ہی ہم ہوسٹل چھوڑ کر جج صاحب کے ہاں آ جائیں گے۔

جج صاحب بدستور اُن خواتین کو دیکھ رہے تھے جو حقّہ پی رہی تھیں۔

رضیہ نے دوپٹہ اس انداز سے رکھا تھا کہ مجھے صرف اس کی ناک کا ذرا سا حصہ نظر آ رہا تھا۔
میرے خیال میں وہ اُن تمام ناکوں کے ذرا سے حصوں سے حسین تھا جو میں نے آج تک دیکھے تھے۔
حکومت آپا مجھے بڑی بُری طرح گھور رہی تھیں — شیطان کا خیال تھا کہ حکومت آپا کو مجھ سے ایک حسرت آمیز نفرت تھی۔

میں ننھی کو کہانیاں سنا رہا تھا — سنو ننھی — ایک شخص اندھیری رات میں شبیر کا شکار کھیلنے ایک بہت ڈراؤنے اور تاریک جنگل میں گیا۔ شبیر بولا۔ تشریف لائیے — اچھا ایک اور کہانی سنو — سنو — دو چیتے کے شکاری اور ایک چیتا — اس کے بعد — ایک چیتے کا شکاری اور وہی چیتا — اس کے بعد وہی چیتا — ننھی باقاعدہ ڈر گئی —

چلتے وقت جج صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارا اگلا میچ دیکھنے ضرور آئیں گے۔

ہمارے کلب کے کپتان گیدی صاحب تھے، اُن کا اصلی نام زیدی، عبدی، یا کچھ اسی قسم کا تھا۔ اُن کا قد بہت چھوٹا تھا اور بقول شیطان کے وہ سطح سمندر سے ساڑھے چار فیٹ بلند تھے۔ اُن کے ساتھ ہر وقت اُن کے دو مشیر ہوتے جو اتفاق سے کافی دراز قد تھے۔ گیدی صاحب اُن کے درمیان میں چلتے۔ شیطان نے ان تینوں کا نام ایک سو ایک — ۱۰۱ — رکھا ہوا تھا۔ اُن کے قدوں کے مطابق ٹیم کی انتخابی کمیٹی بھی تھی جو ایک ممبر پر مشتمل تھی — گیدی صاحب پر۔ بڈی بھی ہمارے کلب کا ممبر تھا۔ امریکہ میں وہ بیس بال کھیلتا رہا تھا۔ کرکٹ بھی وہ بیس بال کی طرح کھیلتا تھا۔ ہمارے کلب کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہم لگاتار تین میچ جیت کر فائنل کھیلنے والے تھے۔
سہ پہر کو ٹیم پریکٹس کے لئے آئی۔ گیدی صاحب میچ کے لئے بیٹنگ کی ترتیب دینے لگے شروع میں وہ اور مقصود گھوڑا۔ ساتویں وکٹ پر بڈی، آٹھویں پر میں اور نویں پر شیطان۔ حساب لگانے

کے بعد جب شیطان کو معلوم ہوا کہ وہ گیارھویں کھلاڑی ہیں تو مچل گئے۔ گیدی صاحب سے بولے "مجھے گیارھواں کیوں بھیجا جا رہا ہے؟"

"اس لئے کہ کوئی بارھواں نہیں ہوتا" جواب ملا۔ کپتان ہمیشہ صحیح اندازہ لگا سکتا ہے اُس کا نظریہ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"

شیطان بولے "ہر شخص کے دو نظریئے ہوتے ہیں — اُس کا ذاتی نظریہ — اور غلط نظریہ"

مصیبت یہ تھی کہ شیطان نہ بولر تھے نہ بیٹسمین، نہ وکٹ کیپر۔ اور اُن کا دعوےٰ تھا کہ ایک اعلےٰ درجے کی ٹیم میں پانچ بہترین بیٹسمین ہونے چاہئیں، چار بہترین بولر، ایک اچھا وکٹ کیپر اور ایک رُوفی۔

ویسے تقریباً ہر میچ میں شیطان کا سکور صفر ہوتا۔

ہر روز جب مشرق سے سُورج نکلتا ہے تو کلیاں کھل کر پھول بن جاتی ہیں۔ تتلیاں جاگ اُٹھتی ہیں۔ پرندے چہچہانے لگتے ہیں۔ ہر روز سُورج ڈوبتے وقت آسمان گلابی ہو جاتا ہے — چاندنی رات میں ایک عجیب سا فسوں آسمان سے زمین تک چھا جاتا ہے — لیکن حکومت آپا کو ان باتوں کا علم تک نہ تھا۔

جب ہم جج صاحب کی کوٹھی میں پہنچے تو عجب سہانا سماں تھا۔ ڈھلتے ہوئے سُورج کی آخری شعاعیں ٹہنیوں اور پتوں پر رقصاں تھیں۔ باغیچے میں ایک فوّارہ چل رہا تھا۔ گلاب کے سُرخ پھولوں نے جیسے آگ سی لگا رکھی تھی — لیکن یہ سب کچھ بیکار تھا۔ کیونکہ نزدیک ہی حکومت آپا بیٹھی تھیں۔

حکومت آپا مجھ سے خفا اس لئے ہوئیں کہ جب وہ موٹی ہو گئی تھیں تو میں نے اُن کو دُبلا ہونے کا مناسب نسخہ نہیں بتایا تھا۔ میں نے فاقہ کشی تجویز کی، وہ بولیں — نہیں کوئی کھانے کی ایسی

چیز بناؤ جس سے دُبلی ہو جاؤں۔

بڑی مصیبتوں کے بعد میں نے اُن کا لنچ چھڑایا۔ ایک روز جا کر دیکھتا ہوں تو وُہ چار پر پلاؤ کھا رہی تھیں ــــ اور میں نے اُن کا لنچ پھر شروع کرا دیا۔

شیطان کا خیال تھا کہ وُہ صبح صبح شام کلیان گایا کرتی ہیں اور باتیں کرتے وقت وُہ کہتی کچھ ہیں۔ اُن کی نگاہیں کہیں اور ہوتی ہیں۔ دھیان کسی اور طرف، اور باتوں کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔

ہمیں دیکھ کر وُہ مسکرائیں ــــ اور سُورج غروب ہو گیا۔

کھانے کے بعد مجھے یُونہی خیال آگیا کہ شیطان اور حکومت آپا دیر سے غائب ہیں۔ تلاش کرنے پر دیکھتا ہوں کہ دونوں فوارے کے پاس بیٹھے ہیں اور رومان انگیز گفتگو ہو رہی ہے۔ میں چھُپ کر سُننے لگا۔

شیطان بولے ــــ " سچ مچ تم بہت پیاری معلوم ہو رہی ہو۔"

حکومت آپا بولیں ــــ " سچ مچ میرے پاس اس وقت روپے نہیں ہیں۔ ورنہ ضرور قرض دے دیتی۔"

شیطان بولے۔ " یقیناً ان چند مہینوں میں تمہاری رنگت نکھر آئی ہے۔ جب تم جُون میں آئیں تو تمہاری جُون بدلی ہُوئی تھی۔"

" یقیناً میرے پاس روپے نہیں ہیں۔"

" روپے کون مانگتا ہے تم سے ــــ بھلا ایسی رومان پرور فضا میں جہاں باغ کا ایک تنہا گوشہ ہو، فوارہ چل رہا ہو، چاندنی چھٹکی ہُوئی ہو اور تم سامنے ہو۔ وہاں روپوں کا کیسے خیال آسکتا ہے ــــ وہاں تو ایک معصوم سی آرزو دل میں کروٹ لینے لگتی ہے۔"

" سچ مچ ؟" حکومت آپا شرما گئیں۔

"ہاں سچ مچ"

"بھلا اس وقت آپ کو کس چیز کی آرزو ہے"

"کلوروفارم کی" شیطان بولے "اور جانتی ہو حکومت انسان کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟"

"کون ہے؟"

"آئینہ! — اور کئی انسان آئینے کو بھی دھوکا دے جاتے ہیں آئینہ کچھ کہے۔ وہ ایک نہیں سنتے اُن میں سے ایک تم ہو"

اب حکومت آپا کچھ بگڑنے لگیں شیطان جلدی سے بولے — "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یونہی منہ سے نکل گیا تھا"

پھر رومانی باتیں ہونے لگیں۔ حکومت آپا بولیں — "رومانی ادب میں تمہاری محبوب کتاب کون سی ہے؟"

"ڈکشنری!" شیطان نے جواب دیا

حکومت آپا شیطان کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہیں پھر بولیں — "تمہاری ناک اتنی لمبی کیوں ہے؟"

شیطان نے ایک آہ بھری اور بولے — "کیا بتاؤں ناک لمبی کیوں ہے یہ فطرت کے راز ہیں ہی بتاؤ کہ تمہارا تھا باہر کو کیوں نکلا ہوا ہے، تمہارے کان مڑے ہوئے کیوں ہیں، تمہارے دانت خرگوش کے دانتوں کی طرح کیوں ہیں — حکومت تم اُن ہستیوں میں سے ہو۔ جن سے اگر وقت پوچھا جائے تو گھڑی بنانے کا طریقہ بتادیں — تم اُن صحرانوردوں کی طرح ہو جو آج یہاں ہیں — اور کل — بھی یہیں ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے سب کہتے تھے کہ اس لڑکی کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔ اب سب کہتے ہیں کہ اس لڑکی کا ماضی ہی لاجواب ہوگا —"

اب تو باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی اور مجھے بھی شامل ہونا پڑا۔

واپسی پر میں نے رضیہ کی بے رخی کا ذکر کیا، روٹھنے کی وجہ بتائی اور یہ بھی بتایا کہ اسی لئے میں نے عینک سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے

شیطان بولے — اگر میں تمہاری جگہ ہوں تو عینک کو ہر وقت سائیکل پر بٹھائے پھروں اور رضیہ کے گھر کے سامنے سے ہر روز دو مرتبہ گذرا کروں تاکہ وہ اچھی طرح دیکھ لے، یہ روٹھنا وٹھنا سب درست ہو جائے۔ میری مانو تو آج سے تم بھی رضیہ سے روٹھ جاؤ اور عینک کے ساتھ خوب چہلیں کرو اور پھر قدرت کا تماشا دیکھو۔

میں نے اُن کو اپنا خواب سنایا ”کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ رضیہ نے آسمانی دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے جس میں سنہرے تارے ہیں اور روپہلی بیل جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے اور ہاتھ میں رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ ہے۔“

”تو جناب آج کل خواب بھی ٹیکنی کلر میں دیکھتے ہیں — سب سے اچھا خواب جانتے ہو کیا ہے؟“

”کیا؟“

”یہی کہ کوئی خواب نہ دیکھے۔“

میں نے اُن کو بتایا کہ جب سے رضیہ روٹھی ہے میں تنہا سا رہتا ہوں اور میں محبت میں خوش نصیب ہرگز نہیں رہا۔“

وہ بولے ”محبت میں خوش نصیب صرف ایک قسم کے انسان رہتے ہیں — وہ ہیں کنوارے — اور میاں اگر تم اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہو تو تنہائی سے ڈرتے ہو تو ہرگز شادی مت کرنا۔“

میں نے ایک رومان شروع کیا، وہ بولے — محبت کی بہترین اور مختصر ترین کہانی میں تمہیں سناتا ہوں — سنو — وہ بولا — کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟ — وہ بولی — نہیں — بلا

اس کے بعد وہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ہمارا میچ شروع ہوا، کچھ چھٹیاں تھیں اور کچھ مینا بازار کا قرب۔ ویسے بھی وہاں چاروں طرف لاتعداد ریٹائرڈ بزرگ رہتے تھے۔ وہ سب آئے۔ ساتھ بے شمار لڑکیاں آئیں۔ ہمارے کپتان نے حسبِ معمول ٹاس ہارا اور ہم فیلڈ کرنے چلے۔ لڑکیوں کی تعداد کا اندازہ ہمیں میدان میں پہنچ کر ہوا، جدھر نظر جاتی تھی، رنگ برنگے ملبوس دکھائی دیتے تھے۔

بڈی بولا۔ " بولئے اوپوائے آج مجھے امریکہ یاد آرہا ہے۔"

گیدی صاحب نے چمکتی ہوئی نئی گیند میرے ہاتھ میں دی، میں فیلڈ جمانے لگا۔ شیطان کا اصرار تھا کہ اُن کو شامیانے کی طرف بھیجدیا جائے۔ غالباً اس لئے کہ وہاں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ تالیاں بجیں اور بیٹسمین شامیانے سے روانہ ہوئے۔ ایک صاحب بیحد موٹے تھے اور دوسرے بالکل ذرر سے تھے اور کم عمر بھی تھے۔ کسی نے بتایا کہ یہ کسی یار جنگ بہادر کے لڑکے ہیں۔ شیطان چونک کر بولے "اچھا، اتنا کم عمر اور ابھی سے ایک یار جنگ بہادر کا لڑکا ــ کمال ہے۔"

اُن موٹے تازے حضرت کا نام قلندر صاحب تھا ــ شاید قلندر بیگ ہوگا یا قلندر حسین، یہ نام ہمیں یوں معلوم ہوا کہ جب میری تیسری گیند اُن کی توند سے چھو کر وکٹ کیپر کے برابر سے گذری تو یار جنگ بہادر کے صاحبزادے اِدھر سے چلاکر بولے ــ قلندر صاحب وہیں ٹھہریئے۔ دوسرے اوور میں ہمیں پتہ چلا کہ چھوٹے صاحب کا نام چنو میاں تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی ہٹ لگائی اُدھر سے قلندر صاحب چلائے ــ چنو میاں وہیں ٹھہریئے۔

دیر تک یہی ہوتا رہا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو وہیں ٹھہرنے کے لئے کہتے رہے۔ ایک گیند بڈی کے سامنے سے گذری۔ لیکن اُس نے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ معلوم ہوا کہ جناب لڑکیوں

دیکھ رہے تھے ملت کی باؤنڈری ہوگئی۔ قلندر صاحب نے ایک گیند ہوا میں اٹھا دی۔ شیطان اسے بخوبی کیچ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے گیند کی طرف دیکھا تک نہیں۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سب انتیٔ بولر اور فیلڈر سب کے ہر ایک رنگین لباسوں اور حسین چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب قلندر صاحب نے وکٹ کے سامنے ٹانگ اڑا دی اور میں نے چلا کر اپیل کی تو امپائر چونکا۔ پہلے سے جیسے جاگ کر بولے۔ اپر آ پھر آہستہ سے کہنے لگے بھئی معاف کرنا میرا دھیان کسی اور طرف تھا۔ یہ امپائر اچھے خاصے قبر رسیدہ بزرگ تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ہم ساری عمر بولنگ کرتے رہیں گے اور قلندر صاحب اور چچا جان ساری عمر کھیلتے رہیں گے۔

دفعتہً قلندر صاحب نے ایک گیند آسمان میں چڑھا دی۔ گیند اتنی اونچی گئی کہ نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ ہم سب آسمان کی طرف یوں تک رہے تھے جیسے چاند دیکھ رہے ہوں۔ پھر ایک چھوٹا سا نکتہ نظر آیا اور ہم سب کیچ کرنے کے لئے بھاگے۔ وکٹ کیپر اور مقصود گھوڑا اتنے زور سے ٹکرائے کہ دونوں عارضی طور پر بیہوش ہو گئے۔ ہم سب ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ پھر گیدی صاحب للکارے۔ "سب ہٹ جاؤ یہ کیچ میرا گرداں گا!" گیدی صاحب دونوں ہاتھ یوں پھیلائے کھڑے تھے جیسے بڑے خشوع سے دعا مانگ رہے ہوں۔ گیند بلند فضاؤں سے اترنی شروع ہوئی اور گیدی صاحب نے ہاتھ اور بھی اونچے پھیلا دیئے۔۔۔ گیند نیچے آئی۔۔۔ لیکن ان کے ہاتھوں میں نہیں۔۔۔ شاید یہ گیند کی غلطی تھی۔۔۔ وہ سیدھی ان کے سر پر آگری۔ ٹپ سے آواز آئی۔۔۔ گیند اچھلی۔ پھر ٹپ سے سر پر گری۔ پھر اچھلی اگری اور آہستہ سے ان کی گردن پر لڑھکتی ہوئی زمین کی طرف چل دی۔ پھر یکلخت وکٹ کیپر صاحب جو آنکھیں بند کئے بیہوش پڑے تھے۔ چونکے اور گرتی گیند دبوچ لیا۔ ادھر گیدی صاحب دھڑام سے گرے اور کچھ دیر کے لئے بیہوش ہو گئے۔ قلندر صاحب آؤٹ ہو گئے۔ جب وہ واپس جا رہے تھے تو شیطان بولے۔ قبلہ اب آپ کے بغیر یہ میدان خالی خالی سا

معلوم ہوگا۔ واقعی قلندر صاحب نہایت مرنجاں مرنج تھے۔

اب جو نئے صاحب آئے، انہوں نے شیطان کو دیکھا اور اُن سے لپٹ گئے۔ شیطان نے اب تک کوئی اشتیاق ظاہر نہیں کیا تھا۔

وہ بولے ۔۔۔ "آپ مجھے پہچانتے نہیں، میں وہی بیزار اختر ہوں۔"

شیطان نے بغور دیکھا اور بولے ۔۔۔ "ممکن ہے کہ آپ وہی بیزار ہوں لیکن اختر وہ ہرگز نہیں ہیں جو پہلے تھے۔"

وہ بولے ۔۔۔ "میں سچ مچ وہی ہوں، فقط ذرا بدل گیا ہوں، پہلے سے میرا قد چھوٹا ہوگیا ہے۔"

اب وہ دونوں ہیں کہ باتیں کر رہے ہیں اور ہم سب انتظار کر رہے ہیں۔ آخر امپائر نے ٹوکا تب بیزار اختر صاحب نے کھیلنا شروع کیا۔ میری پہلی ہی گیند انہوں نے ہوا میں اُٹھا دی۔ ایک صاحب کے پاس سے گذری، انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ ایک اور صاحب کے پاس سے گذری تو انہوں نے دیکھا تک نہیں۔ جب میں نے اُن کا نام پکارا، تب چونک کر انہوں نے گیند اٹھائی اور از راہِ کرم میری طرف پھینک دی۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ جس کھلاڑی کی طرف گیند جاتی فوراً اُس کا نام لے کر اُسے مطلع کیا جاتا۔

چنو میاں نے گھوم کر ہٹ لگائی۔ آگے منصور گھوڑا دنیا و مافیہا سے غافل مراقبے میں کھڑا تھا دھم سے گیند اُس کے پیٹ میں لگی۔ اس نے نعرہ لگا کر وہیں دبالی۔ چنو میاں آؤٹ ہوگئے۔ اور انہیں جاتے دیکھ کر سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ شیطان دُور سے بھاگے بھاگے آئے اور میرے کان میں بولے: "وہ جو دو لڑکیاں دیکھ رہے ہو ۔۔۔ وہ چنو میاں کی رشتہ دار معلوم ہوتی ہیں۔"

پھر پتہ معلوم ہوا کہ شیطان درست کہتے تھے۔ چنو میاں اُن دونوں لڑکیوں کو لئے ہوئے آئے تعارف ہوا۔ ایک بوڑھے پروفیسر اپنی لڑکیوں سمیت آئے ہوئے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ ایک

ہم جماعت مل گئی۔ رضیہ منہ پھیرے بیٹھی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کہیں سے سوڈیڑھ سو لڑکیاں اور بھی آجائیں۔ تاکہ آج اُس کے سامنے خوب چہلیں کی جائیں۔

شیطان بولے "یہ ہجوم کافی بدمذاق معلوم ہوتا ہے کسی نے ہمارا آٹوگراف نہیں لیا۔"

لنچ کے بعد مجھے اور شیطان کو باؤنڈری پر بھیج دیا گیا۔ وہاں ہم باتیں کرنے لگے۔ گیدی صاحب نے ناراض ہوکر ہمیں واپس بلا لیا اور بیٹسمین کے بالکل قریب کھڑے ہوکر فیلڈ کرنے کو کہا۔ ایسی جگہ بہت سنجیدگی سے فیلڈ کرنا پڑتا ہے ہم بہت گھبرائے، یہی دعا مانگ رہے تھے کہ کہیں کوئی کیچ نہ آجائے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے باتیں شروع کر دیں

میں نے کچھ کہا۔ شیطان بولے "ملاؤ ہاتھ اسی بات پر ـــ" اُنہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا ـــ شوں سے ایک چیز آئی اور ٹپ سے شیطان کی ہتھیلی سے چپک گئی۔ لاحول ولاقوۃ، یہ تو گیند تھی۔ شیطان نے ایک نہایت لاجواب کیچ کیا تھا۔ اب ہم کھیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ پانچ وکٹوں پر سکور ایک سو اٹھانوے تھا اور وہ بیزار اختر صاحب بیاسی ناٹ آؤٹ تھے۔ ارے! یہ تو سنچری پر تُلا ہوا ہے۔

چاء کے بعد گیدی صاحب نے نئی گیند لی۔ مجھے بلایا گیا۔ میں نے بڑی تیز گیندیں پھینکیں۔ لیکن اُن بیزار صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نئی گیند پر وہ اور بھی محتاط ہو گئے۔ اُدھر وہ قبر رسیدہ امپائر صاحب جو دن بھر کھڑے رہ رہ کر تنگ آچکے تھے۔ اپنے پرانے قصّے سنا رہے تھے۔ جب میں چھوٹا تھا تو یہ کیا کرتا تھا، جب میں چھوٹا تھا تو یہ بات یوں تھی۔ شیطان بولے ـــ اچھا تو کیا آپ سچ مچ کبھی چھوٹے بھی تھے اور وہ ناراض ہو گئے۔ اسی خفگی میں اُنہوں نے میری اپیل پر اُلٹی میں سر ہلا دیا۔ شام کو سات وکٹوں پر سکور دو سو چالیس تھا اور بیزار صاحب ننانوے ناٹ آؤٹ تھے۔

ہم لوگ زندگی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ ایک بڈی غریب تھا جو سب کو ہنسانے کی

کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کے لطیفوں پر کوئی ہنستا ہی نہ تھا۔ سب یہی کہتے کہ بھئی یہ تو میں نے پہلے سے سن رکھا ہے۔ حالانکہ بڈی کے لطیفے ہمیشہ نئے ہوا کرتے تھے۔

// جب ہم بڈی کی موٹر میں واپس جا رہے تھے تو شیطان بولے "یار بڈی ذرا آہستہ چلاؤ۔ تم موٹر ہمیشہ اس طرح چلاتے ہو جیسے کسی حادثے کا ریہرسل کر رہے ہو۔" //

اگلے روز صبح اخبار جو پڑھتے ہیں تو اس میں شیطان کی خوب تعریفیں تھیں۔ شیطان کے ایک کیچ کا ذکر نصف کالم میں تھا۔ بیزار صاحب کی خوب برائیاں کی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا، شیطان بولے — اخبار کا رپورٹر وہاں موجود تھا۔ یہ اس کی بے لاگ رائے ہے۔

جج صاحب ملے، بولے — "اور کچھ بھی ہو جائے لیکن اس لڑکے کی سنچری نہیں ہونی چاہیئے۔ وہ نہایت بری طرح کھیلا ہے۔ اگر وہ ایک اور رن بنا گیا تو مجھے سخت افسوس ہوگا۔"

کھیل شروع ہوا۔ بیزار صاحب ہر ایک گیند روک رہے تھے۔ ہجوم خاموش تھا۔ سب اُن کی سنچری کے منتظر تھے۔

شیطان کو ہر اوور کے بعد باؤنڈری سے میدان عبور کر کے دوسری طرف جانا پڑتا تھا۔ ایک اوور میں انہیں دیر سے خیال آیا کہ انہیں دوسری طرف ہونا چاہیئے تھا اور وہ غلط جگہ کھڑے ہیں، وہ سرپٹ بھاگے، بھاگتے بھاگتے انہوں نے ایک گیند دیکھی جو اُن کے قریب سے گذرنے والی تھی۔ انہوں نے یونہی پکڑ لی — کیچ ہو گیا۔ شیطان نے پھر ایک حیرت انگیز کیچ کیا تھا۔ سب نے یہی سمجھا کہ شیطان جان بوجھ کر بھاگے تھے۔

سکور ۹۹ تھا۔ لیکن بیزار صاحب ابھی تک ننانوے ناٹ آؤٹ تھے اور ہم سب کے سینوں پر مونگ دل رہے تھے۔

یکایک ہجوم میں سے کسی نے چلّا کر کہا کہ اُس سے بولنگ کراؤ جس نے ابھی کیچ کیا ہے۔ گیدی صاحب کو نہ جانے کیا سُوجھی شیطان کو بُلا کر گیند ہاتھ میں دے دی۔ شیطان نے آج تک کبھی میچ میں بولنگ نہیں کی تھی۔

گیدی صاحب نے پوچھا "تم تیز گیند پھینکتے ہو یا آہستہ؟"

شیطان بولے "مجھے کیا پتہ ہے ۔۔۔ ابھی پھینک کر دیکھوں گا"

اُنہوں نے کئی مرتبہ قدم گنے اور مختلف جگہوں پر نشان لگائے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ شیطان اور کرکٹ دونوں کے لئے معجزہ تھا اور بقول شیطان کرکٹ کی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھے جانے کے قابل تھا۔ شیطان نے رومال سے گیند خوب صاف کی۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور عجیب بے ڈھنگے طریق سے بھاگنا شروع کیا۔ وکٹوں کے پاس آ کر اُن کے قدم غلط ہو گئے اور ایک نہایت ہی بیہودہ گیند اُنہوں نے پھینکی۔ بیزار صاحب نے آگے بڑھ کر بلّا گھمایا اور ایک ٹھوکر کھا کر گر پڑے ... لوگ چلّانے لگے، لوگ چنگھاڑنے لگے، لوگ پاگل ہو گئے ۔۔۔ میدان نعروں سے گونج اُٹھا ۔۔۔ بیزار صاحب کی سنچری پر نہیں بلکہ اُن کے آؤٹ ہونے پر۔ شیطان کی اُس بیہودہ سی گیند نے اس بیہودگی سے اُن کی وکٹیں اُڑائیں کہ وہ ننانوے پر آؤٹ ہو گئے۔

اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ہم نے باقی کے کھلاڑیوں کو آؤٹ کر دیا۔ ساری ٹیم دو سو چالیس پر آؤٹ۔ شیطان کی خوب تعریفیں ہوئیں۔ شاباش دینے کے بہانے اُنہیں پیٹ کر رکھ دیا گیا۔

اب ہماری اننگز شروع ہوئی۔ مَیں اور علینک رضیہ کے قریب بیٹھے تھے اور وہ دُزدیدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ مخالف ٹیم فیلڈ کرنے چلی اور شیطان کیمرہ لے کر لپکے۔ اُن کی تصویریں اُتاریں۔ پھر گیدی صاحب اور مقصود گھوڑا بلّے لے کر شامیانے سے چلے۔ شیطان نے باقاعدہ

چونکہ اکرام کی تصویریں اتاریں۔ ہم دیر تک شامیانے میں نہ بیٹھ سکے۔ ہمارے کھلاڑی یکے بعد دیگرے آؤٹ ہوتے چلے گئے۔ ہمارے مخالف بولرز نہایت خطرناک ثابت ہوتے یا ہمارے بیٹسمین شامیانے کی طرف دیکھتے رہے — جو کوئی کھیلنے جاتا وکٹوں کو ہاتھ لگا کر واپس آجاتا۔ جب ساتویں وکٹ پر پڈی گیا تو سکور چھبیس تھا۔ پڈی کے منہ پر چیونگ گم تھا اور ہاتھوں میں بلا جسے اس نے بیس بال کے سٹائل پر پکڑ رکھا تھا۔ جاتے ہی اس نے پیچھے قدم سے ایک چوکا لگا دیا۔ اگلی گیند پر پھر چوکا، پھر چھکا، پھر چوکا۔ غرضیکہ بولرز کے چھکے چھڑا دیئے۔ تیز اور آہستہ ہر قسم کی بولنگ کو وہ ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہا تھا۔ اُدھر بولر چلتا، اُدھر پڈی چلتا۔ جہاں گیند زمین پر پڑتی، وہیں ہٹ لگتی۔ لیکن پڈی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ اس کے آؤٹ ہوتے ہی بقیہ کھلاڑی بھی نکل گئے — ہماری ٹیم ننانوے پر آؤٹ۔ اسی ننانوے پر جو بیرا اختر کیپٹن کا سکور تھا۔

جج صاحب نے فیصلہ صادر فرما دیا کہ ہم ہر دو بار ہاریں گے۔

شیخ پرگیدی صاحب بہت بیزار تھے۔ میں اور عینک باہر گھاس پر بیٹھے چلغوزے کھا رہے تھے۔ وہ اپنی کسی سہیلی کا ذکر کر رہی تھی۔ اتنے میں شیطان آ گئے۔

بولے "کیا آپ اسی لڑکی کا ذکر تو نہیں کر رہیں جو لباس بہت اچھا پہنتی ہے؟"

"ہاں!"

"اور جسے لباس لگتا بھی خوب ہے؟"

"ہاں۔"

"اور جو گاتی بھی خوب ہے۔"

"اور جو ملاکی حسین ہے۔"

"ہاں — کیا آپ اس سے ملے ہیں؟"

"نہیں، اب تک تو نہیں ملا — لیکن ایسی لڑکی سے کون ملنا نہ چاہے گا۔ کیا آپ کبھی اُس سے تعارف کرا دیں گی؟"

"ضرور!"

شیطان اُس لڑکی کو بالکل نہیں جانتے تھے۔ ہم دونوں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شیطان بڑا اشتیاق ظاہر کر رہے تھے۔ دفعتاً ہمیں ایک ایسی ہستی نظر آئی کہ شیطان کے دیوتا کوچ کر گئے۔ یہ مس ریچھ تھیں۔ ان پر شیطان چند ماہ پہلے بُری طرح عاشق تھے۔ عاشق کیا بالکل دیوانے بنے ہوئے تھے۔ اُدھر مس موصوفہ میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر کوئی عاشق ہوتا ہوا اچھا لگے۔ یہ نام اُن کو خوب زیب دیتا تھا۔ وہ بیحد طویل و عریض تھیں۔ اُن کی والدہ شیطان کو کبھی تو بہت پسند کرتی تھیں اور کبھی بہت ناپسند۔ ویسے وہ بھی اسی سانچے کی بنی ہوئی تھیں، بس ذرا پُرانا ماڈل تھیں۔ وہ میک اپ خوب کرتی تھیں۔ بعض اوقات تو وہ اپنی بیٹی سے قدرے حسین معلوم ہوتیں۔

شیطان کا خوب مذاق اُڑتا — ریچھوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ — تو ہی ناداں چند ریچھوں پر قناعت کر گیا — مانا کہ ترے ریچھ کے قابل نہیں ہوں میں، تُو اپنا ریچھ دیکھ مرا انتظار دیکھ — لیکن شیطان باز نہ آئے اور اُس وقت تک عاشق رہے۔ جب تک اُن کا موڈ عاشقانہ رہا، پھر خود بخود راہِ راست پر آگئے۔ مس ریچھ سے تعارف نہایت پُرلطف رہا۔ ہوا یوں کہ میں اور شیطان چھٹیوں سے واپس آرہے تھے۔ ایک جنکشن پر گاڑی بدلی، دوسری گاڑی چلنے والی تھی۔ بھاگا دوڑی میں سامان رکھوا رہے تھے کہ ہجوم میں ایک سفید ریش اور ضعیف شخص دکھائی دیا جو ایک بچے کی انگلی پکڑے جا رہا تھا۔ شیطان کو ایسے مواقع پر فوراً ترس آجاتا ہے۔ اپنی جیبیں ٹٹول کر بولے "میرے پاس نوٹ ہیں۔ تمہارے پاس کچھ ٹوٹا ہوا ہو تو اس بیچارے فقیر کو دو۔" جلدی تھی، گھبراہٹ میں کچھ ملتا ہی نہ تھا، بڑی مشکل سے دو آنے ملے۔

جلدی سے اُس فقیر کو دیئے اور قلیوں کے پیچھے بھاگے۔ ڈبے میں کافی جگہ تھی۔ گاڑی چلنے سے ذرا دیر پہلے کسی کا بہت سا سامان آگیا۔ اس کے بعد ایک سالم کنبہ۔ اور اس کے بعد وہی فقیر اُس کنبے کے ساتھ آیا اور بیٹھ گیا۔ سارا کنبہ اُسے ابا جان ابا جان کہہ رہا تھا۔ لاحول ولاقوۃ — ہم بڑے شرمندہ ہوئے وہ بزرگ جو ہمیں اس وقت فقیر معلوم ہوئے تھے۔ نہایت معزز قسم کے مالدار حضرات نکلے۔ کچھ تو ان کا لباس ضرورت سے زیادہ سادہ تھا۔ کچھ ہم ضرورت سے زیادہ گھبرائے ہوئے تھے اور کچھ شیطان کو ضرورت سے زیادہ ترس آگیا۔ انہوں نے ہمارے دو آنے واپس کئے اور بڑے مزے کی باتیں ہوئیں۔ اُسی کنبے میں مس ریچھ بھی تھیں۔ بس شیطان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً عاشق ہوگئے۔ واپسی پر بڈی کو بتایا گیا، وہ بولا۔ "شاید یہ پانچویں لڑکی ہے۔ جس پر تم اس سال عاشق ہوئے ہو۔"

شیطان بولے "نہیں چوتھی ہے — ایک لڑکی پر میں دو مرتبہ عاشق ہوا تھا۔"

وہ تو شیطان کی خوش قسمتی سے مس ریچھ نے ہمیں دیکھا نہیں۔ ورنہ وہ سیدھی ہماری طرف

ہم فیلڈ کرنے جا رہے تھے تو نھی آئی۔ بولی "آپ اُس طرح گیند کیوں نہیں پھینکتے؟"

پوچھا "کس طرح؟"

بولی "اُسی طرح جیسے اُس روز پھینکی تھیں۔"

پوچھا "کس روز؟"

بولی "میں بھول گئی۔ ٹھہریئے ابھی پوچھ کر بتاتی ہوں۔"

اور سیدھی رضیہ کے پاس گئی — اچھا تو یہ سلطانہ رضیہ صاحبہ ہمیں ہدایات دے رہی تھیں۔ نھی نے مجھے ایک کاغذ کا پرزہ لا کر دیا۔ میں نے سر ہلا کر کہا — "اچھا۔"

گیدی صاحب غلطی پر غلطی کر رہے تھے۔ انہوں نے شیطان سے بولنگ کرائی۔ شیطان کی خوب پٹائی ہوئی۔ پھر گیدی صاحب کو جوش آیا تو انہوں نے خود بولنگ شروع کی اور وہ گیند یں پھینکیں جن کے متعلق اُن کا ذاتی خیال یہ تھا کہ گگلی ہیں۔ لیکن تھیں وہ کچھ بھی نہیں —— سکور خوب بڑھتا جا رہا تھا۔ شیطان بار بار مجھ سے شرط بدتے ——" لگاتے ہو دس روپے چنو میاں پچاس سے اوپر سکور کرینگے" میں انکار کرتا تو وہ فوراً کہتے —" اچھا تو پھر لگاتے ہو دس روپے چنو میاں پچاس سے نیچے سکور کرینگے" میں برابر انکار کرتا رہا۔ اس وقت میں بالکل کنگال تھا۔

چائے پر اُن کے چار کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے اور سکور ڈیڑھ سو تھا۔ ننھی نے پھر ایک کاغذ کا پُرزہ لاکر دیا اور پھر میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اچھا"

وہ پھر آئی —— بولی" آپا کہہ رہی ہیں کہ آپ نے ہمارا کہنا نہیں مانا"

میں نے کہا" ابھی مانتا ہوں۔

میں نے گیدی صاحب کو بڑی مشکل سے منایا۔ نئے سرے سے فیلڈ جمائی۔ دن بھر کے کھیل سے وکٹ کافی خراب ہو چکی تھی پہلی گیند ایسی تیز بریک ہوئی کہ میں حیران رہ گیا خود بخود اتنی تیز گیندوں پر اتنے بریک ہو رہے تھے۔ گیدی صاحب بولے ——" یہ اتنے تیز بریک تم نے کب سے شروع کئے؟"

میں نے کہا" آج سے —— بلکہ ابھی سے"۔

ایک ہٹ کو بڈی نے یوں دبوچ لیا جیسے کوئی اُڑتے ہوئے بٹیر کو دبوچ لے —— یہ بیزار صاحب آؤٹ ہوئے تھے۔ جب بیزار صاحب شامیانے کی طرف جا رہے تھے تو ان کے آؤٹ ہونے پر سب خوش تھے سوائے بیزار صاحب کے۔

اگلی گیند کو کھلاڑی نے گلانس کیا اور بڈی نے زمین پر لیٹ کر گیند پکڑ لی۔ اب تو شور مچ گیا۔ دو گیند دو پر دو کھلاڑی آؤٹ۔ آوازیں آ رہی تھیں کہ ہیٹ ٹرک کرو، ہیٹ ٹرک کرو۔ لوگ طرح طرح کے

مشورے دے رہے تھے۔ ہیٹ ٹرک کا خیال ہی ایسا ہے کہ اچھے پر پسینہ آجاتا ہے۔ میں نے سوچا چلو کچھ نہیں، دُور سے بھاگا بھاگا آیا اور گیند پھینک دی۔ بالکل معمولی سی گیند تھی، کھلاڑی نے گھوم کر ہٹ لگائی۔ گیدی صاحب نے اچھل کر ہوا میں کیچ لینے کی کوشش کی۔ اُن کا ہاتھ پہنچا بھی، گیند ہاتھ سے چھوئی بھی، لیکن کچھ نہ بنا۔ گیند کا رُخ بدل گیا۔ وکٹ کیپر نے بایاں ہاتھ ہوا میں لہرایا لیکن کیچ پھر بھی نہ ہوا۔ گیند پھر چھو گئی اور رُخ بدل گیا، اتنے میں بڈی بجلی کی طرح تڑپا اور گرتی گیند دبوچ لی ——

ہیٹ ٹرک ہو گیا —— سچ مچ کا ہیٹ ٹرک۔

گیدی صاحب نے اپنا چھوٹا سا ہیٹ میرے سر پر رکھ دیا۔ میں نے وہی ہیٹ بڈی کے سر پر رکھ دیا۔ میرے اگلے اوور میں بڈی نے لیگ کی طرف ایک اور بہت اچھا کیچ کیا۔ ایک کیچ مقصود گھوڑے نے بہت دُور باؤنڈری لائن پر کیا —— ایک سوا گھنٹہ پر ساری ٹیم آؤٹ۔ چھ وکٹیں میری تھیں —— محض لیگ تھیوری کی بدولت —— اور یہ مشورہ رضیہ کا تھا۔ ہماری ٹیم اب جیت ہو گئی تھی۔ سب چہروں پر اُمید جھلک رہی تھی

عینک نے دوڑ کر میرا استقبال کیا۔ شیطان دوڑے دوڑے آئے اور میرے کان میں بولے "اگر تم مجھے کسی طرح ریچھ سے محفوظ رکھ سکو تو کل کے اخبار میں تمہاری تعریفیں ہی تعریفیں ہوں گی۔"

پوچھا "کیونکر؟"

بولے "رپورٹر میرا دوست ہے اور سب کچھ میرے کمرے میں بیٹھ کر لکھتا ہے۔"

میں اُنہیں سیدھا حکومت آپا کے پاس چھوڑ آیا جہاں ریچھ تو کیا، بھوت جن بھی نہیں پھٹک سکتے ننھے ننھی نے مجھے ایک چاکلیٹ دیا۔ پوچھا "کس نے دیا ہے؟"

بولی "آپا نے۔"

پوچھا "کون سی آپا نے؟"

بولی "نہیں بتاتے۔"
میں نے سر ہلا کر کہا "ہم نہیں لیتے۔"
بولی "اُن آپا نے۔"
میں نے ایک پرزے پر یہ لکھ کر اُسے دیا اور کہا "یہ رضّو کو دینا۔"
بولی "آپ ہماری آپا کا ادب نہیں کرتے۔ صرف رضّو کہتے ہیں۔"
میں نے کہا "آپا دادا ہوں گی تمہاری، ہماری تو وُہ صرف رضّو ہیں۔"
بولی "میں ابھی جا کر کہتی ہوں۔"

اب ہمیں جیتنے کے لئے تین سو زندہ رکھا تھیں، برابر ہونے کے لئے دو سو ننانوے، اور ہارنے کے لئے دو سو اٹھانوے یا اس سے کم۔ شام ہو چکی تھی۔ کل نیس پینتیس منٹ باقی تھی۔ روشنی کم تھی۔ گیدی صاحب اور اُن کے لمبے لمبے مشیروں نے کچھ کانفرنس سی کی اور بولے۔ "اگر شروع کے اچھے کھلاڑی اس وقت گئے تو کہیں آؤٹ نہ ہو جائیں، بہتر یہی ہوگا کہ اناڑیوں میں سے دو کو بھیج دیں۔ اگر وُہ آؤٹ بھی ہو گئے تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ وقت نکال جائیں۔"
بڈّی کو اور مجھے چنا گیا۔ ہمیں بے شمار ہدایتیں دی گئیں۔ ہم دونوں میں سے آج تک کوئی شروع میں نہیں گیا تھا۔ بڈّی کی خاص طور پر منتیں کی گئیں کہ بس گیند روک لینا، ہٹ وغیرہ ابھی مت لگانا۔

جب ہم دونوں بلّے لے کر میدان میں گئے تو چاروں طرف تالیاں بج رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کوئی بہت مشہور کھلاڑی ہوں اور ابھی کچھ کا کچھ کر کے رکھ دوں گا۔ کھیل شروع ہوا۔ چمکتی ہوئی نئی گیند بجلی کی طرح آتی اور جھلک دکھا کر نہ جانے کہاں غائب

ہو جاتی، میں دیکھتا رہ جاتا، اُدھر بڈی بھی حیران کھڑا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بھی گیند نہ چھو سکا۔ تیسرے اوور میں گیند بلّے کی ملاقات ہوئی۔ گیند بولر کے ہاتھ سے نکلی، خیال آیا کہ کٹ کروں۔ ابھی پاؤں اُٹھایا ہی تھا کہ گیند کا رُخ بدل گیا۔ سوچا کہ ڈرائیو کروں گا، رُخ پھر بدل گیا۔ میں ہُک کی تیاری کر رہا تھا کہ پھر ایک دم روکنے میں مصلحت سمجھی اور گلانس خواہ مخواہ ہو گیا، گیند نہایت تیز تھی، باؤنڈری ہو گئی۔ اب کچھ ہمت بندھی۔ جہاں گیند زمین سے چھوتی اُچھل کر وہیں اُسے روک لیتا۔ میں بالکل کتاب کی نقل کر رہا تھا۔ سیدھے بلّے سے جب گیند کو آئینہ دکھاتا تو نعرے لگتے ــــ سٹائلش ــــ بہت اچھے

بڈی کو گیند روکنا مصیبت ہو گئی، ہر گیند پر وہ ہٹ لگانے کے لئے بلّا اُٹھاتا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر صرف روکنے پر اکتفا کرتا۔ لیکن ایسے عجیب طریقے سے روکتا جیسے بلّے سے گیند کو زمین میں ٹھوک رہا ہو، اُس نے تھوڑی ہی دیر میں گیند کی چمک دمک سب اُتار کے رکھ دی۔

خدا خدا کر کے وقت ختم ہوا۔ جب ہم تالیوں کے شور میں واپس لوٹے تو میں گیارہ ناٹ آؤٹ تھا اور بڈی پندرہ ناٹ آؤٹ۔

رات کو میں نے شیطان سے تصویروں کے متعلق پوچھا کہ "فلم کب دھلواؤ گے۔"

بولے ــــ "کون سی فلم؟"

کہا ــــ "آج جو تصویریں اتاری ہیں، وہ فلم۔"

بولے ــــ "کیمرہ تو خالی تھا۔ آج کل فلمیں ملتی کہاں ہیں؟"

پوچھا ــــ "تو پھر تصویریں اتارنے میں کیا مسخراپن تھا؟"

بولے ــــ "ویسے ہی ذرا لطف رہتا ہے۔ ہاتھ میں کیمرہ ہو تو انسان ذرا اسمارٹ معلوم ہوتا ہے۔"

اگلے روز اخبارات میں میری بہت تعریفیں تھیں۔ لطف یہ ہے کہ بولنگ کا اتنا ذکر نہیں تھا جتنا بیٹنگ کا ــــ یہ سب شیطان کی کرامات تھی۔

اگلی صبح جج صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ بس گیندیں روکتے رہو، باہر جاتی ہوئی گیند کو مت چھوؤ اور زبردستی ہٹ مت لگاؤ، سکور خود بخود ہوتا رہے گا۔

کھیل شروع ہوا۔ ہم گیندیں روک رہے تھے، جو گیند سیدھی آتی۔ اُسے رُک لیتے جو باہر جاتی اُسے چھوڑ دیتے۔ تھوڑی دیر میں ہمیں پتہ چلا کہ رنز خود بخود ہو رہی ہیں۔ ہم دونوں نے سکور سو تک پہنچا دیا۔ بڑی آہستہ آہستہ اپنی اصلیت پر آ رہا تھا اور پھر شپ سے کسی نے اُس کا کیچ کر لیا ـــ بیالیس رنز کر کے وہ آؤٹ ہو گیا۔ گیدی صاحب آئے۔ لیکن بہت ڈرے ہوئے تھے: ایک معمولی سی گیند پر وہ آؤٹ ہو گئے۔ آؤٹ ہوتے ہی اُنہوں نے نعرہ لگایا ــــ "بہت اچھی گیند تھی ـــ گگلی تھی!" ـــ بولر کی تعریفیں کرتے ہوئے واپس چلے گئے: مقصود گھوڑا آیا۔ اُس نے ذرا کھیل جما دیا۔ مجھے اب گیند فٹ بال جتنی دکھائی دے رہی تھی۔

ہم لنچ کے لئے گئے تو سُورج بھی لنچ کے لئے چلا گیا۔ بادلوں میں جا چھپا۔ لنچ کے بعد ایک ہی اوور میں ہمارے دو کھلاڑی نکل گئے۔ دوسو پہ تین گیند آئی اور مجھے ایک مرتبہ پھر قیامت کا سامنا کرنا پڑا۔

میں آہستہ آہستہ تھکتا جا رہا تھا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ بیٹنگ بہت مشکل چیز ہے۔ آج تک کبھی اتنی دیر وکٹوں پر ٹھہرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میری ٹانگیں شل ہو چکی تھیں، کمر بُری طرح دُکھ رہی تھی، میرا سکور ستر ناٹ آؤٹ تھا۔ میں نے آج تک اتنا سکور کبھی نہیں کیا تھا۔ سب کہہ رہے تھے کہ سنچری کرو اور میرا بھاگنے کو بالکل جی نہ چاہتا تھا۔ چائے پر ہمارا سکور ڈھائی سو تھا۔ شیطان اور مینک کی بہت باتیں کر رہے تھے۔ وہ بولی۔ "مجھے لیفٹ ہینڈر زیادہ پسند ہیں۔ وہ کھیلتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

شیطان بولے۔ "میں آج بائیں ہاتھ سے کھیلوں گا۔ اگرچہ میں نے بولنگ دہنے ہاتھ سے کی ہے

اور پھر یہ کرکٹ تو ہے بھی میرے بائیں ہاتھ کا کھیل"۔

مجھے ایک طرف لے جا کر بولے "اس لڑکی نے مجھ میں ایک نئی رُوح پھونک دی ہے، تم دیکھنا آج میں کیسا کھیلتا ہوں، اور ہاں آج رضیہ دن بھر اُداس رہی ہے، رُوٹھنا وٹھنا سب ختم ہو چکا ہے۔ جب بُلائے بیشک چلے جانا اور — مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے جاہو جس وقت — والا برتاؤ کرنا"

چاہ کے بعد پہلی گیند پر ایک وکٹ نکل گئی۔ اب ایک ایک گیند پر تالی بجتی تھی، سکور کرو نہ کرو ہٹ لگاؤ نہ لگاؤ، چاہے رُکنے رہو یا صاف چھوڑ دو — شور ضرور مچتا تھا۔

یکلخت ہجوم خاموش ہو گیا۔ چاروں طرف نا اُمیدی چھا گئی۔ اب آخری کھلاڑی آ رہا تھا — شیطان، اپنی عینک سنبھالتے، بلا گھماتے، ایک عجب شان سے تشریف لا رہے تھے۔ آتے ہی اُنہوں نے لیفٹ ہینڈر کا سٹائل بنایا۔ میں نے بڑی منتیں کیں کہ "آج دہنے ہاتھ ہی سے کھیلو، یہ بائیں ہاتھ کا شوق کبھی پھر پُورا کر لینا"۔

بولے "ہرگز نہیں — تم دیکھنا تو سہی، اگر زندگی نے وفا کی تو سکور پورا کر کے دکھاؤں گا۔ — جب میں جیتنے کی ہٹ لگاؤں گا تو عینک کی سہیلی کا چہرہ فخر سے اُونچا ہو جائے گا"۔

شیطان کے محبوب سٹروک دو ہیں — لیگ بائی اور آف بائی — کبھی گیند پیڈوں سے بچ کر بلے میں بھی لگ جاتی ہے اور جب بلے سے نکل جائے تو لازمی طور پر وکٹوں میں جاتی ہے۔ آؤٹ ہونے کے بعد شیطان ہمیشہ بلے کو اس انداز سے دیکھتے ہیں۔ جیسے اُس میں کہیں سوراخ تھا جس میں سے گیند نکل گئی۔

پہلی گیند شیطان کی ٹھوڑی کے نیچے سے نکل گئی، دُوسری گھٹنوں میں سے، تیسری ناک کو چھُوتی ہوئی گئی۔ چوتھی کمر میں لگی — لیکن شیطان لیفٹ ہینڈر کا سٹائل بنائے کھڑے رہے۔

پہلے اوور کے بعد شیطان مجھ سے ملنے آئے۔ ہجوم نے سمجھا کہ کھیل کے سلسلے میں مشورہ لینے

آئے ہوں گے خوب تالیاں بجیں۔ شیطان بولے "وہ دیکھو شامیانے کے اُس کونے میں عینک کی سہیلی بیٹھی ہے۔"

میں نے بتایا کہ یہ تو کوئی اور ہے۔ اور ساتھ ہی اُنہیں عینک کے شیشے صاف کرنے کو کہا۔ اُنہوں نے شیشے صاف کئے اور بولے ـــ "تو ہجوم میں کہیں ہوگی، کاش کہ اس وقت ایک دُوربین ہوتی ـــ اور یہ پوائنٹ پر جو کھلاڑی کھڑا ہے۔ اس کی مونچھیں مجھے آؤٹ کرائیں گی۔"

اگلے اوور کے بعد پھر مجھے ملے، بولے ـــ "جانتے ہو یہ وکٹ کیپر عینک کی سہیلی کا کوئی عزیز ہے بیچارے نے آج ایک بھی کیچ نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے، اسے ایک کیچ کرا دوں" ـــ میں نے پھر اُن کی منتیں کیں اور وہ بمشکل باز آئے۔

شیطان اتنی بُری طرح کھیل رہے تھے کہ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ شیطان اُس وقت کرکٹ نہیں کھیل رہے تھے، بلکہ گتکا، کبڈی، ہائی جمپ، اور بہت سی چیزیں ملا کر تماشے کر رہے تھے۔

مخالف بولر بولا "یہ بیٹنگ کیسی ہو رہی ہے؟"

"اور یہ بولنگ کیسی ہو رہی ہے؟" شیطان نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُچھل کر ایک آف بائی سکور کی، اب وہ وکٹوں کے چاروں طرف کھیل رہے تھے اور بائی پر بائی سکور ہو رہی تھی۔ سکور دو سو اسی ہو گیا۔ میں بچانوے ناٹ آؤٹ تھا اور شیطان نے دس بائی سکور کی تھیں۔ میں اس قدر تھک چکا تھا کہ مجھے نہ کسی سکور کا چاؤ تھا۔ نہ کسی میچ کا۔ بس یہی جی چاہتا تھا کہ پیڈ وغیرہ اتار کر یہیں گھاس پر لیٹ جاؤں۔

ایک گیند پر بائی لگا کر شیطان نے مجھے بُلایا، میں چلا، اتنے میں گیند واپس آگئی۔ وہ چلائے واپس جاؤ۔ میں بُری طرح بھاگا، گیند تیز تھی۔ اس لئے دوسری طرف نکل گئی۔ اُنہوں نے پھر بلایا میں پھر گیا۔ گیند واپس آگئی۔ پھر واپس بھاگا ـــ ہم دونوں خوب بھاگے دوڑے لیکن سکور کچھ نہ

ہوا۔ اگلی گیند پر شیطان نے پھر یہی حرکت کی۔ اس دفعہ تو میں رن آؤٹ ہوتا ہوتا بچا۔
شیطان اور وکٹ کیپر خوب مُسکرا مُسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ شیطان نے اُسے کھانے پر مدعو کیا۔
آخری اوور آیا اور میں نے دل کڑا کر کے ایک چوکا لگا دیا۔ اب میں ننانوے ناٹ آؤٹ تھا۔ اگلی گیند
کو میں نے گلانس کیا اور شیطان کو بُلایا۔ وُہ نہیں آئے۔ چوتھی گیند پر پھر بُلایا۔ وُہ پھر وہیں کھڑے
رہے۔ وقت ختم ہو گیا۔ سکور دو سو پچاسی تھا اور میں وُہی ننانوے ناٹ آؤٹ۔
شیطان بولے "میاں یہ ننانوے کا پھیر بہت بُرا ہوتا ہے۔ یہ ہندسہ ہمارے لئے بہت
منحوس ہے۔ کہیں کل تمہارے ساتھ اُن کا بولڑ وہی سلوک نہ کرے جو میں نے بیز آر صاحب کے ساتھ
کیا تھا جب وُہ ننانوے ناٹ آؤٹ تھے۔"
مَیں نے اُن سے پُوچھا "یہ آخری اوور میں کیا حرکت کی تھی، میرے بلانے پر کیوں نہیں آئے"
بولے — "اس لئے کہ اب اس خاکسار کی دو آرزوئیں ہیں۔ پہلی یہ کہ تمہاری سنچری
ہرگز نہ ہو، ورنہ تم ہم اناڑیوں کے زمرے سے نکل کر اپنے آپ کو بیٹسمین سمجھنے لگو گے، دوسری یہ کہ
جیتنے کی ہٹ میں لگانا چاہتا ہُوں۔ میں نے عینک کی سہیلی سے وعدہ کیا ہے۔"

رضیہ ملی۔ بولی "ذرا سنئے۔"
میں چلا گیا۔ ہم دونوں باہر گھاس پر بیٹھ گئے۔ وُہ بولی — "اتنے دنوں سے میں
پڑھائی میں مصروف رہی اور کچھ میرا جی اچھا نہیں تھا۔"
میں نے کہا "میں بھی اتنے دنوں بہت مصروف رہا۔ کچھ امتحان کی تیاری اور کچھ یہ ٹورنمنٹ
کا سلسلہ۔"
میں نے لیگ بھنوری کا ذکر کیا کہ اُسے یہ خیال کیونکر آیا۔ بولی — "مجھے آپ کا ایک پہلا

۔میچ یاد تھا جس میں آپ نے اسی طرح وکٹیں لی تھیں"۔

میں نے پوچھا ــــ "کل کیا پروگرام ہے"؟

بولی ــــ "کل چھٹی ہے"۔

پوچھا "کل میرے ساتھ چلو گی۔ ایک جگہ پک نک ہے"۔

بولی ــــ "اجازت لینی ہو گی، امی سے اور حکومت آپا سے"۔

کہا ـ "عینک کی سہیلی کا بہانہ کر دینا ــــ آج تم دونوں کافی دیر اکٹھی رہی ہو"۔

بولی "کوشش کروں گی"۔

کہا "کوشش ووشش نہیں ــــ وعدہ کرو"۔

شرما شرما کر بولی ــــ "اچھا"۔

میں شیطان کے ہوسٹل گیا۔ وہاں وہ وکٹ کیپر صاحب موجود تھے۔ کئی مرتبہ ننانوے ناٹ آؤٹ کا ذکر آیا۔ جب میں واپس آ رہا تھا تو مجھے ہر دیوار پر جلی الفاظ میں ننانوے ناٹ آؤٹ لکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے ہوسٹل پہنچا تو بہت سے لڑکے ملے۔ سب نے یہی بار بار دوہرایا۔ رات کو ٹائم پیس کی ٹک ٹک میں مجھے ننانوے ناٹ آؤٹ، ننانوے ناٹ آؤٹ سنائی دیتا رہا۔ رات بھر میرے کانوں میں کوئی چیخ چیخ کر کہتا رہا کہ ننانوے ناٹ آؤٹ، ننانوے ناٹ آؤٹ۔

اگلے روز بہت زیادہ ہجوم تھا۔ میچ بیحد دلچسپ ہو گیا تھا۔ مینا بازار سالم کا سالم وہاں موجود تھا۔ تالیوں اور نعروں کے شور میں جب ہم بلے لے کر نکلے تو میرا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

شیطان کی باری تھی۔ مخالف کپتان نے اپنے ایک فاسٹ بولر کو بلا لیا۔ اس کی پہلی

گیند شیطان اور وکٹ کیپر دونوں کے اُوپر سے گذر گئی ـــــ بائی کی چار رنز ہو گئیں۔ اگلی گیند پر پھر یہی ہوا۔ چار رنز اور ہو گئیں۔ اُنہوں نے فالتو فیلڈ لے لی۔ بقیہ گیندیں بھی شیطان اور وکٹ کیپر کے اُوپر سے گذریں۔ لیکن مزید سکور نہ ہوا۔

دوسری طرف سے اُنہوں نے ایک نیا بولر لگایا۔ جس کو میں اب تک نہیں کھیلا تھا۔ وُہ اوور یونہی گذر گیا۔ اگلے اوور میں شیطان نے قلابازی سی لگائی اور ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا کٹ لگایا۔ سکور دو سو ستانوے ہو گیا اور وہیں اٹک کر رہ گیا۔ چند اوور پھر ویسے ہی خشک گذر گئے۔ ہجوم کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر گیند کے ساتھ وُہ شور و غل مچتا تھا کہ خدا کی پناہ۔

ایک گیند پر شیطان نے کٹ کا ہاتھ دکھایا اور گیند لیگ کی طرف نکل گئی ـــ ہم نے دوڑ کر دو رنز بنا لیں ـــ سکور دو سو ننانوے ہو گیا۔ ہم نے سکور برابر کر دیا تھا۔ اب ہمیں جیتنے کے لئے صرف ایک رن کی ضرورت تھی اور مجھے سنچری کرنے کے لئے ایک رن کی ضرورت تھی۔

اوور کی تین گیندیں ابھی باقی تھیں۔ ہر گیند پر شیطان نے بے تحاشہ بلاّ گھمایا۔ لیکن کچھ نہ ہوا۔ اُدھر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں عمر بھر سنچری نہیں کر سکتا۔ صدیاں گذر جائیں سنچری نہیں ہو گی اور یہ ننانوے ناٹ آؤٹ ایک تہمت ہے جو مجھ پر لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک طوق ہے جو میرے گلے میں لٹک رہا ہے، یہ ایک سینگ ہے جو میرے سر میں اُگا ہوا ہے ـــ اور میں اس کمبخت ننانوے ناٹ آؤٹ سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکوں گا۔

اب میری باری آئی، وُہی نیا بولر گیند پھینک رہا تھا۔ گز گز بھر کی بریک کرا تا تھا۔ پہلی گیند سوکھی دوسری روکی، تیسری، چوتھی ـــــ میں کسی پر سکور نہ کر سکا۔ اب آخری گیند تھی۔ اُدھر گیند آئی، ادھر میں نے آنکھیں بند کر کے بلاّ گھمایا۔ خدا جانے گیند بلّے سے لگی، پیڈوں سے لگی، جُوتوں سے لگی، لگی بھی یا نہیں ـــــــــــ بس گیند نکل گئی ـــــ دو کھلاڑی پیچھے بھاگے، اُدھر میں بھاگا

دوسری طرف پہنچا تو شیطان وہیں کھڑے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کھلاڑی گیند کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے شیطان کو دوسری طرف جانے کو کہا۔ وُہ وہیں کھڑے رہے۔ میں نے اُن کو بازو سے پکڑ کر ہلایا۔ لیکن وُہ نہیں ہلے۔ آخر میں اُن کو زبردستی گھسیٹتا ہُوا اپنی وکٹ تک لایا اور وہاں پہنچ کر تابڑ توڑ واپس بھاگا۔ بس رن آؤٹ ہونے ہوتے بچا۔

اور پھر غدر مچ گیا۔ زلزلہ آ گیا، زمین کی جگہ آسمان نے لے لی اور آسمان زمین کی جگہ آ گیا۔

بڑی بھاگا بھاگا آیا اور مجھے کندھے پر اُٹھا کر شامیانے کی طرف بھاگا۔ بار بار وُہ یہی کہہ رہا تھا۔ ” بواتے اوبواتے — میں چیمپئن ہوں۔ میں نے ایک کپ جیتا ہے۔ اب میں کرکٹ کا کھلاڑی ہوں۔“

شامیانے میں پہنچ کر پتہ چلا کہ ہم جیت بھی گئے تھے اور ایک رن سکور بھی ہو گئی تھی لیکن یہ امر بحث طلب تھا کہ اسے میں نے سکور کیا تھا یا یہ محض بائی تھی۔ ایک امپائر کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ، کوئی کہتا تھا میں نے سنچری کی ہے، کوئی کہتا تھا کہ محض ننانوے ناٹ آؤٹ ہوں۔

اُدھر شیطان اُس وکٹ کیپر اور عینک کی اُس سہیلی کے ساتھ ایسے غائب ہوئے جیسے کبھی یہاں تھے ہی نہیں۔

جب میں اور رضیہ اکٹھے چل رہے تھے تو اُس نے نہایت خوشنما کوٹ پہن رکھا تھا اور گلے میں وُہ سادہ سا ہار تھا جو میں نے اُسے دیا تھا۔ وُہ بولی — ” یہ کوٹ ابا نے سالگرہ پہ دیا تھا۔ میں آج اسے پہلی مرتبہ پہن رہی ہوں۔“

میں نے پوچھا ” اب تک کیوں نہیں پہنتا؟“

بولی ” میں نے سوچا کہ کسی خاص دن پہنوں گی۔“

میں نے اُسے سائیکل پر بیٹھنے کو کہا۔ بولی "کیریر پر تو ٹوکری بندھی ہوئی ہے"
میں نے کہا "آگے بیٹھ جاؤ"
بولی "اور جو کسی نے دیکھ لیا تو؟"
کہا "کسی نے دیکھ لیا تو میری خوش نصیبی پر رشک کرے گا"
وہ شرما کر آگے بیٹھ گئی۔ میرا چہرہ اُس کے بالوں سے چھو رہا تھا"
"یہ تم نے حکومت آپا کی خوشبو آج پھر چُرائی ہے" میں نے پوچھا۔
"آپ نے بھی تو اُن کا تیل لگا رکھا ہے" وہ بولی۔
ہم دونوں درست تھے۔
جب ہم دو تین میل نکل آئے تو وہ پوچھنے لگی کہ پک نک کہاں ہو رہا ہے۔ میں نے بتایا کہ یہاں سے کچھ دور ایک پرانے باغ میں۔
اُس نے پوچھا کہ پک نک میں اور کون کون ہونگے۔
میں نے کہا "کہ صرف دو ہونگے — میں اور تم"
—— ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گلاس کے قطعوں اور پھولوں کے تختوں میں کھیلتے رہے درختوں میں ہم نے آنکھ مچولی کھیلی۔ حوض کے کنارے بیٹھ کر چھینٹے اُڑائے، سیڑھیوں پر شرط لگا لگا کر چڑھے جب دھوپ پیلی پڑ گئی اور درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تو ہم نے سب سے اونچی بُرجی پر چڑھ کر غروب آفتاب دیکھا۔
جب ہم دونوں چاندنی میں سائیکل پر واپس آرہے تھے تو رضیہ بولی "یہ میچ تو صرف آپ کا تھا۔ وہ ہیٹ ٹرک خوب تھا۔ گیند پھینکتے ہوئے آپ بہت اچھے لگ رہے تھے"
"وہ ہیٹ ٹرک تو تمہارا تھا"

"اور وہ ننانوے ناٹ آؤٹ؟"

"نہیں — سو ناٹ آؤٹ!" میں نے مچل کر کہا۔

"ہم تو ننانوے ناٹ آؤٹ ہی کہیں گے۔ بھلا کرکٹ میں کبھی ساتھیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بھی سکور کیا جاتا ہے۔ یہ سب علالت کی اُس سہیلی کی برکت ہے۔"

"ذرا مُسکراؤ۔" وہ مسکرانے لگی۔

"اب ذرا مُنہ بنا کر بھی دکھاؤ۔" اُس نے مُنہ بنا کر دکھایا۔ "تم مسکراتی ہوئی کہیں اچھی معلوم ہوتی ہو — تمہارے لئے بھی بہتر یہی ہوگا کہ ہر وقت مسکراتی رہا کرو۔ آج آئینے میں دیکھنا۔"

"آپ آگے دیکھئے — بالکل سیدھ میں اور سائیکل سیدھی چلائیے — کہیں ٹکر نہ ہو جائے۔"

رضیہ کو چھوڑ کر میں نے شیطان کے ہوسٹل کا رُخ کیا۔ راستے میں وہی رپورٹر مل گیا — بولا — "مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ سنچری نہ کر سکے۔ میں نے اخبار میں آپکے ننانوے ناٹ آؤٹ کی بڑی تعریف کی ہے۔"

"آپ کو یہ کس نے کہا؟"

"رؤفی صاحب نے۔"

"ابھی چھپا تو نہیں؟"

"نہیں۔"

میں نے اسے ساتھ لیا۔ راستے میں بڈّی کو پکڑا۔ شیطان کے کمرے میں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک بڑے سے پلنگ پر کچھ حضرات رضائیاں اوڑھے کھانا کھا رہے تھے۔ رضائیاں منگائی گئیں اور ہمیں بھی ساتھ بٹھا لیا گیا۔ میں بار بار شیطان کو اُس آخری رن کے متعلق کہہ رہا تھا میرا اصرار تھا

کہ اُسے ہم نے سکور کیا ہے۔

شیطان بولے "یار عجب سپورٹسمین ہو تم بھی، صرف ایک رن کے لئے اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اچھا تمہاری سنچری لکھوا دیں گے۔ بس — چلو بھئی لکھ دو ان کی سنچری"۔

رپورٹر نے ہمارے سامنے بیٹھ کر سب کچھ درست کیا۔

بڈی کی سفارش پر میری تھوڑی سی تعریف بھی شامل کی گئی۔

اب سیکنڈ شو کا پروگرام بنا۔ شیطان نے وُہ اوورکوٹ اتار دیا جس کو پہن کر سردی زیادہ لگتی تھی جو پہلے اُلٹوایا گیا تھا۔ پھر سیدھا کروایا گیا۔ سب نے رضائیاں اوڑھ لیں۔ چند حضرات ایک ایک رضائی میں دو دو ہو گئے۔ نوکر حقّہ لے کر ساتھ ہو لیا۔

ذرا سی دیر میں ہم رنگ برنگی رضائیاں اوڑھے اتنی ٹھنڈ میں ٹھنڈی سڑک پر جا رہے تھے۔ تقسیمِ انعامات کا ذکر ہو رہا تھا۔ بڈی بار بار کہتا تھا "ہوائے او ہوائے، آج میں اپنے آپ کو ہیرو محسوس کر رہا ہوں۔ میں چیمپئن ہوں، میں نے کرکٹ کا ایک کپ جیتا ہے — یاہ ہُوُوُدُوُ —!"

اور جب ہم شہر کے بہترین سینما میں رضائیاں اوڑھے پکچر دیکھ رہے تھے اور حقّے کے کش لگا رہے تھے تو ہمارے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ نہ ہمیں چیمپئن سمجھ رہے تھے، نہ ہیرو، بلکہ غالباً ایسی خواتین سمجھ رہے تھے جو حقّہ پی رہی تھیں ۔

# بلڈ پریشر

"میرا بلڈ پریشر ۔۔۔" شیطان پھر بولے

"درست ہے" مقتدیٔ گھوڑے نے پھر بات کاٹ دی۔ "بات یہ ہے رُوفی کہ آج صبح جو میں اُٹھ کر دیکھتا ہوں تو کائنات میرے لئے سنوری ہوئی تھی۔ سُورج میرے لئے ضرورت سے زیادہ چمک رہا تھا اور اپنی چمکیلی اور سُنہری شعاعیں براہِ راست میرے لئے بھیج رہا تھا۔ باغیچے میں لاتعداد پھول محض میرے لئے کھلے تھے اور پرندے صرف اس اُمید پر سُریلے گیت گا رہے تھے کہ میں سُنوں گا، پھر ناشتے پر مجھے دُنیا کی بہترین چائے ملی جو صرف میرے لئے دارجیلنگ کی خوشنما پہاڑیوں سے چُنی گئی تھی اور دُنیا کی تندرست ترین گائے نے اپنے لختِ جگر، منظورِ نظر بچھڑے کو نظرانداز کرتے ہوئے میرے لئے ایک دودھ کا گلاس بھیجا۔ لاکھوں شہد کی مکھیاں مدتوں فقط میرے لئے محنت و مشقت کرتی رہی تھیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی کاوشوں کا نتیجہ شہد کی صورت میں میری خدمت میں پیش کیا۔ جسے میں نے بڑی فراخدلی اور خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔"

ہم مقصود گھوڑے کے ہاں رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ اُس کا گھر ہمارے ہوسٹل سے سات میل تھا۔ وہاں سے رات کے دس بجے آخری بس چلتی تھی۔ ابھی ساڑھے نو تھے۔ کھانے کے بعد باتیں ہو رہی تھیں۔ قنوطیت اور رجائیت پر بحث ہو رہی تھی۔

"لیکن اس میں ایسی خاص بات کیا ہے۔ ہر شخص صبح اٹھ کر سورج کو دیکھتا ہے اور حسبِ توفیق ناشتہ کرتا ہے۔ تم تو خواہ مخواہ مسخرے بنے رہتے ہو۔ بھلا آج تمہیں کون سی خوشخبری ملی ہے جو اتنے مسرور ہو۔"

"آج تو مجھ سا خوش قسمت تمہیں آس پاس نہیں ملے گا۔ آج میں نے تیرہ ہزار مرتبہ سانس لیا ہے۔ آج میرا دل ستاون ہزار مرتبہ دھڑکا ہے۔ آج میں طرح طرح کے حادثوں سے محفوظ رہا ہوں آج میں کسی موٹر کے نیچے نہیں آیا۔ آج مجھ پر کوئی درخت نہیں آن گرا۔ آج مجھے کسی شبہ میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ آج کسی نے میری جیب نہیں کتری۔ آج کسی لفنگے نے مجھے تفریحاً پیٹا نہیں۔ آج میں کسی پر عاشق نہیں ہُوا۔"

"وہ اور بات ہے"۔ گیدی صاحب بولے ۔۔ "لیکن حساس شخص کبھی مسرور نہیں رہ سکتا میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ رجائیت پسند وہ ہے جو شیر سے ڈر کر درخت پر چڑھ جائے اور جبکہ شیر نیچے کھڑا ہو۔ وہ آس پاس کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا ہے ۔۔"

"دیکھئے۔ میں آپ کو ایک مثال دوں، اگر ہمارے سامنے پانی کا آدھا گلاس رکھا ہو، تو میں تو اس بات پر خوش ہوں گا کہ شکر ہے کہ اس میں پانی تو ہے اور آپ یہ سوچ سوچ کر غمگین ہونگے کہ یہ صرف نصف کیوں بھرا ہُوا ہے ۔۔ دراصل ہم پریشان اس لئے ہوتے ہیں کہ آتی ہوئی مصیبت کو جلد از جلد رخصت کرنے کی بجائے اُس کا استقبال کرتے ہیں اور اُسے بیٹھنے کو کرسی پیش کرتے ہیں اور پھر ہماری توقعات بے شمار ہیں اور ہم بے حد خود غرض ہیں۔ چند سال پہلے میں نے باغیچہ لگا رکھا تھا تو ہر رات کو میں کچھ اس قسم کی دعا مانگا کرتا کہ اے خدا آج رات بالکل ہوا نہ چلے، اوس اگر

پڑے تو صرف گلاب کے تختوں پر پڑے جس کونے میں خشخاش بیج ہیں۔ اُس طرف کچھ نہ ہو۔ کل گیندے کے پھولوں کو خوب دھوپ لگے۔ لیکن ذخیرے پر دھوپ قدرے ہلکی ہو۔ اس کے بعد سہ پہر کو معمولی سی بارش ہو تاکہ پھلدار پودوں کو پانی مل جائے۔ لیکن ذخیرے پر بارش نہ ہو اور ــــ"

"حضرات میرا بلڈ پریشر ــــ" شیطان بولے۔

"درست ہے رُوفی ــــ" مقصود گھوڑے نے پھر بات کاٹی ــــ "بات دراصل یہ ہے کہ ــــ"

"حضرات سنئیے" ــــ شیطان زور سے بولے ــــ "بات دراصل یہ ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کب ایک اچھا بھلا مسخرا قنوطی بن جائے گا اور کب ایک روتا پیٹتا قنوطی چھلانگیں مارنے لگے گا۔ ــــ اس لئے یہ بحث ہی فضول ہے۔ اسی قسم کا ایک قصہ میں سُنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق نہ صرف اس موضوع سے ہے بلکہ میرے بلڈ پریشر سے بھی ہے۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ میں تقریباً سال بھر سے بڑا قنوطی رہا ہوں، بالکل گیا گذرا قنوطی، اور میرا بلڈ پریشر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ میں صبح سے شام تک فکر کرتا رہتا اور شام سے صبح تک۔ اگر کوئی فکر کرنے کی بات ہوتی تب بھی فکر کرتا اور جب کوئی ایسی بات نہیں ہوتی تب اور بھی فکر کرتا کہ ایسی بات کیوں نہیں ہے۔ پچھلے اتوار کو ڈاکٹر صاحب نے میرا بلڈ پریشر لیا تھا اور وہ بہت گھبرائے تھے۔ کیونکہ بلڈ پریشر کا گراف اُونچا ہوتا جا رہا تھا۔ اس عمر میں بلڈ پریشر کا بڑھنا نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ ایک فکر تھا جس نے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی نہ مجھے دُنیا کی کسی چیز سے دلچسپی تھی نہ جینے کی کوئی تمنّا تھی میرا یہی خیال تھا کہ یہ بیزاری بڑھتی جائے گی اور میرا بلڈ پریشر بھی بڑھتا جائے گا۔ لیکن دفعتاً سب کچھ بدل گیا، حالات بدل گئے، دُنیا بدل گئی۔ کل صبح سے میری زندگی میں حیرت انگیز تبدیلیاں آگئیں، مجھے اتنی اُمیدیں اور مسرتیں مل گئیں کہ اب یہی جی چاہتا ہے کہ ناچنے لگوں، قلابازیاں کھاؤں ــــ"

"ذرا بھئی خیال رکھنا، کہیں دُم نہ نکل جائے" ــــ میں نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی دیر ہے، میں صرف چند منٹ لوں گا" — شیطان بولے — "ہاں تو ہوا یوں کہ کل صبح یونہی مسکراہٹ کی ایک لہر میرے چہرے پر دوڑ گئی۔ میں کپڑے پہننے میں ہمیشہ لاپروائی سے کام لیا کرتا تھا، پتلون کسی سوٹ کی ہوتی تو کوٹ کسی سوٹ کا، اور ٹائی کسی رنگ کی ہوتی۔ لیکن کل صبح میں نے نہایت اچھا لباس پہنا، تمام کپڑے ایک دوسرے کے مطابق تھے۔ کالج جاتے وقت میں نے ایک عجیب چیز محسوس کی۔ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے میں اس سڑک کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کئی نئی عمارتیں دیکھیں۔ بہت سی نئی دکانیں اور نئے اشتہار نظر آئے۔ کئی نئے چہرے دکھائی دیئے۔ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے ہمیشہ سائنس کی برائی کی ہے اور کئی مرتبہ یہ بھی کہا ہے کہ شاید میں سائنس پڑھنا چھوڑ دوں، کیونکہ یہ مضمون مجھے بیحد خشک اور مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کل مجھے معلوم ہوا کہ لیکچر روم میں بڑے بڑے چارٹ آویزاں ہیں، وہ بالکل آسان ہیں۔ پروفیسر صاحب نے جو کچھ بورڈ پر لکھا وہ نہ صرف آسان ہی تھا بلکہ دلچسپ بھی تھا۔ پھر میں نے اپنی ہم جماعت مس ہدہد کو غور سے دیکھا۔ سال بھر کے بعد مجھے دفعتہً معلوم ہوا کہ اُس کی شکل بالکل معمولی ہے، بلکہ بالکل ہی معمولی ہے اور صبیحہ کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ جانے مجھے اُس کا خیال کیوں رہا تھا۔ میں نے دل کھول کر اپنے اوپر لعنت بھیجی۔ آئندہ اگر کبھی مجھے اُس سے باتیں کرتے دیکھ پاؤ تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ خیر اس کے بعد پریکٹیکل ہوا جو اوزار اور آلے مجھے زہر دکھائی دیتے تھے وہ کچھ اتنے بُرے معلوم نہیں ہوئے۔ پہلے تو میں پریکٹیکل خود کرتا ہی نہیں تھا۔ کل میں نے پریکٹیکل اپنے ہاتھوں سے کیا اور مجھے سائنس اس قدر دلچسپ معلوم ہوئی کہ اب میرا ارادہ ہے کہ ایم۔ ایس سی کے بعد ریسرچ کروں۔ دوپہر کو کالج سے واپس آتے وقت میں نے دور ایک تانگہ دیکھا جس میں صبیحہ بیٹھی تھی —"

"صبیحہ بیٹھی تھی؟ — سچ مچ؟؟" کئی حضرات نے چونک کر پوچھا۔

"بھئی ذرا خیال رکھنا کہیں بس نہ نکل جائے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں سچ مچ صبیحہ تھی۔ اُس سڑک سے وہ ہر روز تانگے میں گذرتی تھی لیکن میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ جانے وہ کونسی طاقت تھی جس نے مجھے اُس کی جانب متوجہ کر دیا۔ ذرا سی دیر میں میں سائیکل پر اُس کے تانگے کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ میں نے سلام کیا جس کا جواب ملا۔ کل مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہُوا کہ صبیحہ نہایت ہی پیاری لڑکی ہے اور اس سے بہتر آنکھیں کسی کی نہیں ہوسکتیں۔ دفعۃً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں صبیحہ پر دوبارہ عاشق ہو رہا ہوں۔ ہوسٹل پہنچ کر میں نے آئینہ دیکھا کبھی میرا چہرہ ترچھا نظر آتا تھا۔ کبھی لمبوترا اور کبھی بالکل گول دائرے کی طرح۔ یہ آئینے کا نقص تھا۔ غالباً اسی سستے آئینے کی وجہ سے مجھے اس قدر احساس کمتری تھا لطف یہ کہ مجھے پہلے اس کا خیال تک نہیں آیا۔ میں فوراً بازار گیا اور ایک اچھا سا آئینہ خریدا۔ اس میں اپنا چہرہ غور سے دیکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہُوا کہ میں اتنا بُرا نہیں ہوں۔ شام کو میرا میچ تھا۔ ٹورنمنٹ کا فائنل۔ میں گھبرا رہا تھا تو صرف اس بات سے کہ اگر میچ لمبا ہوگیا اور اندھیرا ہوگیا تو میں ضرور ہار جاؤں گا۔ کیونکہ روشنی کم ہوتے ہی کھیل میں میری دلچسپی کم ہوتی جاتی تھی۔ کل شام کو میچ واقعی لمبا ہوگیا۔ آخری سٹ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ لیکن میں اُسی طرح کھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے میچ جیتا ہے تو باقاعدہ تارے نکلے ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ اندھیرے کو محسوس نہیں کیا اور ایسے مخالف کو ہرایا۔ جس نے کئی سال سے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ کھیل کے بعد میں نے صبیحہ کے گھر کا رُخ کیا۔"

"بھئی وہ ذرا الس کہیں ——" میں نے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔

"وہاں صبیحہ کے ابا ملے، اُس کی امی ملیں۔ پہلے مجھے اُن دونوں سے یہی شکایت تھی۔ کہ وہ مجھ سے بے رُخی برتتے ہیں۔ لیکن کل رات کو میں نے پہلی مرتبہ اُن کی آنکھوں میں شفقت جھلکتی دیکھی۔ وہ میری جانب بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میری نظریں انگیٹھی پر رکھی ہوئی تصویر پر

کی طرف چلی گئیں۔ جہاں کنبے کے افراد کی تصویریں رکھی تھیں۔ وہاں ایک تصویر میری بھی تھی۔ یہ تصویر مجھے پہلے کیوں نہیں دکھائی دی؟ اس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ مجھے کھانے پر ٹھہرا لیا گیا۔ دسترخوان پر صبیحہ ذرا دور بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ بُری طرح شرما رہی تھی۔ میں رات گئے لوٹا۔ کوٹھی کے دروازے پر ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اوپر صبیحہ کے کمرے میں روشنی تھی اور کوئی دریچے میں کھڑا تھا۔

اس سے پہلے بھی میں کتنی مرتبہ رات گئے ان کے ہاں سے لوٹا تھا۔ صبیحہ کے کمرے میں روشنی بھی ہوا کرتی تھی اور وہ دریچے سے مجھے دیکھا بھی کرتی لیکن کل رات پہلی مرتبہ مجھے اس کا احساس ہوا۔ جب میں واپس لوٹا تو چاند مسکرا رہا تھا۔ تارے مسکرا رہے تھے۔ دُنیا مسکرا رہی تھی۔ میرا رواں رواں مسرت سے ناچ رہا تھا۔ میرے خیال میں اتنے مختصر وقفے میں اتنی ساری خوشگوار تبدیلیاں کسی کی زندگی میں نہیں آئی ہوں گی۔ پرسوں میں ایک چڑچڑا اور بیزار لڑکا تھا۔ جس کی زندگی کا مقصد خودکشی تھا۔ جس کے بلڈ پریشر کا گراف دن بدن اونچا ہوتا رہا تھا اور کل قسمت کچھ ایسی مہربان ہوئی کہ سب کچھ بدل گیا۔ میرے چاروں طرف جو دھند سی چھائی رہتی تھی۔ وہ یکلخت دُور ہوگئی۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دینے لگیں جن سے میں پہلے آشنا نہیں تھا۔ یہی کائنات جو بیحد دھندلی، بے معنی، اور دُور دُور معلوم ہوتی تھی دفعتہً اپنی تمام رنگینیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ بالکل قریب آگئی ــــ"

"اور تمہارا بلڈ پریشر ــــ؟"

"ہاں! میرا بلڈ پریشر ــــ آج صبح میں ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا، انہوں نے میرا معائنہ کیا اور حیران رہ گئے۔ میرا بلڈ پریشر اس قدر گر چکا تھا کہ نارمل سے بھی نیچے تھا۔"

"کمال ہے"

"حد ہوگئی"

"لیکن رُوفی یار بلاوجہ تو یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا ــــ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہوگا ــــ"

"نہیں کوئی خاص بات تو نہیں ہُوئی"۔ شیطان بولے

"پھر بھی — شاید کچھ ہُوا ہو — پرسوں بالکل"۔

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہُوئی — فقط میں نے ذرا —"

"ہاں ہاں — فقط کیا؟" ہم سب نے پُوچھا

"فقط میں نے اپنی عینک کے شیشے بدلوائے تھے"۔ اُنہوں نے اپنی عینک اُتار کر کہا۔ "پچھلے ہفتے میں نے دوبارہ اپنی بینائی کا معائنہ کرایا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے نئے شیشے تجویز کئے تھے — یہ نئی عینک میں نے کل صبح سے لگائی شروع کی ہے —"

ہم سب لاحول پڑھتے ہُوئے اُٹھے اور بڑی پھُرتی سے سڑک پر پہنچے۔

آخری بس نکل چکی تھی — !

جب ہم سات میل لمبی سڑک پر پیدل ہوسٹل کی طرف آ رہے تھے تو ہمارے بلڈ پریشر کا گراف ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی اُونچا پہنچ چکا تھا۔

یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب میں ہر شام کلب جایا کرتا تھا۔

شام کو بلیرڈ رُوم کا افتتاح ہو رہا ہے۔ چند شوقین انگریز ممبروں نے خاص طور پر چندہ اکٹھا کیا ہے۔ ایک نہایت قیمتی بلیرڈ میز منگائی گئی ہے۔ کلب کے سب سے معزز اور پرانے ممبر رسمِ افتتاح ادا کر رہے ہیں۔

پہلے ایک مختصر سی تقریر ہوئی۔ پھر میز پر گیند رکھ دی گئی اور اُن بزرگوار کے ہاتھ میں کیُو دیا گیا کہ گیند سے چھُو دیں۔ اُنہوں نے اپنے طرّے کو چند مرتبہ لہرایا۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔ چند قدم پیچھے ہٹے۔ پھر دفعتہً ایسے جوش و خروش کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ میز ہلا دی۔ سب نے دیکھا کہ میز کا سبز قیمتی کپڑا نصف سے زیادہ پھٹ چکا ہے اور کیُو اندر دھنس گیا ہے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ایک بچہ بولا — "ابا جان، آپ خاموش کیوں ہیں — آپ افتتاح ہی چاہتے تھے — یہ افتتاح ہی تو ہوا ہے — بلیرڈ کی میز کا —"

ایک جگہ غدر مچا ہوا ہے، بچے چیخ رہے ہیں، بچے چلا رہے ہیں۔ بالکل نزدیک چند معتبر حضرات اس سنجیدگی سے اخبار پڑھ رہے ہیں جیسے کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ ایک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ایک بچہ باجے پر ریکارڈ رکھتا ہے، ریکارڈ بجایا نہیں جاتا، صرف گھمایا جاتا ہے۔ ایک اور بچہ باجے کے گرد بھاگ کر گھومتے ہوئے ریکارڈ کے الفاظ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے ۔۔۔ سب بچے تالیاں بجاتے ہیں۔

ایک بچہ اپنے کوٹ کے کالر میں گوبھی کا چھوٹا سا پھول لگا کر آیا ہے۔ چند بچوں نے کلب کے سارے کیلنڈر الٹ پلٹ کر دینا، غلط تاریخیں لگا دینا، اور کلاکوں کا وقت غلط کر دینا اپنا فرض تصور کر رکھا ہے۔ ایک بچہ ایک تنہا کمرے میں بیٹھا بڑی سنجیدگی سے گا رہا ہے ۔۔۔ "شباب آیا کسی بت پر فدا ہونے کا وقت آیا۔۔۔"

ایک بچہ باہر دروازے کے پاس خوانچے والے سے محو گفتگو ہے۔

"تمہارے پاس سنگترے ہیں؟"

"نہیں سنگترے تو نہیں سیب ہیں۔"

"کھیرے ہیں ۔۔۔؟"

"نہیں۔ مگر سنگترے ہیں ۔۔۔"

"اور ککڑیاں ۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔"

"تو تمہارے پاس پھل بالکل نہیں ۔۔۔ ادھر مجھے پھل کھانے کی اس قدر عادت پڑ چکی ہے کہ ان کے بغیر چین نہیں آتا!"

چند بچے بیٹھے بڑوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ایک بچہ کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر انہیں کوئی لطیفہ سناؤ تو سن چکنے کے بعد پوچھتے ہیں کہ پھر کیا ہوا؟

دوسرا بچہ کہہ رہا ہے کہ چند سال پہلے اس کے ابا سے ایک آنہ دے کر فرمایا کرتے تھے کہ

جاؤ بیٹا عیش کرو!

"اب بتائیے ایک آنے میں کیا ہو سکتا ہے؟"

ایک بچے کو دکاندار نے ایک روپے کی ریزگاری دیتے وقت سترہ آنے دے دیئے ہیں اور اسے یقین ہے کہ اس میں بھی اُس نے کچھ بچا لیا ہوگا۔ آخر کو دکاندار تھا۔

ایک کمرے میں کچھ حضرات اور اُن کے لختِ جگر اور نورِ چشم بیٹھے ہیں۔ ایک حضرت اپنی کھینچی ہوئی تصویریں دکھا رہے ہیں۔ اُن کے بچے نے اچھل کر ایک تصویر چھین لی ہے — "ابا جان یہ آدمی ماموں جان سے کتنا ملتا ہے"۔

"بالکل نہیں ملتا"

"کتنا تو ملتا ہے — فقط اس کے کان ذرا لمبے ہیں اور ناک ذرا چھوٹی ہے — بس"

"بیٹے — نہیں ملتا —"

"نہیں ابا جان — آپ غور سے دیکھئے — بس اس کے ہونٹ ذرا موٹے ہیں، آنکھیں ذرا بھینگی ہیں اور ماتھا ذرا چھوٹا ہے — باقی تو ہو بہو ماموں جان سے ملتا ہے — اور یہ آدمی کرسی پہ کیوں نہیں بیٹھا — پیدل کیوں کھڑا ہے —؟"

ایک تصویر ہل گئی ہے — وہ صاحب فرما رہے ہیں کہ اُن کا کیمرہ ہرگز نہیں ہلا۔

"آپ کا کیمرہ نہیں ہلا تو بیک گراؤنڈ ہل گیا ہوگا — یا یہ عمارت ہل گئی ہوگی"

"عمارت کس طرح ہل سکتی ہے؟"

"ابا جان —!"

"ہاں بیٹا —"

"آپکے ماتھے پر جو یہ جھریاں ہیں ان پر استری نہیں ہو سکتی کیا؟"

دوسرے بزرگ مصنفوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ او ہنری کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایک برخوردار پوچھتے ہیں

"ابا جان — یہ او ہنری کچھ یوں معلوم نہیں ہوتا جیسے اے او ہنری —"

ایک حضرت نے ایک بڑا سا سگریٹ لائٹر نکالا۔

ایک صاحبزادے چلائے — "ابا جان اتنا بڑا سگریٹ لائٹر آپ نے کبھی دیکھا — ضرور یہ حقے کے لیئے ہوگا؟"

"اور یہ دونوں شادہ شدہ معلوم ہوتے ہیں — شاید میاں بیوی ہیں"۔ ایک بچے نے ایک تصویر ہاتھ میں لے کر کہا۔

"ہاں — یہ خرید و فروخت کرنے جا رہے تھے کہ میں نے تصویر اتار لی"۔

"ابا جان لوگ خرید و فروخت کرتے وقت اپنے گھر سے چیزیں لے جا کر بازار میں فروخت کرتے ہوں گے؟"

بیرے نے آکر ایک صاحب سے پوچھا "آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"ہاں ! — مگر انگریزی کھانا نہیں کھاؤں گا"

"اردو کھانا کھاؤں گا"۔ ایک بچے نے لقمہ دیا۔

"کیسے بھلے دو بیرے ہیں"

"ابا جان یہ دو آدمی بھی تو ہوتے ہوں گے جو نہایت اچھے ہونگے؟"

ایک گوشے میں چند بچے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہو رہا ہے۔

"پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کا نکل گیا؟" ایک نے پوچھا۔

"پھر کس"۔

"اور علاؤالدین خلجی کے زمانے میں کیا چیز عام تھی؟"

"طوائف الملوکی!"

"اکبر نے رشوت کا کیا کر دیا؟"

"قلع قمع ۔"

"بڑے ذہین لڑکے ہیں"۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔" کیوں میاں صاحبزادے امتحان میں کتنے نمبر لو گے؟"

"جی میں یونیورسٹی میں سیکنڈ آؤں گا۔"

"سیکنڈ کیوں؟ فرسٹ کیوں نہیں؟"

"جی فرسٹ ایک اور لڑکا آئے گا جو میرا ہم جماعت ہے۔"

ایک بزرگ رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ اُن کے صاحبزادے حساب پڑھتے پڑھتے پوچھتے ہیں — ابا جان! آپ اللہ میاں اللہ میاں اتنی مرتبہ کیوں دُہراتے ہیں۔ یوں کیوں نہیں کرتے کہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہدیں۔

اللہ میاں ضرب ایک لاکھ — اُنہوں نے سلیٹ پر لکھ کر بھی دکھایا — (اللہ میاں × ۱۰۰۰۰۰) — بس اس کے بعد آرام سے سو جایا کریں۔"

اور بزرگ اپنے نورِ چشموں، راحت جانوں کی باتیں سُن سُن کر فخر سے پھولے نہیں سماتے۔

"ابا جان بادلوں کی بجلی اور پنکھے کی بجلی میں کیا فرق ہے؟"

"میں نے سائنس نہیں پڑھی تھی۔"

"ابا جان خط استوا تو کافی بڑی ساری چیز ہو گی — دُور سے نظر آتی ہو گی؟"

"پتہ نہیں۔"

"اباجان اسکیمو تو خوب آئس کریم بنا بنا کر کھاتے ہوں گے؟"

"پتہ نہیں ـــــ مجھے جغرافیہ پڑھے دیر ہو گئی ہے۔"

"اباجان توپ کس طرح چلاتے ہیں؟"

"پتہ نہیں ـــــ"

"اباجان ـــــ اگر ـــــ"

"ہاں ہاں ـــــ بیٹا ـــــ"

"اچھا ـــــ جانے دیجئے۔"

"جانے کیوں دیجئے ـــــ (چلّا کر) تم سوال پوچھنے سے کیوں ہچکچاتے ہو؟ اگر سوال نہیں پوچھوگے تو سیکھوگے خاک ـــــ تمہارے علم میں کیونکر اضافہ ہوگا؟"

چند بچے سوئیوں اور میخوں سے مسلح ہو کر چپکے چپکے موٹروں کی طرف جارہے ہیں۔ میں بے تحاشہ بھاگتا ہوں ـــــ اپنی سائیکل بچانے، جسے میں نے صبح صبح پنکچر لگوایا تھا۔

آج رات خاص تقریب ہے۔ ایک بہت بڑے عامل اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والے ہیں

"میں اپنے دل کی حرکت بند کر دوں گا ـــــ یہ عطیہ مجھے تبت کی پہاڑیوں میں ایک بزرگ سے ملا تھا۔ ایسے بزرگ سے جن کی عمر چھ سو برس تھی۔ جن کی میں نے بیس سال خدمت کی تھی۔"

وہ ہال کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر چھت پر نظریں گاڑ دیتے ہیں ـــــ اور مُبت بن جاتے ہیں ـــــ کمرے میں مکمل خاموشی ہے، وہ زیر لب بڑبڑانے لگتے ہیں ـــــ پھر اُن کے دیدے مٹکنے لگتے ہیں ـــــ الفاظ اونچے ہوجاتے ہیں ـــــ وہ ایک بالکل عجیب غریب عبارت پڑھ رہے ہیں ـــــ

"چیں پٹاخ ڈھم نفٹیل الذی ــــ بھوں لطافت جھک ــــ دکالے ٹل ٹل" ــــ دیکھتے دیکھتے وہ سکتے میں آجاتے ہیں، دھڑام سے غش کھا کر گرتے ہیں ــــ اُٹھ کر ایک صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں اور دونوں ہاتھ پھیلا کر مری ہوئی آواز میں کہتے ہیں ــــ "خواتین و حضرات، میرے قلب کی حرکت تھم گئی ہے ــــ آپ میری نبضیں دیکھ سکتے ہیں ـ ـ"

سب نے اُن کی نبضیں ٹٹولیں ــــ بالکل ساکن تھیں۔

کلب کے سکرٹری جو ایڈیشنل جج تھے ہیڈ بیرے پر خفا ہو رہے تھے کہ ٹینس کے میدان کی گھاس کیوں نہیں کاٹی گئی ــــ

رولر کیوں نہیں پھیرا گیا ــــ اتنے آدمی کیوں رکھے ہوئے ہیں ــــ دو بیل کیوں رکھے ہیں ــــ رولر کے لئے ایک بیل کافی ہے ــــ دوسرا کیا کرتا ہے؟

"دوسرا ایڈیشنل بیل ہے" ــــ جواب ملا۔

بیرہ تنخواہ میں اضافہ چاہتا ہے ــــ "اس وقت جبکہ دُنیا کے ہر گوشے میں بیداری پھیل رہی ہے اور مزدور طبقے کو سب آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں۔ اتنی تھوڑی تنخواہ بالکل مضحکہ انگیز معلوم ہوتی ہے میری تنخواہ زیادہ ہونی چاہیئے ــــ ورنہ ــــ"

"اچھا دیکھیں گے ــــ صدر صاحب سے کہیں گے ــــ"

"آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں میری تنخواہ بڑھنی چاہیئے ــــ ورنہ ــــ"

"کچھ دیر انتظار کرو ــــ"

"ہرگز نہیں ــــ میری تنخواہ بڑھنی چاہیئے ــــ ورنہ ــــ"

"ورنہ ــــ ورنہ کیا کرو گے؟"

"ورنہ ــــ (سر کھجاتے ہوئے) ــــ ورنہ اسی تنخواہ پر کام کروں گا ــــ اور کیا"

وہ دیر تک بڑبڑاتا رہا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اپنا دکھڑا رونا شروع کر دیا کہ صدر ایسے ہیں سکرٹری ایسے ہیں۔ ممبر ایسے ہیں۔ ایسے ایسے مہمانوں کو ساتھ لاتے ہیں۔" اب آج جو یہ جادوگر صاحب تشریف لائے ہیں۔ اپنی طرف سے بڑا کمال دکھا رہے ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ ان کی بغلوں میں دو ٹینس کی گیندیں دبی ہوتی ہیں۔ جب کندھے دباتے ہیں تو بازوؤں میں خون جانا بند ہو جاتا ہے اور نبضیں بند ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کون نہیں کر سکتا۔؟"

ساتھ کے کمرے میں چیزیں پکائی جا رہی ہیں اور بیرے ممبروں پر تبصرہ کر رہے ہیں۔ میں بھی ممبر ہوں لہٰذا میں یہ سب سننا نہیں چاہتا۔

"ذرا میری برساتی تو اٹھا لانا" میں اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہتا ہوں۔

"کس رنگ کی ہے؟"

"سبز رنگ کی۔"

"سبز رنگ کی؟ (کچھ دیر سوچ کر) اوہ آپ کا مطلب ہے گرین برساتی۔ اچھا لاتا ہوں۔"

چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ میں کلب کے باغ میں ٹہل رہا ہوں۔ ایک خوشنما کنج سے کچھ آوازیں آ رہی ہیں۔ میں دبے پاؤں جا کر دیکھتا ہوں۔ بنچ پر ایک لڑکی بیٹھی ہے ——— سامنے ایک گھٹنا گھاس پر ٹیکے ایک لڑکا ہے ——— اس کا ایک ہاتھ اپنے دل پر ہے اور دوسرا ہوا میں لہرا رہا ہے۔ نہایت رومان انگیز فضا ہے۔

"میں شادی کا وعدہ تو نہیں کرتی۔ صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ آپ سیمی فائنلز میں آگئے ہیں۔"

"اپنے پرانے رفیق سے ایسی بے رخی۔؟"

"پرانے رفیق ——— چہ خوب ——— پرانے رفیق کیا آپ میرے نئے رفیق بھی نہیں ہیں۔"

"لیکن تمہیں مجھ سے محبت تو ہے ـــ"

"یہ آپ کو کس نے بتایا؟ ـــ محبت تو رہی ایک طرف، مجھے آپ سے باقاعدہ نفرت بھی نہیں ہے۔"

"میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ جب میں تمہارے انار کے دانوں جیسے دانت، چیری جیسے ہونٹ سیب جیسے گال ـــ"

"یہ کسی لڑکی کا ذکر ہو رہا ہے یا فروٹ سلاد کا ـــ"

"کیا بتاؤں؟ ـــ بس سمجھ لو کہ مجھے اظہارِ محبت کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔"

"تو کیا میں ڈکشنری ہوں؟"

"آج میں تمہارا فیصلہ سُن کر ہی جاؤں گا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ میرا فیصلہ آپ کے نظامِ عصابی کے لیے مضر ثابت ہوگا ـــ لو سُن لو ـــ ہماری راہیں بالکل الگ الگ ہیں۔"

"بیشک ہماری راہیں الگ الگ ہیں ـــ تم اپنی راہ پر جاؤ اور میں ـــ میں تمہاری راہ پر جاؤں۔ تم نہیں سمجھتیں کہ تم میری بیکار زندگی میں کتنی خوشگوار تبدیلیاں لے آئی ہو ـــ پہلے میری زندگی کے اُفق پر سیاہ بادل چھائے رہتے تھے۔ بجلیاں کڑکتی تھیں، آندھیاں چلتی تھیں، طوفان آتے تھے ـــ تمہارے آنے پر گھٹائیں چھٹ گئیں، فضا نکھر گئی، سورج نکل آیا۔ ہوا کے لطیف خنک جھونکے چلنے لگے ـــ"

"یہ اظہارِ محبت ہے یا موسم کی رپورٹ ـــ آخر میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی ـــ"

"اچھا ـــ کیا تم چند وجوہات بتا سکتی ہو کہ تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ مجھے پسند نہیں ہیں — دوسری وجہ یہ کہ آپ مجھے پسند نہیں — تیسری وجہ یہ کہ آپ مجھے پسند نہیں ۔"

"اور جو یہ میں اتنے عرصے سے تمہاری نازبرداریاں کرتا رہا ہوں — اتنے دنوں سے تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا رہا ہوں — یہ —"

"اس کے لئے آپ کیا چاہتے ہیں ؟ — پنشن — ؟"

"کیا تمہیں سچ مچ میرا خیال نہیں — کیا تمہیں میں کبھی یاد نہیں آتا ؟"

"صرف ایک دن یاد آئے تھے ۔"

"کس دن ؟"

"اُس دن میں چڑیا گھر گئی ہوئی تھی ۔"

جب وہ واپس جا رہے تھے تو لڑکی کہہ رہی تھی "آپ تو سچ مچ ناراض ہو گئے ۔ میں تو مذاق کر رہی تھی" — اور لڑکا کہہ رہا تھا — "تم جیسی لڑکی سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ انسان کسی مگرمچھ سے شادی کر لے ۔"

نوجوانوں کے جھرمٹ میں انہی حضرت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی ۔

"یہ اس قدر بھُس طبیعت ہے کہ جب صرف میرے متعلق باتیں کر رہا ہو ۔ تب بھی مجھے اُکتا دیتا ہے ۔"

"اور خود پسند اتنا ہے کہ جب اُس کا ایکس رے لیا گیا تو اس نے جلدی سے بال درست کئے اور مُسکرانے لگا ، بعد میں اصرار کیا کہ ایکس رے کو ری ٹچ بھی کیا جائے — اے لو وہ آ رہا ہے ۔"

"آؤ بھئی — تمہاری ہی باتیں ہو رہی تھیں — ہم سب تمہاری تعریفیں کر رہے تھے —

" لاؤ تمہاری ہتھیلی دیکھیں ۔۔۔ ارے !

"یہ لکیریں تو کہتی ہیں کہ تم محبت میں کامیاب رہو گے۔"

"کون سی محبت میں؟ ۔۔۔ کوئی ایک محبت ہو تو بات بھی ہے ۔۔"

" مبارکباد قبول ہو ۔"

" کس بات کی؟"

" تمہاری شادی ہو رہی ہے ۔"

"نہیں میری شادی نہیں ہو رہی ۔"

" تو پھر تو اور بھی مبارکباد ۔"

" دراصل میری مالی حالت اجازت نہیں دیتی کہ میں شادی کے متعلق سوچوں بھی جب مستقل آمدنی کی صورت پیدا ہو گئی۔ تب سوچیں گے ۔"

" تم ضرورت سے زیادہ محتاط ہو ۔۔۔ میرے خیال میں تم پنشن ملنے کے بعد شادی کرنا۔"

" شادی ایک لفظ نہیں فقرہ ہے ۔"

" جانتے ہو محبت کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے؟"

" کیا ہوتا ہے ۔؟"

" اُن کی شادی ہو جاتی ہے ۔"

" شادی کے لئے تو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے ۔"

" شادی کے لئے صرف دو کی ضرورت ہے ۔۔۔ ایک نوعمر لڑکی ۔۔۔ اور ایک بے صبر ماں ۔۔"

" لیکن کورٹ شپ کس قدر پُر لطف وقفہ ہوتا ہے ۔"

" کورٹ شپ وُہ وقفہ ہے جب لڑکا لڑکی کا تعاقب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وُہ اُسے پکڑ لیتی ہے۔"

"پہلی وجہ یہ ہے کہ آ۔ لڑکیوں نہیں کہتے جس سے ابھی ابھی مل کر آئے ہو — کیا بنا؟
[illegible] وجہ [illegible] محبوب —"

شاید یہ پہلی نگاہ کی محبت ہے —"

"ہاں تھی تو پہلی نگاہ کی محبت — لیکن بعد میں میں نے دوسری نگاہ بھی ڈال لی تھی"

"ویسے وُہ لڑکی ہے خوب —"

"ہاں ہو بہو اپنے والد کا فوٹوگراف ہے اور اپنی والدہ کا فوٹوگراف —"

"کئی سال سے اپنی عمر اٹھارہ سال بتا رہی ہے —"

"جانتے ہو عورت کی عمر کے چھ حصے ہوتے ہیں — بچی — لڑکی — نوعمر خاتون —
پھر نوعمر خاتون — پھر نوعمر خاتون — پھر نوعمر خاتون —"

لڑکیوں کے جھرمٹ میں اُس لڑکی کی تعریفیں ہو رہی تھیں کہ چھچھوری ہے، بد دماغ ہے،
چغلیاں کرتی رہتی ہے۔

"لیکن ہر پارٹی میں اُسے بلایا جاتا ہے اور ہر جگہ اُس کی تعریفیں ہوتی ہیں"۔

"وُہ اس لئے کہ اُس کی آواز اتنی تیز ہے کہ جب وُہ بول رہی ہو تو کسی اور کی بات سنائی
نہیں دیتی۔ یہاں تک کہ اُس کے سامنے ریڈیو کی آواز بھی دب جاتی ہے — وُہ آ گئی —"

"آؤ بہن — سُنا ہے تمہاری منگنی ہونے والی ہے"۔

"جی نہیں — میری منگنی نہیں ہو رہی — لیکن اس افواہ کا شکریہ"۔

"لاؤ تمہاری ہتھیلی دیکھیں — تمہاری قسمت میں دس مرتبہ فلرٹ کرنا لکھا ہے (باچھیں کھل گئیں) — چار مرتبہ تمہیں محبت ہو گی — (مسکراہٹ کم ہو گئی) — اور صرف ایک شادی ہو گی"۔ (چہرہ اُتر گیا) —"

"اوہ —"

"کیوں —؟"

"نہیں کچھ نہیں —"

"کیا تم کبھی اپنے خوابوں کے شہزادے سے بھی ملیں۔ دُنیا کے اُس منفرد شخص سے جس سے مل کر تمہیں یہ محسوس ہوا ہو کہ تم اور وہ محض ایک دوسرے کے لئے پیدا ہوتے ہیں —"

"ہاں — کئی مرتبہ —"

کلب میں تقریریں ہوں گی — میں کچھ دیر سے پہنچتا ہوں — بڑی رونق ہے — تالیاں بج رہی ہیں۔ ایک صاحب نے ابھی ابھی تقریر ختم کی ہے۔

ایک صاحب ہاتھ میں شراب کا گلاس لے کر اُٹھتے ہیں اور سٹیج پر جا کھڑے ہوتے ہیں —

"خواتین وحضرات ــــ معاف کیجئے ــــ خواتین وممبرانِ کلب ــــ اوہ ــــ میرا مطلب ہے کہ ممبرانِ کلب ــــ اور ممبرانِ کلب ــــ میں کسی خاص موضوع پر تقریر نہیں کروں گا، نہ میں نے اپنا نام دیا تھا نہ کوئی تقریر تیار کی ہے۔ لیکن میں تقریر کرنا چاہتا ہوں ــــ اگر اس وقت میں نے تقریر نہ کی تو عمر بھر نہ کر سکوں گا ــــ لیجئے میری تقریر شروع ہوتی ہے ــــ ممبرانِ کلب بات یہ ہے کہ آج کا دن نہایت حسین تھا، چمکیلا تھا اور مسرور تھا۔ خدا نے چاہا تو کل کا دن بھی نہایت حسین ہوگا چمکیلا ہوگا اور مسرور ہوگا۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ کل کا دن بھی حسین تھا۔ چمکیلا تھا اور مسرور تھا۔ تو ممبرانِ کلب مجھے یقینِ کامل ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا اور زندگیوں نے وفا کی تو پرسوں کا دن بھی نہایت حسین ہوگا چمکیلا ہوگا اور مسرور ہوگا، اور کوئی وجہ نہیں کہ اس سے اگلا دن بھی . . . "

صاحبِ صدر نے اُٹھ کر ان کے کان میں کچھ کہا اور وہ گلاس ہاتھ میں لئے سٹیج سے اُتر آئے بہت سی خواتین آ گئیں اور ہمیں اگلی کرسیاں خالی کرنی پڑیں۔ مجھے آخری قطار میں جگہ ملی ــــ لوگ باتیں کر رہے تھے اور سٹیج وہاں سے کافی دُور تھی ــــ تقریر صاف سُنائی نہ دیتی تھی ایک خاتون تقریر فرما رہی تھیں ــــ تقریر کچھ یوں سُنائی دے رہی تھی۔

"آج کا دن کتنا مبارک ہے کہ میاؤں ــــ سب خواتین میاؤں میاؤں ــــ عظیم الشان اجتماع ــــ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے ــــ بڑا مسرت کا مقام ہے ــــ وُہ دن گئے کہ خواتین میاؤں ــــ مرد میاؤں ــــ اور دونوں میاؤں میاؤں میاؤں ــــ میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی ــــ صاف صاف سُنائے دیتی ہوں ــــ عورت کا درجہ میاؤں ــــ عورت کا رتبہ میاؤں ــــ اور اگر خدانخواستہ میاؤں میاؤں ــــ تو پھر نہ صرف میاؤں ــــ بلکہ میاؤں میاؤں میاؤں ــــ (تالیاں) وُہ دن دُور نہیں ہے ــــ نسوانی وقار ــــ نسوانی دُنیا ــــ نسوانی میاؤں ــــ اور اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد میاؤں میاؤں ــــ (تالیاں) مگر مجھے ڈر ہے کہ مردوں کی بے جا ضد ــــ ہٹ دھرمی

— اکھڑپن — اور میاؤں میاؤں — مگر ہمیں کوئی پروا نہیں ہے — (تالیاں) — ماشاءاللہ میاؤں میاؤں — انشاءاللہ میاؤں میاؤں — سبحان اللہ میاؤں — جزاک اللہ میاؤں — اب پانی سر سے گذر چکا ہے — میں التجا کرتی ہوں کہ سب ہندوستانی میاؤں میاؤں متحد ہو کر — ہمخیال ہو کر — میاؤں میاؤں — ہم ثابت کر دیں گی — پیاری بہنو — میاؤں میاؤں — (تالیاں) —

— لوگ باتیں کر رہے ہیں — بہرے آ رہے ہیں۔ بہرے جا رہے ہیں — بچے شور مچا رہے ہیں۔ اب ایک ایک حضرت تقریر فرما رہے ہیں۔ بڑی خونخوار مونچھوں اور بھاری پاٹ دار آواز کے مالک — وہ کچھ یوں تقریر کر رہے ہیں —

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ بھوں بھوں — ضد سے کام نہیں چلے گا — باہمی دوستی، باہمی تبادلہ بھوں بھوں — ایک دوسرے کی بھوں بھوں — آپس میں مل کر بھوں بھوں بھوں — (تالیاں) — ہم سب شرائط ماننے کو تیار ہیں — ہمیں موقعہ ملنا چاہئے ..... مرد اتنے ہٹ دھرم ہرگز نہیں ہیں — میری مانئے تو بھوں بھوں — (تالیاں) — دیکھئے نا کتنے سال گذر چکے ہیں۔ — میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ عورت بھوں بھوں — اور مرد بھوں بھوں بھوں — ہرجائی پن — تتلیاں — فیشن — اور بھوں بھوں — (تالیاں) یہ لاینحل بھوں بھوں — عورتیں ابھی تک اپنی حفاظت — مردوں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے — ہم منتظر ہیں کہ عورتیں کب بھوں بھوں — (تالیاں) — جب وہ وقت آیا تو سب سے پہلے میں بھوں بھوں — تالیاں) — اس کے بعد سارے مرد بھوں بھوں — (تالیاں) — یہ مساوات کا مسئلہ بہت پرانا ہے — کوئی آج کی بات نہیں — حالانکہ بھوں — لیکن بھوں — مگر بھوں — خیر بھوں — تو پھر بھوں بھوں بھوں بھوں" — (تالیاں)

ایک کمرے میں دو پختہ عمر کے معزز حضرات بیٹھے ہیں۔

"فلاں صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ میرے خیال میں تو وہ بیحد وسیع القلب، اور وسیع الدماغ اور وسیع الخیالات انسان ہیں"۔

"درست ہے، بے حد نیک اور با مروت شخص ہیں، ایسے راست گو اور نیک خصلت انسان اتفاق سے ملتے ہیں"۔

"اور پھر اُن کے چہرے کی نورانی مسکراہٹ کیسی ہے جیسے ولی اللہ ہوں"۔

"اُس روز آپکے ہاں اتفاق سے ملاقات ہو گئی ۔۔۔ شاید وہ آپ کے عزیز دوستوں میں سے ہیں"۔

"جی نہیں ۔۔۔ ہم دوست تو نہیں ہیں، بس واقف ہیں، عجیب تماشہ ہے ۔۔۔ میں اُن کو آپ کا عزیز سمجھتا رہا ہوں، اُس دن اکٹھے دیکھا تھا"۔

"نہیں ۔۔۔ وہ میرے عزیز نہیں ہیں ۔۔۔ اُس روز یونہی اتفاق سے مل گئے تھے"۔

"اچھا ۔۔۔ تو وہ آپکے عزیز نہیں ہیں"۔

"اُن کے متعلق کچھ افواہیں سننے میں آتی رہتی ہیں ۔۔۔ خدا جانے جھوٹ ہیں یا سچ ۔۔۔"

"میں نے بھی بہت سی باتیں سُنی ہیں ۔۔۔"

"اتنے سارے آدمی جھوٹ تو کیا بولتے ہونگے، کچھ صداقت تو ہو گی ان افواہوں میں"۔

"میرے خیال میں تو یہ افواہیں درست ہیں"۔

"اگر سچ پوچھئے تو یہ نہایت ہی نامعقول شخص ہے، جھوٹا فریبی اور مکار ۔۔۔"

"بالکل بجا فرماتے ہیں آپ ۔۔۔ اور ساتھ ہی اوّل درجے کا رشوت خور اور چغلخور ہے ۔۔۔"

"میرے خیال میں اس قدر بیہودہ اور شرارتی انسان کلب بھر میں نہیں ہوگا ۔۔۔"

"واقعی بے حد مردود اور خبیث شخص ہے۔"

چند حضرات بیٹھے دوسرے ممالک کی باتیں کر رہے ہیں — یہ کافی سیاحت کر چکے ہیں۔ میں دوسرے ممالک کے متعلق بہت سی باتیں جاننا چاہتا ہوں۔

"مشرقِ وسطیٰ کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟"

"وہاں پھل بہت سستے ہیں۔ خصوصاً کھجوریں تو بہت سستی اور مزے دار ہیں۔"

"سُنا ہے وہ بے حد پُراسرار اور رومان انگیز جگہ ہے۔ پُرانے شہروں میں اب تک الف لیلہ کا سا ماحول ہے —"

"وہاں سردے بہت اچھے ہوتے ہیں اور انگور تو نہایت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ سستے اور لذیذ۔ دو آنے دیکر پیڑ الو کرالے لو۔"

"اور مصر کیسا ملک ہے؟ فرعونوں کے مقبرے، اہرام، ابوالہول — ان کے متعلق بتائیے —"

"ان تاریخی مقامات پر خوانچے والے بہت پھرتے ہیں اور مسافروں کو خوب لوٹتے ہیں۔ ہر چیز کی چوگنی قیمت وصول کرتے ہیں — اُدھر اونٹ والے ہر مسافر سے یہی کہتے ہیں کہ قاہرہ چلئے۔ یہاں سے دس میل ہے۔ لیکن آپ سے خاص رعایت ہے — آپکے لئے صرف پانچ میل —"

"اور شام و فلسطین — سُنا ہے کہ وہاں جاکر انجیل کے سارے واقعات آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں —"

"وہاں کاشتکاری بالکل نئے طریقوں سے کی جاتی ہے — چاروں طرف مشینیں ہی مشینیں نظر آتی ہیں۔ مشینوں کو بھی مشینیں چلاتی ہیں۔"

"ٹرکی میں آپنے کیا دیکھا —؟"

"وہاں کھانے پینے کا انتظام بہت اچھا ہے۔ دُنیا کے بہترین ہوٹل ٹرکی میں ہیں ——"

"اور ایران تو بہت ہی خوشنما جگہ ہوگی —— سعدی اور حافظ کا وطن —— موسیقی —— پھول —— رنگینیاں ——"

"وہاں بادام اور کشمش نہایت اعلےٰ درجہ کے ملتے ہیں اور اس قدر ارزاں کہ یقین نہیں آتا"

"اور مراقش ——"

"اگر کسی کو کباب کھانے ہوں تو سیدھا مراقش چلا جائے۔ شامی کباب —— سیخ کباب ——"

کچھ دیر کے بعد کمرے میں ہم صرف تین رہ جاتے ہیں —— سیاح صاحب —— میں —— اور ایک اور حضرت، جو سیاح صاحب پر ناک بھوں چڑھاتے رہے ہیں۔ آخر وہ بھی اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

آدھ گھنٹے کے بعد پردے کی دوسری جانب سے وہی حضرت میرا نام پکار کر پوچھتے ہیں —— "وہ خبیث سیاح چلا گیا یا نہیں ——؟"

میں گھبرا جاتا ہوں اور جلدی سے جواب دیتا ہوں —— "جی ہاں وہ خبیث سیاح تو کب کا چلا گیا —— اس وقت تو یہاں (سیاح کا نام لے کر) فلاں صاحب بیٹھے ہیں۔"

دوسرے کمرے میں سائنس کے پروفیسر ایک بزرگ سے کہہ رہے ہیں "—— گائے کا دودھ ایک دم سوکھ گیا ہے، شاید کسی کی نظر لگ گئی اور میرا لڑکا امتحان میں لگاتار فیل ہو رہا ہے —— ان دونوں کیلئے تعویذ درکار ہیں —— آپ پیر صاحب قبلہ سے تعویذ بنوا دیں گے نا؟"

"ضرور ——"

"تو پھر بھول نہ جائیے —— دونوں تعویذ جلد بھجوا دیجئے —— گائے کا تعویذ —— اور میرے لڑکے کا تعویذ ——"

"بہت اچھا"

ایک صاحب جوشن پیتے ہیں اور غالباً نشے میں ہیں نزدیک آکر تاکید کرتے ہیں — اور دیکھئے اس بات کا خیال ضرور رکھئے کہ تعویذ بدل نہ جائیں — کہیں گئے امتحان میں پاس ہو جائے اور خدانخواستہ لڑکا —"

دو معمر حضرات بیٹھے پی رہے ہیں۔

"وہ سست الوجود شخص دوپہر سے بیکار بیٹھا ہے — وہ جو اس کھڑکی میں سے نظر آ رہا ہے — شاید اسے دنیا میں کوئی کام نہیں —"

"آپ کو کیا پتہ یہ دوپہر سے بیکار بیٹھا ہے —؟"

"اس لئے کہ میں خود دوپہر سے اسے دیکھ رہا ہوں —"

"یہ آپ کا جام صحت ہے — چیرز —"

"چیرز —"

"میں نے لوگوں کے جام صحت اس قدر پیئے ہیں کہ اپنی صحت خراب کر لی ہے"۔

"تعجب ہے کہ لوگ دوسروں کی صحت کو محض پیتے کیوں ہیں۔ کھاتے کیوں نہیں۔ مثلاً اب میں ایک کیک لے کر کہوں۔ یہ رہی تمہاری صحت — یہ رہا تمہارا کیک صحت — اور کھانا شروع کر دوں"۔

"یہ ریڈیو پر کیا اُوٹ پٹانگ موسیقی ہو رہی ہے —"

"غالباً پکا گانا ہے — آپ کو فنونِ لطیفہ سے دلچسپی نہیں کیا؟"

"جی ہے تو سہی — میں ہمیشہ فنونِ لطیفہ کی عزت کرتا ہوں لیکن فنونِ لطیفہ کو بھی تو کچھ میرا خیال ہونا چاہیئے۔ مجھے رقص پسند ہے — گھوڑا گلی — اور جھپکا گلی — دونوں قسم کے رقص پسند ہیں"

"غالباً آپ کی مراد کتھا کلی رقص سے ہے ــــ خیر اسے چھوڑیئے اب مصوری کے متعلق ــ"

"مصوری کے متعلق یہ ہے کہ مجھے اُن چیزوں سے بڑی چڑ ہے جن سے میں ناواقف ہوں"

"مصوری کے متعلق میں بھی اتنا کم جانتا ہوں کہ اس پر بحث کرتے ہوئے مجھے غصّہ تک نہیں آتا"

اتنے میں بیرا آتا ہے ـــ "ڈاکٹر صاحب آپ کو سلام بولتے ہیں ــ"

"اُن سے کہنا وعلیکم السلام ــ"

"مل آیئے اُن سے ـــ بڑے قابل ڈاکٹر ہیں ــ ان کی کافی پریکٹس ہے ـــ پندرہ سال سے پریکٹس کر رہے ہیں ــ"

"معاف کیجئے میں پریکٹس کرنے والوں کا قائل نہیں ہیں تو ایکسپرٹ لوگوں میں اعتقاد رکھتا ہوں ــ"

"یہ لیجئے ــ سگریٹ ــ"

"شکریہ ــ کون سا ہے ــ؟"

"روسی سگریٹ ہے ـــ میرا لڑکا فرانس سے بھیجا کرتا ہے۔ گھٹیا سگریٹ تو میں بالکل نہیں پی سکتا۔ میرے خیال میں سگریٹ کے برانڈ کا اثر پینے والے پر ضرور پڑتا ہے۔ میرا بھتیجہ قینچی مارکہ سگریٹ پیا کرتا ہے اور ہر وقت اُس کی زبان کتر کتر چلتی ہے ـــ میں خود چند سال پہلے کیمل سگریٹ پیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے محسوس کیا کہ سچ مچ میری کمر میں کوہان سا نکل رہا ہے ـــ میں نے فوراً وہ سگریٹ چھوڑ دیا۔"

"آپ درست فرماتے ہیں ــ میرے ایک دوست بالکل دُبلے پتلے تھے جب سے اُنھوں نے ہاتھی مارکہ سگریٹ پینے شروع کئے وہ اس قدر موٹے ہو گئے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔"

"ویسے یہ رُوسی سگریٹ پیتے پیتے بعض اوقات مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کمیونسٹ بنتا

جا رہا ہوں — لیکن یہ نرا وہم ہی ہے —"

"غالباً ہم فنونِ لطیفہ کا ذکر کر رہے تھے — آپ کو شاعری سے بھی دلچسپی ہے؟"

"میں تو شاعری پر مفتون ہوں۔ مجھے فارسی شاعری بہت پسند ہے — وہ کیا شعر ہے —
سبز پوشی بہ لبِ بام نظری آید —"

"کیا کہنے ہیں فارسی شعروں کے — لیکن اپنے شعر بھی کچھ کم نہیں — غالب کا وہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا — کچھ تو کھائیے کہ لوگ کہتے ہیں —"

"خوب ہے اور وہ کس کا شعر ہے — پیٹ میں درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے۔
ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا —"

"شاید یہ اسی شاعر کا ہے جس کا یہ ہے — ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے خود مختاری کی — اور پتہ نہیں کیا ہوا کہ چاہا جب بدنام کیا —"

"کل میں نے ریڈیو پر ایک نہایت دردناک غزل سنی — بلکہ مت رو یہاں آنسو بہانا ہے منع —"

"غالباً فلمی چیز ہوگی — دیکھئے نا اس میں لطافت غائب ہے — آنسو بہانا ہے منع یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں سگریٹ پینا منع ہے۔"

"آپ درست فرماتے ہیں —"

اسی کمرے میں ذرا دور دو معمر حضرات بیٹھے ہیں، شراب تو ایک طرف یہ سگریٹ بلکہ لیمونیڈ تک نہیں پیتے۔

"میں برسوں سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہا ہوں —"

"کبھی آپ نے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے پکڑا نہیں ۔۔۔؟"

"ہرگز نہیں ۔۔۔ میں بہت چالاک ہوں۔"

"میں مدتوں سے سیلون جانا چاہتا ہوں۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔"

"تو آپ کو منع کون کرتا ہے؟"

"آپ نہیں سمجھتے، میرے حالات بڑے ناتسلی بخش ہیں، ویسے ہیں بالکل معمولی سے، اور اُن کے درست ہونے میں کوئی زیادہ دیر بھی نہیں لگے گی، فقط مجھے چھ لڑکوں اور پانچ لڑکیوں کی شادیاں کرنی ہیں ۔۔۔ مکان بنوانا ہے ۔۔۔ کچھ قرض اُتارنا ہے ۔۔۔ زمینیں خریدنی ہیں ۔۔۔ چھوٹی سی جائداد بنانی ہے ۔۔۔ بس ۔۔۔"

"مگر سیلون جانے سے ان کا تعلق؟ میرے خیال میں آپ ابھی وہاں جا سکتے ہیں ۔۔۔"

"جی نہیں ۔۔۔ میں فی الحال وہاں ہرگز نہیں جا سکتا ۔۔۔ ابھی کچھ عرصہ لگے گا ۔۔۔"

"آپ ابھی جا سکتے ہیں ۔۔۔ اسی وقت ۔۔۔ میں خود آپ کو اپنے ساتھ سیلون لے چلوں گا یا ہم حجام کو یہیں کیوں نہ بلالیں۔"

"اوہ ۔۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ۔۔۔ میں اُس سیلون کا ذکر نہیں کر رہا، میں لنکا کا ذکر کر رہا ہوں ۔۔۔"

"اوہ ۔۔۔ لنکا کا ذکر ۔۔۔ آپ نے میرے مُنہ کی بات چھین لی، میری بھی یہی آرزو ہے ۔۔۔ لنکا جانا میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے ۔۔۔ میں نے باقی سب تیاریاں کر رکھی ہیں۔ فقط ایک معمولی سی کسر باقی ہے ۔۔۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"فقط روپوں کا انتظار ہے ۔۔۔ ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس سال کے اختتام

تک مجھے کہیں سے پچاس ساٹھ ہزار روپے ضرور مل جائیں گے۔"

"آپ نے کسی کاروبار میں روپیہ لگایا ہے یا حصے خرید ے ہیں ؟"

"نہیں تو۔"

"یا کسی نے آپ سے قرض لے رکھا ہے ؟"

"نہیں ۔"

"تو پھر ؟"

"بس ویسے ہی مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے ۔ کہ کسی دن جاتے جاتے مجھے راستے میں پچاس ساٹھ ہزار روپے مل جائیں گے۔ یا کسی روز صبح اُٹھوں گا تو تکئے کے نیچے روپے رکھے ہونگے ۔ یا کوئی چپکے سے میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں روپے رکھ جائے گا ۔"

"آپ نے کوئی لاٹری کا ٹکٹ تو نہیں لے رکھا ۔ ؟"

"لے رکھا ہے ! ۔ اور جب یہ روپے مل گئے تو میں سیدھا لنکا کا رُخ کر دوں گا اور بقیہ عمر وہیں گذاروں گا۔"

"میرا بھی یہی پروگرام ہے ۔ وہاں تو ہم ملا کریں گے۔ آپ وہاں کلب کتنے بجے آیا کرینگے"

"یہی کوئی دوپہر کے لگ بھگ ۔ اور پانچ بجے واپس چلا جایا کروں گا اور آپ ۔"

"میں شام کو آیا کروں گا ۔ کوئی چھ بجے کے قریب ۔"

"تب تو ملاقات ہونی مشکل ہے ۔ آپ ذرا پہلے نہیں آسکتے ؟"

"جی مشکل ہے۔ اگر آپ کچھ دیر اور ٹھہر جایا کریں ۔ پانچ کی بجائے چھ بجے چلے جایا کریں۔"

"کلب میں شام کو شور و غل شروع ہو جایا کرے گا ۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اتنی دیر تک ٹھہر سکوں گا۔"

"تب تو میں بہت اداس رہا کروں گا۔ کاش کہ آپ کچھ دیر اور ٹھہر سکتے۔"
"تو آپ ہی ذرا جلدی آجایا کریں۔"
"شاید میں اتنی جلدی نہیں آسکوں گا ـــ دیکھئے آپ اتنی سی بات نہیں مانتے ـــ اچھا چلئے ساڑھے پانچ بجے سہی ـــ"
"اچھا ـــ دیکھوں گا، مگر وعدہ نہیں کرتا۔ بہتر تو یہی ہوتا کہ آپ پانچ بجے آجاتے ـــ"
"چلئے ـــ پانچ بجکر پچیس منٹ سہی ـــ بس؟"
"اچھا ـــ مگر دیکھئے نا ـــ"

ایک معمر حضرت سہ پہر سے جو پینا شروع کرتے ہیں تو آدھی رات تک پیتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق طرح طرح کی روایات مشہور ہیں۔ روایات مختلف ہیں لیکن سب کا لب لباب یہ ہے کہ اُن کی زندگی میں ٹریجیڈی کو بہت دخل ہے۔ وہ سدا کے غمگین ہیں۔ آج تک کسی نے انہیں مسکراتے نہیں دیکھا۔ تقدیر نے اُن کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ زندگی نے ان کے ساتھ غداری کی ہے۔ آج تک اُنہوں نے اپنی زندگی کی المیہ داستان کسی کو بھی نہیں سُنائی۔

شام کو نہ جانے کیوں مجھ پر مہربان ہو جاتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ میں نے ان کا جلتا ہوا سگار قالین سے اُٹھا کر انہیں دے دیا یا اس لئے کہ وہ شراب کی بوتل انگیٹھی پر بھول آئے اور میں نے اُٹھا کر دے دی۔

ہم دونوں ایک تنہا گوشے میں بیٹھے ہیں۔ وہ بے تحاشہ پی رہے ہیں۔ میں اُن سے ان کی زندگی کے متعلق سوال کرتا ہوں۔

"پہلے وعدہ کرو کہ یہ داستانِ تلخ سُن کر تم ہمدردی کا اظہار نہیں کرو گے جب کوئی مجھ سے

اظہارِ ہمدردی کرتا ہے تو میرے لئے زندگی کا ایک ایک لمحہ کٹھن ہو جاتا ہے۔ تو سنو۔ آج سے دس سال پہلے میں بیحد مسرور انسان تھا۔ آہ کیسے دن تھے وُہ بھی ۔۔۔ دُنیا مجھ پر رشک کرتی تھی۔ سب یہی کہتے تھے کہ اس شخص کی مسکراہٹ میں سُورج کی کرنوں کی سی چمک اور جلاء ہے۔ اُن دنوں میرے پاس ایک ہرن تھا۔۔۔ کیا بتاؤں کیسا حسین اور پیارا ہرن تھا۔ ہم دونوں میں اتنا پیار تھا کہ میں اسے دیکھ کر جیتا تھا اور وُہ مجھے دیکھ کر۔ اُن دنوں میں افریقہ میں تھا اور بیحد خوش تھا۔ پھر وُہ منحوس رات آئی جب میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ میں نے نیا ملازم رکھا تھا۔۔۔ رات کو جاتے وقت وہ بخت ہرن کو باندھتا گیا۔ پہلے اُسے کبھی نہیں باندھا گیا تھا۔ رات کو خدا جانے بھیڑیئے آئے یا کیا بلا آئی ۔۔۔ اگر ہرن آزاد ہوتا تو وُہ کسی کو اپنے پاس بھی نہ آنے دیتا۔ علی الصبح میں نے اُٹھ کر دیکھا تو ہرن اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے دُنیا اندھیر ہو گئی۔ مدتوں میں بے چین و بے قرار پھرتا رہا۔"

اُنہوں نے گلاس بھرا اور پینے لگے۔

"لیکن انسانی دل ایسی چیز ہے جو بہلانے سے بعض اوقات بہل جاتی ہے ۔۔۔ ہرن کی جگہ ایک اور ہستی نے لے لی ۔۔۔ یہ ایک طوطا تھا جسے میں سپین سے گذرتے وقت لایا تھا۔ یہ طوطا بس نام کو طوطا تھا۔ ویسے انسانوں سے بہتر تھا۔ ہم گھنٹوں بات چیت کیا کرتے۔ اُس طوطے کو ادب سے لگاؤ تھا۔ میں اُسے نظمیں سُناتا جنہیں وُہ بار بار دُہراتا۔۔۔ قصہ مختصر اس طوطے نے میری زندگی کو دوبارہ جینے کے قابل بنا دیا۔۔۔ لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا ۔۔۔ ایک دن طوطے کے پنجرے کے ساتھ میری گرم یونیفارم ٹنگی ہوئی تھی۔ طوطے نے اُس کا کچھ حصّہ کتر ڈالا، اور مجھ بدنصیب کو اتنی سی بات پر اتنا غصّہ آیا کہ اُسے بُرا بھلا کہا ڈانٹا، ایک تنکے سے کچھ پیٹا بھی۔ میرے دیکھتے دیکھتے اُس نے اپنا سر سلاخوں سے باہر نکالا۔ چونچ سے پنجرے کے دروازے کی کیل نکالی اور پنجرے سے اُڑ کر ایک درخت پر جا بیٹھا۔ میں نے اسکی بڑی منتیں کیں۔ پرانی رفاقت کا واسطہ دلایا، معافی مانگی، قسمیں کھائیں، وعدے کئے۔ لیکن میرے اس

وحشیانہ سلوک سے اُس کا ننھا سا دل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ اُڑ گیا ــــ اور پھر کبھی نہ آیا ــــ اس کے بعد میرا کیا حال ہوا ــــ میں دن رات نشے میں رہنے لگا۔ میں نے شراب کے علاوہ اور منشیات بھی شروع کر دیں۔ جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ ذرا ذرا سی بات پہ مجھے غصہ آنے لگا ــــ میری صحت بالکل گر گئی ــــ میری ترقی رُک گئی ــــ میرا وہاں سے تبادلہ ہو گیا ــــ"

اُنہوں نے خالی گلاس پھر بھرا۔

"میں سمجھتا تھا کہ میرے لئے دُنیا ختم ہو چکی ہے لیکن میری زندگی میں پھر بہار آئی۔ میں پھر مسکرانے لگا۔ اس خوشگوار تبدیلی کی وجہ وہ پیاری پیاری دلآویز بطخیں تھیں جنہیں میں چین سے لایا تھا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ بطخیں مجھے کس قدر عزیز تھیں۔ جب وہ اپنی چونچ موڑ کر کن انکھیوں سے مجھے دیکھتیں تو میرا رواں رواں مسرت سے رقص کرنے لگتا۔ سیروں خون بڑھ جاتا۔ شام کو ہم تینوں سیر کرنے جاتے۔ میں پھر تندرست و توانا ہو گیا اور بڑی سرگرمی سے اپنا کام کرنے لگا۔ لیکن قسمت کو میری یہ مسرت ایک آنکھ نہ بھائی زندگی کی ٹھوکروں نے میرا پیچھا نہ چھوڑا ــــ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا ــــ بسا بسایا گھر اجڑ گیا۔ اس مرتبہ اس کی ذمہ دار میری بیوی تھی جو اسی صبح وطن سے آئی تھی۔ اُسے شکار کا شوق تھا۔ شام کو بندوق لے کر نکلی اور اُسے شکار مل گیا ــــ وہی پیاری بطخیں جو جھیل پر تفریح کے لئے گئی ہوئی تھیں ــــ میں نے اپنی بیوی کا یہ گناہ کبھی معاف نہیں کیا ــــ میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا ــــ ایسی پیاری مشفق بطخیں ــــ ایسے پیارے رفیق زندگی میں صرف ایک مرتبہ آیا کرتے ہیں ــــ اس کے بعد میں نے جوا کھیلنا شروع کر دیا ــــ دوستوں کو دھوکا دینے لگا ــــ اپنا غم غلط کرنے کے لئے میں نے کیا کچھ نہیں کیا ــــ اُف مقدر ــــ ہائے قسمت ــــ"

اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ــــ اُنہوں نے دوسری بوتل کھولی۔

"زندگی کی تلخ کامیوں کی داستان شاید ابھی اُدھوری تھی۔ ابھی تقدیر کو اور کچوکے لگانے تھے

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا پھر ملا۔ زندگی سوتے سوتے جاگ اُٹھی، دُنیا مسکرانے لگی ـــــ میری زندگی میں ایک کتا آیا ـــــ بیحد حسین و جمیل کتا، نیک، وفادار، سمجھنے والا۔ اُس نے میرے صبح و شام بدل دیئے۔ میں پرانے غم ایک حد تک بھول گیا ـــــ لیکن یہ سب کچھ عارضی تھا۔ میرا یہاں تبادلہ ہوا اور مجھے ہوائی جہاز میں آنا پڑا۔ کتا سکاٹ لینڈ میں رہ گیا۔ جب میرا کنبہ لندن سے آیا تو اُن کمبختوں میں کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ میرے عزیز از جان پیارے کتے کو ساتھ لے آتا۔ میں نے تار دیئے۔ روپے بھیجے ـــــ آخر کتا سمندر کے راستے سکاٹ لینڈ سے روانہ ہوا۔ جہاز والوں کی غلطی سے کتے کو کلکتے کی جگہ بمبئی اتار لیا گیا۔ میں خود کتے کو لینے کلکتے گیا اور مایوس لوٹا۔ پھر پتہ چلا کہ وہ بمبئی میں ہے۔ میں نے اُسی روز اپنے بڑے لڑکے کو بمبئی بھیجا۔ وہ ناہنجار، بے ایمان لڑکا فرسٹ میں گیا، فرسٹ میں آیا، اتنی رقم ضائع کی۔ لیکن کتے کا اتنا سا خیال بھی نہ رکھا۔ نہ اُس کے آرام کی پروا کی، نہ اُس کی خوراک پر احتیاط برتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتے کی طبیعت جو سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے پہلے ہی ناساز تھی، بالکل علیل ہوگئی اور یہاں پہنچتے پہنچتے اُس نے دم توڑ دیا ـــــ اب کیا بتاؤں میں زندگی کس طرح گذار رہا ہوں ـــــ بس دن پورے کر رہا ہوں ـــــ یوں تو میرے بچے ہیں، بیوی ہے، دوست ہیں، میرے پاس روپیہ ہے ـــــ لیکن مجھے کسی چیز سے بھی دلچسپی نہیں ـــــ میرے لئے دن بھی اتنا ہی تاریک ہے جتنی کہ رات، مجھ سا بدنصیب تو زمانے میں نہ ہوگا ـــــ

اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں

یہ ان دنوں کا ذکر بھی ہے۔ جب میں کلب جانے سے پہلے گھنٹوں سوچا کرتا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں، کیا میرا وہاں جانا واقعی ضروری ہے۔ کیا میں اپنا فالتو وقت کسی اور طرح نہیں گذار سکتا۔

تمنّا وہ لڑکی تھی جسے جنوبی ایران میں پہلے میں نے دیکھا اور حبیب شیطان نے اُسے شمالی ہندوستان میں دیکھا تو فوراً عاشق ہو گئے۔

حبیب شیطان نے مجھے تار دے کر جب فوراً طلب کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی پر عاشق ہو گئے ہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ تار دے کر مدعو کیا کرتے ہیں۔ سہ پہر کو میں وہاں پہنچا۔ وہ حسب معمول مجھے سٹیشن پر نہیں ملے۔ اُن کے گھر پہنچ کر میں نے اُنہیں ہر جگہ ڈھونڈا سوائے اُس جگہ کے جہاں وہ تھے۔ دیر کے بعد مجھے خیال آیا کہ چھت پر دیکھوں کیونکہ عاشق ہونے کے بعد شیطان چھت کا رُخ کیا کرتے ہیں۔ اوپر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ فرش پر بیٹھے ہیں۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کچھ اور بیٹھنے کے لئے نہیں تھا۔

جب وہ اپنے عشق کی داستان سنا رہے تھے تو میں خاموش بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ میرے خیال میں

اُن کی یہ حرکت بالکل فضول تھی اور وہ نرے احمق تھے ۔۔ لیکن میں نے ان لطیف جذبات کا اظہار نہیں کیا۔

جب اُنھوں نے ناکامی کی صورت میں اپنے آپ کو اس دُنیائے فانی سے ٹسمس کر دینے کی دھمکی دی تو میں چونکا۔

" آخر تم چاہتے کیا ہو ۔۔؟" میں نے اخبار کو تہہ کرتے ہوئے پوچھا۔

" مجھے مدت سے ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو تعلیم یافتہ ہو، سلیقہ شعار ہو اور خوبصورت ہو۔"

" تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں تین لڑکیوں کی تلاش تھی ۔۔"

" دفعتہً مجھے وہ لڑکی مل گئی ۔ میں موٹر سائیکل پر جا رہا تھا ۔ راستے میں میں نے اُس کی زیارت کی جو بلا شبہ دُنیا کی حسین ترین ہستی تھی ۔ میں نے قریب جا کر لفٹ کے لیئے پوچھا اور کہا کہ میں آپ کے راستے جا رہا ہوں ۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور دیر تک کھاتے کھاتے بچا ۔ میں نے کہا کہ میں اس جگہ اجنبی ہوں کیا آپ اپنے مکان تک میری رہنمائی کریں گی ۔ اس نے اپنے گھر کا مفصل پتہ بتا دیا اور بولی خبردار جو میرا تعاقب کیا ہے تو ۔۔۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس شعر سے ظاہر ہے ۔۔۔

از بالِ و پرِ غبارِ تمنا فشردہ ایم

بر شاخِ گل گراں نہ بود آشیانِ ما ۔۔"

اُنہوں نے یہ شعر بالکل بے موقعہ پڑھا تھا ۔ غالباً اُنہیں اس کے معنے بھی نہیں آتے تھے ۔ محض اس لیئے پڑھ دیا تھا کہ فارسی کا شعر تھا اور اس میں تمنا کا ذکر تھا ۔

اُنہوں نے مجھے تمنا کی تصویریں دکھائیں ۔ میں نے بتایا کہ میں اُسے واجبی طور پر جانتا ہوں اور وہ حسین ہرگز نہیں ہے

" وہ حسین ضرور ہے ۔ اگر اُسے ایک خاص زاویئے سے دیکھا جائے ۔"

"وہ زاویہ کون سا ہے ۔"

"اس کے صرف چند پوز اچھے نہیں آتے ۔ ایک سامنے کا، ایک سائڈ کا، اور ایک ترچھے رُخ سے لیا ہُوا ۔ بس ۔ ان کے علاوہ باقی سب پوز نہایت حسین آتے ہیں۔"

"باقی پوز کون سے رہ گئے ۔؟"

"مجھے ایران کی باتیں بتاؤ۔"

اتنے میں ایک بزرگ تشریف لے آئے جو پولیس میں ملازم تھے ۔ انہوں نے اپنے تھانے کے بڑے دروازے پر خوش آمدید لکھ رکھا تھا ۔ کبھی تھانے میں تشریف لائیے ۔ اُن کا ملیکا نام تھا اُن کے آنے پر موضوع بدل گیا اور خانگی قسم کی گفتگو شروع ہو گئی ۔ ملٹن، اگار لو اور شیکسپیئر کا ذکر چھڑ گیا۔

اگلے روز شیطان مجھے تلخ صاحب کے ہاں لے گئے ، راستے میں مجھے معلوم ہُوا کہ خوش قسمتی سے شیطان کی ملاقات دُنیا کی عظیم ترین ہستی سے ہو گئی ہے ۔ تلخ صاحب سماج کے سب سے بڑے باغی ہیں ملک کے سب سے بڑے انسان ہیں ۔ اُن کی تحریروں میں جادو ہے، اُن کے قلم میں زہر ہے۔

پیچدار راستوں سے اور تنگ گلیوں سے گزر کر ہم ایک بوسیدہ سے تاریک مکان میں پہنچے۔ جہاں ایک منحنی سے زرد رو سیکنڈ ہینڈ صاحب عینک لگائے کچھ لکھ رہے تھے ۔ سامنے چند حضرات بیٹھے، انہیں غور سے دیکھ رہے ہیں ۔ ایک کونے میں ایک مریل سا کتا بیٹھا دُم ہلا رہا تھا ۔

شیطان نے میرا تعارف کرایا۔

"آپ کمیونسٹ ہیں یا سوشلسٹ؟"

"پتہ نہیں۔"

"تو پھر امپیریلسٹ ہوں گے۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر آپ ہیں کیا؟"

"انسان ہوں۔"

"آپ انسان ہرگز نہیں ہیں جب تک آپ کم از کم نیشنلسٹ نہ ہوں۔"

"ان سب میں فرق کیا ہے؟"

"تو گویا آپ کو فرق بھی معلوم نہیں — غضب خدا کا —"

"سچ مچ — میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ ایک رئیلسٹ ایک مارکسسٹ سے کیوں خفا ہے، ایک فاشسٹ ایک انارکسٹ سے اچھی طرح کیوں نہیں پیش آتا، نیلسٹ کیوں علیحدہ رہتے ہیں۔ میرے خیال میں ہر شخص شروع میں سوشلسٹ ہوتا ہے، کچھ دیر کے بعد ترقی کرکے کمیونسٹ ہو جاتا ہے پھر ایگوٹسٹ —"

"چچ چچ چچ — ہمارے نوجوان کس قدر بے بہرہ ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے —"

"تلخ صاحب — انہیں چھوڑیئے، اپنا مضمون سنایئے —" ایک صاحب بولے

تلخ صاحب نے اپنا مضمون شروع کیا — "دنیا کی سب سے بڑی لعنت بیوروکریسی ہے جو کسی بیمار دماغ کا بیمار خواب معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ڈیموکریسی اس سے بھی بڑی آفت ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر آج ڈپلومیسی کا خاتمہ ہو جائے تو دنیا میں امن پھیل جائے۔ سچ پوچھئے تو دنیا کی بیہودہ ترین چیز ارسٹوکریسی ہے —"

"لیکن آپ کی کوئی پالیسی ہونی چاہیئے۔" میں ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں پالیسی کے بھی خلاف ہوں ― پالیسی پر لعنت ہے ― میں باغی ہوں ― میں سماج کے خلاف ہوں۔ اس فرسودہ نظام کے خلاف ہوں۔ نظامِ شمسی کے بھی خلاف ہوں۔ زمین و آسمان اس خدائی کے خلاف ہوں ― میں ہر چیز کے خلاف ہوں ― لوگ مجھے دہریہ سمجھتے ہیں ― ہاں میں دہریہ ہوں ― خدا کا شکر ہے کہ میں دہریہ ہوں۔ ذرا سوچئے کس نے میری زندگی سے لطافتیں چھین لیں، کس نے میری ناک پر عینک لگا دی، کس نے میرا حافظہ تباہ کر دیا۔ کس نے اس کمرے میں مکڑی کے جالے لگا دیئے۔ کس نے میرے معصوم کتے کا یہ حال کر دیا کہ وہ بعض اوقات مجھے پہچانتا بھی نہیں اجنبی سمجھتا ہے ― یقیناً یہ کسی کا قصور ہے۔ اس کہنہ نظام اور اس فرسودہ خدائی کا قصور ہے ―"

واپسی پر شیطان نے بتایا کہ وہ تلخ صاحب کے ساتھ مل کر ایک رسالہ نکال رہے ہیں جس کا نام تمنا رکھیں گے۔

بڈّی اپنی بیہودہ سی موٹر میں آیا جس کی ہر چیز شور مچاتی تھی سوائے ہارن کے سپیڈومیٹر عرصے سے کام نہیں کرتا تھا۔ رفتار یوں معلوم کی جاتی تھی کہ بیس میل فی گھنٹے پر دہنا مڈگارڈ ہلتا تھا، پچیس میل پر بایاں اس کا ساتھ دیتا تھا۔ تیس میل پر فٹ بورڈ تھرتھرانے لگتا۔ پینتیس پر سب کچھ۔ اس سے زیادہ تیز ہم اسے چلانے نہیں دیتے تھے۔

موٹر میں اس قدر بھیڑ ہوتی کہ یہ معلوم کرنا محال ہو جاتا کہ اسے چلا کون رہا ہے۔ وہیل پر کوئی بیٹھا ہے بریک پر کسی کا پاؤں ہے تو کلچ پر کسی کا۔ گیئر کسی کے ہاتھ میں ہے۔ ذرا ذرا دیر کے بعد غل مچتا ― میں گیئر بدلوں گا، تم ذرا کلچ دبانا ― ذرا بریک دبانا میں مڑنے لگا ہوں ― تلخ صاحب کے اعزاز میں پارٹی

ہو رہی تھی جس میں تمنّا خانم بھی اپنے عزیزوں کے سمیت مدعو تھیں ہم وہاں پہنچے تو صرف چند ترقی پسند شعراء اور ادیب بیٹھے تھے۔ تلخ صاحب اور خواتین کا انتظار ہو رہا تھا۔ ایک ادیب شیطان کے پرانے ہم جماعت نکلے ۔ انہیں دیکھتے ہی اُچھل پڑے ۔" ان چند سالوں میں تم کتنے بدل گئے ہو۔ میں نے صرف تمہارے ہیٹ سے پہچانا۔"

" یہ ہیٹ بڑا دیر پا اور مضبوط ہے کئی مرتبہ کھویا گیا، بدلا گیا، ضائع ہو گیا ۔ پھر بھی ویسے کا ویسا ہے"

رسالے کی باتیں ہونے لگیں شیطان بولے "رسالے کے سرورق پر یہ ضرور لکھا جائے ۔ بیادگار تمنّا خانم ۔"

میں نے انہیں بتایا کہ بیادگار تو تب لکھتے ہیں جب کسی کا انتقال ہو جائے۔

" تو پھر زیرِ سرپرستی تمنّا خانم ۔ لکھا جائے"۔

" اس سے بزرگی ٹپکتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تمنّا خانم ساٹھ ستر برس کی ہوں"۔

" رسالے کا نام صرف تمنّا رکھا جائے"۔ بڈی نے مشورہ دیا

ایک صاحب جو رسالے کے ہونے والے منیجر تھے فائل کھولنے لگے ۔"حضرات میں نے رسالے کے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں سنیئے ۔ یہ ماہنامہ ہر ماہ کی آخری تاریخ کو شائع ہو گا۔ ۔ مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ فی الحال مضمون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ صرف ترقی پسند اشتہار شائع کیے جائیں گے ۔ دختران کے تین مجلے بند کر دیا جائیگا ۔ اس کے بعد کوئی صاحب تشریف نہ لائیں ۔ دُکھ پہنچانے والی تنقیدیں اور دل آزار مضامین اکثر شائع ہوا کرینگے"

" اور نقصان کی صورت میں نفع برابر برابر تقسیم کیا جائے گا"۔ ایک صاحب جو مالی امداد دے رہے تھے بولے۔

" یہ فیصلہ باقی ہے کہ اسے مصوّر مجلہ بنایا جائے یا نہیں ۔ یہ دیکھئے میں چند تصویریں

لایا ہوں۔"

ایک ترقی پسند تصویر پر شیطان چونک پڑے۔ "اس کا مصور کون ہے؟"

"ریمبرانٹ"

"یہ تصویر ضرور چھاپی جائے، آپ ریمبرانٹ صاحب سے اس کا سودا کر لیجیے۔"

"ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔"

"افوہ، انا للہ وانا الیہ راجعون ـــــ بات یہ ہے کہ میں ان دنوں اخبار نہیں پڑھتا۔"

"اُن کے انتقال کو تو عرصہ ہائے گذر چکے ہیں۔"

بڈی نے مشورہ دیا کہ امریکن رسالوں کی وضع کا پرچہ نکالا جائے جس میں ہر قسم کے مضامین ہوں ـــــ افسانوں کا علیحدہ حصّہ ہو، ٹھوس مضامین کا علیحدہ، غزلیں اور نظمیں علیحدہ ہوں۔ اسی طرح خواتین کیلئے بھی کچھ جگہ چھوڑی جائے۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ طے ہوا کہ ہر حصّے کا علیحدہ ایڈیٹر مقرر ہو۔

امریکہ کی باتیں ہونے لگیں۔ ایک بزرگ بڈی سے بولے ـــ "بھئی تمہاری فلموں سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں یا تو کاؤ بوائے ہوتے ہیں یا گینگسٹر ـــ"

"وہاں بھی ہندوستان کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں کہ یہاں یا تو راجے مہاراجے رہتے ہیں یا سادھو اور فقیر۔ لوگ اُڑن کھٹولوں پر سفر کرتے ہیں اور بین بجاتے ہیں۔ ہاتھی شیر چیتے گلیوں میں چہل قدمی کرتے ہیں۔ میں خود یہاں آنے سے پہلے صرف دو ہندوستانیوں کو جانتا تھا۔ مہاتما گاندھی کو اور سابو کو ـــــ کیا واقعی یہاں حرم ہوتے ہیں ـــ لوگ کئی کئی بیویاں رکھتے ہیں؟"

"آپ کے ہاں ایک معمولی حیثیت کا شخص کتنی بیویاں رکھ سکتا ہے؟"

"ایک ـــــ وہ بھی مشکل سے۔"

"یہاں تو پھر بھی مقابلتاً غربت ہے ـــــ آپ تو خود شادی شدہ ہونگے، آپکو تجربہ ہوگا۔"

"جی نہیں ـــ میں کنوارا ہوں" بڈی بولا۔ اور ہم نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔ آج تک ہم سے
جھوٹ بولتا رہا کہ شادی شُدہ ہے۔

"دراصل مجھے اب تک کسی سے محبت نہیں ہوئی، اس لئے شادی نہیں کی۔ بھلا آپ دونوں
کیوں بیرنگ ہیں؟"

"تمہارے ملک میں محبت کرنا بہت آسان ہے، یہاں بہت مشکل ہے۔ ہندوستان میں محبت کرتے
وقت سب سے پہلے مذہب آئے گا۔ اگر دونوں فریق ہم مذہب ہیں تو محبت ہو سکے گی ورنہ ہرگز نہیں
آپ سر پٹخئے، اپنا سینہ کوٹئے، بلا تکلف خودکشی کر لیجئے۔ لیکن آپ کسی غیر مذہب سے محبت نہیں کر سکتے
مذہب کے بعد ذات پات آئے گی ـــ اور پھر اقتصادیات کا قضیہ ـــ یعنی آپ کی مالی حالت ـــ
پھر اونچے گھرانے اور نیچے گھرانے کا سوال ہو گا ـــ
ـــــــــ اور آخر میں سب سے اہم نکتہ آئے گا ـــ ابّا جان ـــ
ہندوستان میں ابّا جان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اتنی رُکاوٹوں کے باوجود آپ میں محبت کرنے
کا حوصلہ ہے تو ـــ"

"اونچے گھرانے سے تمہاری مُراد وہ لوگ تو نہیں جو دوسری منزل میں رہتے ہیں ـــ؟"

"نہیں ـــ بلکہ وہ لوگ جن کی مالی حالت اچھی ہے۔"

"میں نے ہندوستانی فلمیں دیکھی ہیں، میرے خیال میں یہاں پرندوں کو بڑی اہمیت دی جاتی
ہے۔ پرندوں پر گانے گائے جاتے ہیں، پرندوں کو دیکھ کر ہیرو کو ہیروئن یاد آ جاتی ہے اور ہیروئن کو کوئی
اور۔ پرندے چاہیں تو کہانی کا رُخ بدل سکتے ہیں ـــ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پرندوں کو انسانوں
سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں، اور یہ ہماری اتنی سی پرواہ نہیں کرتے ـــ"

"تمہارے ہاں آب و ہوا کس قسم کی ہے، وہاں کے ذرائع آمد و رفت، برآمد و درآمد، ذرائع

معاش بیان کرو۔"______

ایک صاحب جو جغرافیئے کے اُستاد تھے بولے۔

"آپ وہوا ایسی عجیب ہے کہ نہ آپ کا یقین ہے نہ ہوا کا اعتبار۔ صبح لُو چل رہی ہے تو شام کو برف پڑ رہی ہے۔ ایک رات اتنی سردی پڑی کہ سڑکوں پر ایستادہ آہنی مجسمے کانپنے لگے اور اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں چھپا لئے۔ ایک برف کا بنا ہوا مجسمہ بھاگ کر سامنے کے مکان میں جا چھپا۔ اگلے روز میں اپنے بھائی کے ساتھ باہر گیا۔ اتنی تیز دھوپ نکلی کہ ہم باری باری ایک دوسرے کے سائے میں بیٹھتے تھے۔ ایک واقعہ مشہور ہے۔ ہمارے گاؤں کے باہر ایک جھیل ہے، ایک تیراک نے اونچی چوٹی سے اُس میں چھلانگ لگائی۔ تھوڑی دور آکر اُسے پتہ چلا کہ نیچے پانی خشک تھا۔ پتھر نظر آرہے تھے۔ وہ بڑا اشپٹایا۔ دیکھتے دیکھتے ایک بادل آیا، برسا، اور جھیل میں پانی بھر گیا۔ لیکن اتنی سردی ہو گئی کہ پانی برف ہو گیا۔ چھلانگ لگانے والے کا اور بھی بُرا حال ہو گیا۔ دفعتہً سورج نکل آیا، برف پگھل گئی اور اُس نے چھلانگ پانی میں لگائی۔ لیکن جب وہ کنارے پر پہنچا تو اتنی گرمی ہو گئی تھی کہ اُسے سرسام ہو گیا______"

"آپ امریکن زندگی کے متعلق ایک مضمون لکھئے______اس رسالے کے لئے۔" ہونے والے مینیجر بولے۔

"وہاں کی سکول کی زندگی کے متعلق بھی کچھ بتائیے۔" وہی اُستاد بولے

"ہمارا سکول دریا کے کنارے تھا۔ سردیوں میں دریا جم جاتا۔ ہم لوہے کے جوتے پہن کر بازوؤں سے بادبان باندھ کر برف پر ہوا کے زور سے پھسلتے اور دُور دُور چلے جاتے۔ گرمیوں میں ایک چھوٹی سی کشتی لے کر نکل جاتے اور کئی کئی دنوں کے بعد لوٹتے۔ دریا کے کنارے کنارے لکھ پتی تاجروں کی کوٹھیاں تھیں۔ اُن کے سامنے ہم بڑی حفاظت سے ہچکولے دے کر کشتی کو ڈبو دیتے______ وہ لوگ ہمیں دریا سے نکالتے، اپنے ہاں لے جاتے، بڑی خاطر تواضع ہوتی۔ ایک مرتبہ غلطی سے ہم نے کسانوں کے

مکان کے سامنے کشتی اُلٹا دی۔ اُنہوں نے سہیں لکالا تو سہی لیکن خوب کان مروڑے، ڈرایا دھمکایا کہ اگر کشتی چلانی نہیں آتی تو باہر کیوں نکلتے ہو۔ جب موسم خوشگوار ہوتا تو ہڑتالوں کا موسم شروع ہو جاتا۔ خفیہ جلسے ہوتے، یہ طے کیا جاتا کہ کس بہانے ہڑتال کی جائے۔ بعض اوقات ہوسٹل کی اُوپر کی منزل آگ کے شعلوں اور دھوئیں سے بھر جاتی، اُونچی منڈیروں پر ننھے ننھے بچے چہل قدمی کرتے، ہجوم اکٹھا ہو جاتا۔ دفعتہً آگ دُھواں بچے، سب غائب ہو جاتے۔ آگ اور دھواں سائنس کے طلباء کیمیات سے پیدا کرتے تھے۔ سکول کے چھوٹے لڑکوں کو بچوں کے کپڑے پہنا کر اوپر بھیج دیا جاتا نیچے سے وہ بالکل ننھے مُنّے معلوم ہوتے۔ سکول کے بڑے کمرے میں جھوٹ بولنے کا مقابلہ ہوتا۔ ایک مرتبہ میں نے یہ مقابلہ صرف ایک فقرے سے جیت لیا ـــ میں نے کہا کہ میں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا ـــ"

"اور آپ کے اُستاد ـــ وہ کس قسم کے تھے؟"

"خوب تھے ـــ ایک اُستاد اپنے ساتھ ہر صبح کوئی دو من پختہ کتابیں لایا کرتے، ہر شام واپس لے جاتے۔ سکول میں ڈرامہ ہوا۔ نقل اتاری گئی۔ دو لڑکے زرد کپڑے پہن کر اونٹ بنے اور ایک اونٹ والا بنا۔ اونٹ والے کو کسی نے بلایا اور سامان اُٹھانے کو کہا۔ سودا طے ہو گیا تو اونٹ والے نے پوچھا کہ سامان کہاں ہے۔ جواب ملا کہ ہمارے فلاں اُستاد کی کتابیں ہیں ـــ اس پر اونٹ مچل گیا، سر ہلا کر بولا ـــ 'ہرگز نہیں' ـــ اور بھاگ گیا۔ ایک اور اُستاد سبزی خور تھے، وہ ہمیشہ سبزیوں کی تعریف کیا کرتے اور گوشت کی بُرائیاں۔ ایک روز لیکچر دے رہے تھے ـــ سبزیاں بہترین غذا ہیں، سبزیاں مکمل غذا ہیں۔ مثال کے طور پر ذرا گھوڑے کی طرف تو دیکھو جو کہ سبزی خور ہے ـــ ایک لڑکا اُٹھ کر بولا ـــ اور مثال کے طور پر ذرا شیر کی طرف تو دیکھو جو گوشت خور ہے ـــ ہماری جماعت کو ایک ادھیڑ عمر کی خاتون بھی کبھی کبھی پڑھاتیں۔ ناک پر عینک، بالوں کو اکٹھا کر کے گنبد سا بنایا ہوا، بات بات پر آنکھیں مٹک رہی ہیں، اُنگلیاں تھرک رہی ہیں، ہاتھ ہل رہے ہیں، بازو ہل رہے ہیں۔ نہایت خشک

باتیں کرتیں۔ ایک روز کلاس میں آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا ویسی ہی عینک لگائے، ویسے ہی زنانے کپڑے پہنے، ویسے ہی بال سر پر رکھے داخل ہوا۔ اس کے پیچھے دوسرا آیا، اسی حلیئے میں، پھر تیسرا، چوتھا — غرضیکہ ساری جماعت انہی کی طرح بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے بات کر کے ہاتھ مٹکایا، سب لڑکوں نے اسی طرح ہاتھ مٹکایا۔ انہوں نے دیدے گھمائے، سب نے دیدے گھمائے۔ انہوں نے انگلی سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرا ہاتھ فرش کی طرف گیا — سب نے نقل کی۔ ان کا لیکچر بہت جلد ختم ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں کبھی نہیں پڑھایا۔"

"آپ نے وہاں کی سوشل زندگی کے متعلق کچھ نہیں بتایا —" ایک ترقی پسند ادیب بولے

"سوشل زندگی میں نے وہاں کبھی نہیں دیکھی۔ میں دیہاتی ہوں۔ دیہات میں بے تکلفی بہت زیادہ ہے۔ کسی کو ناشتے پر مدعو کرنا بے تکلفی کی انتہا سمجھی جاتی ہے۔ گھریلو قسم کی پارٹیاں ہوتی ہیں جن میں شمولیت کی یہ شرط ہے کہ آپ جس طرح ہوں اسی طرح آنا پڑتا ہے۔ کوئی شب خوابی کے لباس میں آتا ہے کوئی تیرنے کے لباس میں، کسی نے ورکشاپ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"آپ نے اپنا رومان نہیں سنایا — ذاتی رومان —" ایک ترقی پسند شاعر بولے۔ سب نے اصرار کیا کہ ضرور سنیں گے۔

بڈھی کچھ دیر شرماتا رہا پھر بولا۔ "ہالی ووڈ کا ذکر ہے چاندنی رات تھی میں باغ کے ایک گوشے میں کھڑا تھا، میرے سامنے گاربو تھی، معطر پھولوں کی خوشبو، ہوا کے خنک جھونکے، چاندنی کا نور — بس چاروں طرف رومان برس رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر گاربو کے ہونٹ چوم لئے، گال چومے، پیشانی چومی، گردن چومی، اسے اس قدر چوما کہ میرا چہرہ فریم کے دوسری طرف نکل گیا اور تصویر پھٹ گئی۔"

تلخ صاحب آئے، آتے ہی بولے — "خدا کے لئے رُوفی صاحب آپ اس طرح مت مسکرائیے!

آپ کا چہرہ مسکراہٹ کے بغیر اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ بھول رہے ہیں، انسان ہی ایسا جانور ہے جو مسکراتا رہتا ہے اور ہنستا ہے۔" رُدفی نے کہا

"میں فقط اتنا جانتا ہوں کہ انسان جانور ہے۔" تلخ صاحب بولے

کاغذات نکالے گئے اور کارروائی شروع ہو گئی۔ بڈی کے مشورے کو قبول کر لیا گیا۔ رسالے کو کئی حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر حصے کا ایک مدیر مقرر ہوا۔ شیطان نے اصرار کیا کہ انہیں خواتین کے صفحات کا مدیر بنایا جائے۔ وہ ایک زنانہ رسالے کی ایڈیٹر کو جانتے ہیں۔ اس سے کافی مواد لے آئیں گے ——— دوسرے یہ کہ رسالے کے سرورق پر ——— از بال و پرِ غبارِ تمنا فشردہ ایم ——— والا شعر لکھا جائے

تلخ صاحب نے پہلی بات مان لی، لیکن دوسری کے لئے انکار کر دیا۔

"میں ہر روز چوبیس گھنٹے کام کیا کروں گا، اگر ہو سکا تو اس سے بھی زیادہ ——" شیطان پرجوش لہجے میں بولا۔

"یہ سب کام آپ حضرات کے ذمے ہیں ——— ورنہ میں تو بےحد مصروف انسان ہوں۔ یہاں تک کہ جب موت کا فرشتہ آیا تو اسے بھی یہی کہوں گا کہ دس منٹ کے بعد آنا۔" تلخ صاحب نے اپنا تھیلا اٹھایا اور چلے گئے۔

بڈی نے تلخ صاحب کو بالکل پسند نہیں کیا۔ بولا "اس شخص کو ہر دم یہی خیال رہتا ہے کہ یہ اس وقت کہیں دوسری جگہ ہوتا تو بہتر تھا ——— اور یہ اپنے آپ کو اس وقت بےحد مصروف سمجھتا ہے جب اسے کوئی کام نہ ہو ——"

تمنا خانم آئیں مگر بڑی دیر کے بعد۔ ان کے ساتھ اور خواتین بھی تھیں۔ چاء دوبارہ شروع ہوئی۔ بڈی ہمیشہ خواتین کے نزدیک بیٹھا کرتا۔ کہتا کہ خوشبوؤں کا لطف آ جاتا ہے۔ تمنا سے میرا تعارف کرایا گیا۔ میں نے آپ کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔ آپ کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہوا کرتی تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھیں تھیں اور

بال سنہری۔ اُس کا لباس شوخ ہوتا تھا۔ اور جوتے ہمیشہ نئے فیشن کے۔
اُس کے کانوں میں ہمیشہ لمبے لمبے طلائی بندے ہوتے اور گلے میں جڑاؤ ہار۔ اُس کی داہنی کلائی
میں چار چوڑیاں ہوتیں اور بائیں میں تین۔ وہ ہر وقت مسکراتی رہتی تھی ــــ"
"آپ اُسے جانتی ہیں ــــ؟"
"جی نہیں ــــ میں نے اُسے کبھی غور سے بھی نہیں دیکھا۔"
شیطان تمنا کو ایک طرف لے گئے ــــ "اور تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ مجھے دیکھ کر تمہیں
مسرت ہوئی، افسوس ہوا یا کیا ہوا؟"
"تمہیں دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی، افسوس ہوا یا کیا ہوا ــــ" تمنا بولی
"آہ ایران ــــ میرے خوابوں کی سرزمین ــــ جہاں لوگ پہاڑوں پر قالین بچھا کر پھول
سونگھتے ہیں اور مرتبانوں میں چائے پیتے ہیں ــــ جہاں کا ایگری کلچر دنیا کے قدیم ترین کلچروں میں سے ہے
جہاں کا بیوٹی کلچر بہترین ہے۔ جہاں کلچر ہی کلچر ہے ــــ"
"اچھا میں آپ سے کل ملوں گی ــــ خدا حافظ ــــ"
"تم مجھ سے ابھی کیوں نہیں ملتیں ــــ کاش کہ تم میرے جذبات کا اندازہ لگا سکتیں۔ تمہارے
لیے میرے دل میں کس قسم کے جذبات ہیں ــــ کاش کہ میں بتا سکتا ــــ" شیطان نے دفعتہً ایک
گھٹنا زمین پر ٹیک دیا اور ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ شاید وہ پھسل گئے۔ انہوں نے ایک قلابازی
کھائی۔ ایک ٹہنی پکڑ کر اٹھے ــــ اور ہوا میں جھولا گئے ــــ "سمجھ لو کہ کچھ اس قسم کے جذبات ہیں۔"
"مگر آپ مجھے صرف تین ہفتوں سے جانتے ہیں۔"
"یہ صرف تین ہفتے نہیں ہیں۔ اس عرصہ میں ہم دس گھنٹے روزانہ ملتے رہے ہیں۔ یعنی ہم نے
تقریباً دو سو گھنٹے اکٹھے گزارے ہیں۔ ویسے عام طور پر محبت کرنے والے ہفتے میں دو یا تین مرتبہ مل سکتے ہیں

وہ بھی صرف ایک آدھ گھنٹے کے لئے۔ پھر لوگوں کی مداخلت بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی موسم بھی اچھا نہیں ہوتا ان تین ہفتوں میں موسم بھی خوشگوار رہا ہے اور لوگوں نے بھی تنگ نہیں کیا۔ لہٰذا اس صورت میں جبکہ محبوب شروع شروع میں فی ہفتہ تین گھنٹے کے لئے مل سکتے ہوں تو میں حساب کی رُو سے تمہیں ستر ہفتوں سے جانتا ہوں — یعنی تقریباً ڈیڑھ سال سے —"

"خدا کے لئے آپ یوں مت مُسکرائیے —"

"مجھے ایران بہت پسند ہے، میرے ایک دوست کے بزرگ ایران سے آئے تھے، میں پھر وہیں واپس جانا چاہتا ہوں، قالینوں اور مرتبانوں کی سرزمین، جہاں صبح سے شام تک چاء پی جاتی ہے اور فارسی بولی جاتی ہے — آہ ایران —"

جس صحت افزا مقام پر شیطان چھٹیاں گذارنے آئے تھے۔ اس کے متعلق لوگوں کی یہ رائے تھی کہ وہ سطح سمندر سے کئی ہزار فٹ نیچے ہے۔ وہاں گرمیوں میں تو کیا سردیوں میں بھی سردی نہیں ہوتی تھی۔ ایک سال پہلے شیطان کرسمس کی چھٹیوں میں وہیں آئے تھے۔ ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ منیجر سے کہا "میں یہاں سردیاں گذارنے آیا ہوں"۔

"مجھے افسوس ہے — ہمارے ہاں سردیاں نہیں ہوتیں"۔ جواب ملا۔

اس مرتبہ پھر اُسی ہوٹل میں ٹھہرے جو بالکل اسٹیشن کے ساتھ تھا، انجنوں کا شور، سیٹیاں، آتی جاتی ٹرینوں کی گڑگڑاہٹ — شیطان نے رات کو کھڑکی سے جھانک کر منیجر سے پوچھا — "کیوں قبلہ یہ ہوٹل اگلے سٹیشن کتنے بجے پہنچے گا؟"

ہوٹل مہنگا بھی بہت تھا۔ خواہ مخواہ چارج کر لیتے تھے۔ ایک روز ہم منیجر سے باتیں کر رہے تھے۔ ایک شخص نے چھینک ماری۔ شیطان فوراً بولے — "حضرت یہاں چھینک مت ماریئے۔ یہ لوگ آپ کو

چارج کر لیں گے۔"

چلتے وقت شیطان نے ایک آنہ منیجر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ بولے۔" میں نے آپ کا ایک انگور کھل دیا تھا"

چند دنوں میں تنگ آگئے۔ ہوٹل چھوڑ کر ایک مکان کرائے پر لیا۔ میں اور بڈی ہر سینچر کو شیطان سے ملنے جاتے اور اتوار کی شام کو لوٹ آتے۔

شیطان ناشتے پر سکنجبین کے ساتھ ٹوسٹ کھاتے، ٹوسٹ سکنجبین میں ڈبو ڈبو کر۔ کبھی کبھی انڈے بھی ہوتے لیکن اتنے ہلکے اُبلے ہوئے کہ بس ٹوکرا انڈے لے کر ایک مرتبہ گرم کچن سے گذر جاتا۔ کہیں باہر جاتے تو بچوں کی دودھ کی ایک بوتل بھر کر ساتھ لے جاتے اسے یوں پیتے جیسے سگار پی رہے ہوں۔ کہیں بوتل نکالی ـــــ تھوڑا سا دودھ پیا پھر جیب میں رکھ لی۔

دوپہر کو نمرش پہ چوپٹ کھیلی جاتی جسے شیطان انڈور گیم کہا کرتے۔

بڈی کی موٹر کے پیچھے بے شمار کتے لگ جاتے۔ بڈی کا خیال تھا کہ کتوں کو ہمیشہ تجسس رہتا ہے۔ کتا سائیکل یا موٹر کے پیچھے محض تفریحاً نہیں دوڑتا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ اگر ایسے موقعہ پہ کتے کو مخاطب کر کے صاف صاف بتا دیا جائے کہ کہاں جا رہے ہیں اور کتنی دیر کے لئے جا رہے ہیں تو وہ فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کچھ نہیں کہتا بڈی یہ نسخہ اکثر استعمال کیا کرتا۔ ایک مرتبہ کتوں سے گفتگو کرنے کرتے حادثہ ہو گیا۔ سپاہی نے پوچھا۔ "موٹر کون چلا رہا تھا؟"

ہم نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ ہم سب تو پچھلی سیٹ پہ بیٹھے تھے۔

شیطان کے مکان کے سامنے کسی تھوک فروش کا بورڈ لگا ہوا تھا جسے وہ ہمیشہ تھوک فروش پڑھتے۔ دکان میں اسمبلی ہال کی ایک لمبی چوڑی تصویر آویزاں تھی جسے دیکھ کر بڈی ہمیشہ سوال کرتا۔ شیطان بتاتے کہ "اس عمارت میں بحث مباحثے ہو رہے ہیں ـــــ مدتوں سے۔"

وہ پوچھتا۔ "اب تک کوئی فیصلہ ہوا؟"

شیطان سر ہلا کر کہتے — "نہیں۔"

شیطان دوستوں کو عجیب و غریب طریقے سے فون کرتے۔ نمبر لے کر اُسے فون پر بلا لیتے اور کہتے ذرا ٹھہرنا — وہ غریب رسیور پکڑے کھڑا رہتا، شیطان موٹر سائیکل پر اُس کے گھر جا پہنچتے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہوئے کہتے — ہاں تو بات یہ تھی کہ —

ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اخبار ہرگز نہیں پڑھیں گے۔ بڈی کا خیال تھا کہ وہی پرانے حادثے، وہی پرانی باتیں، سب کچھ وہی بار بار ہوتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ہر مرتبہ مختلف جگہوں پر ہوتا ہے اور مختلف انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ بہت دن گزر جاتے تو بڈی اخبار خریدتا اور کہیں کہیں کی سرخیاں ملا کر پڑھتا۔ مثلاً فلاں لیڈر کی فلاں لیڈر سے ملاقات — فلاں صوبے میں وبا پھیل گئی — فلاں مشہور سیاست دان کا بیان — فلاں شہر میں بے شمار کتے پاگل ہو گئے۔

تھوک فروش صاحب کے برابر ایک بیہودہ سا ہوٹل تھا جس میں خوب شور مچتا۔ ہم بھی وہاں جاتے بڈی کی رائے تھی کہ وہاں بڑے — باذوق حضرات آتے ہیں۔ کسی میز پر قہقہہ پڑتا تو بڈی دوڑ کر جاتا اور پوچھتا کہ لطیفہ کیا تھا۔ کیونکہ اُس کی رائے کے مطابق لطیفہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ جو کوئی اچھا سا لطیفہ سنے اُسے چاہیئے کہ آگے چلتا کرے۔

جب کسی میز پر دو حضرات سرگوشیوں میں باتیں کرتے اور بار بار ہاتھ ملاتے تو بڈی کو شبہ ہو جاتا کہ یہ کسی بیہودہ موضوع پر باتیں کر رہے ہیں — بڈی کا یہ شبہ اکثر صحیح نکلتا۔

اگلے ہفتے تلخ صاحب کے ہاں مجلس ہوئی تو طے ہوا کہ انہیں سب کچھ سنایا جائے۔ شائع صرف وہی کچھ ہوگا جسے وہ پسند فرمائیں گے۔ سب سے پہلے شیطان نے فائل نکالی — "حضرات یہ چیزیں ایک مشہور زنانہ رسالے کے دفتر سے لایا ہوں۔ یہ سب غیر مطبوعہ ہیں اور طبعزاد ہیں۔ ایک مضمون جادو اور ٹونوں کی اہمیت پر ہے

ایک عورت اور پرشے پر ہے، دوسرا پرشے اور عورت پر۔ ایک افسانہ ہے جس میں ساس اور بہو کے خوشگوار تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تقریباً سارے کھانوں کے نام ہیں۔ تقریباً ہر قسم کے زیورات اور کپڑوں کا ذکر ہے۔ شادی کی مکمل رسم بیان کی گئی ہے "۔

" یہ سب فرسودہ چیزیں ہیں "۔ تلخ صاحب بولے۔

" اچھا ۔ محفلِ خواتین کے عنوان سے جو کچھ چھپے گا۔ اس کا ایک حصّہ سناتا ہوں۔ ایک خاتون نے لکھا ہے کہ ان کے کان لمبے ہوتے جا رہے ہیں اور ناک چھوٹی ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کسی بھائی یا بہن کو کوئی نسخہ یاد ہو تو پرچے میں چھپوا دیں۔ انہیں آپریشن سے ڈر لگتا ہے۔ اس لئے کوئی دوائی لکھیں۔ ایک خاتون لکھتی ہیں ۔۔۔ میں نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں کہ میری منجھلی ممانی کی خالہ زاد بہن کے ہاں ایک ننھی منی سی بچی پیدا ہوئی ہے۔ بچی اور بچی کی اماں دونوں بفضلِ خدا تعالیٰ بخیریت ہیں۔ بچی کے ابا بھی بفضلِ خدا خیریت سے ہیں، سب بہنیں دعا فرمائیں کہ خدا اس نوشگفتہ کلی کو نیک ہدایت دے اور صراطِ مستقیم دکھائے آمین، اس خوشی میں چار روپے کی حقیر رقم بھیجتی ہوں۔ نیز بڑے افسوس کی بات ہے کہ میرے سوتیلے خالو کے سگے بھتیجے کے دادا جان کا انتقال ہو گیا ہے مرحوم کی عمر صرف اسّی برس کی تھی اس پرچے کو خاص طور پر منگایا کرتے تھے اور بڑے شوق سے پڑھتے تھے، اس غم میں تین روپے کی حقیر رقم ارسال ہے ۔۔۔ ایک اور خاتون نے لکھا ہے ۔ میرے ابا جان خان بہادر فلاں نے فلاں ٹکٹ پر اپنے حریف خان صاحب فلاں کو چار سو ووٹ سے شکست فاش دی ہے، نیز مجھے فلم شاہی ڈاکو کا فلاں گیت ورکار ہے ۔۔۔ ایک محترمہ فرماتی ہیں ۔۔۔ بال کچھ بہت ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی بہن یا بھائی اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں۔ نیز مجھے جلیبیاں پکانے کا بہت شوق ہے۔ اگر کسی کو کوئی نئی ترکیب معلوم ہو تو بذریعہ رسالہ ہذا مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ۔۔۔ ایک صاحبہ نے لکھا ہے ۔۔۔ میں کس زبان سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ اس نے ہم سب کی دعائیں سنیں، ہمارے چھوٹے بھائی کی

منگنی خان بہادر فلاں کی فلاں صاحبزادی سے ہوگئی ہے۔ نیز مجھے یہ گیت درکار ہے جس کے شروع کے بول ہیں — ابھی تو میں جوان ہوں —"

"سب کچھ فرسودہ ہے۔"

"دو اشتہار بھی ہیں، ایک استانی صاحبہ کا بیگ کھو گیا ہے، وہ لکھتی ہیں — پچھلے ہفتے میں سینما سے تانگے میں آ رہی تھی، مجھے سینما کا اتنا شوق تو نہیں ہے بس کبھی کبھی چلی جاتی ہوں، ہوا تیز چل رہی تھی اور میں نے عینک نہیں لگا رکھی تھی۔ میری نگاہ کمزور نہیں ہے۔ بس یونہی کبھی کبھی شوقیہ لگا لیتی ہوں، میں نے عینک کے لئے بیگ کھولنا چاہا، بیگ میں صرف عینک رکھی تھی میک اپ کی چیزیں نہیں تھیں۔ میں میک اپ نہیں کرتی۔"

"یہ اشتہار ترقی پسند نہیں ہے۔"

"دوسرا اشتہار ایک عامل بزرگ نے دیا ہے، ایک تعویذ کے لئے جو دافعِ شرّیات و بلّیات ہے —"

"دافعِ بلّیات ہو یا دافعِ کُتّیات — شائع نہیں ہوگا۔ میں زنانہ چیزیں شامل کرنے کے خلاف ہوں۔"

"میں ایک جدید نظم سناتا ہوں" ایک ترقی پسند شاعر نے سب کو ایک ایک کاغذ دیا جس پر نظم لکھی ہوئی تھی۔

"سنئے — نظم کا عنوان ہے — 'اٹھ مری جان' — عرض کیا ہے —

اُٹھ مری جان سحر آ پہنچی۔
اُٹھ مری جان کہ شب ختم ہوئی۔
چاندنی پھیکی ہے تاروں کی چمک مدھم ہے

صبحِ صادق کا اُجالا پھیلا
اُٹھ مری جانِ چمن جاگ اُٹھا
مُسکراتے ہوئے غنچے جاگے
کلیاں شرمانے لگیں
اور اٹھلانے لگی بادِ نسیم
پھول انگڑائیاں لیتے اٹھے
تیری آنکھوں میں مچلتے ہوئے خواب
تیرا مخمور شباب
تیرے عارض کے گلاب
ابھی مدہوش ہیں مخمور ہیں خوابیدہ ہیں
اُٹھ مری جان سحر آ پہنچی

اُٹھ کے کچھ چائے بنا ——

"پھر وُہی عشق و محبت کا بیکار موضوع، وہی رونا پیٹنا، بیہودہ قسم کی رومان پسندی۔ یہ نظم ہرگز ترقی پسند نہیں ہے۔ ترقی پسند شاعری میں تلخاب، زہراب، پژمردہ شباب، خون بھرا جام، حیات و موت کی کش مکش —— اور اسی قسم کے دیگر لوازمات ہوتے ہیں —— مجھے یہ نظم پسند نہیں آئی"۔ تلخ صاحب بولے۔

"میں نے داڑھی پر مضمون لکھا ہے"۔ ایک ادیب اپنی عینک درست کرنے لگے "جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی چیز ہے۔ ایک مرتبہ میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں یونہی داڑھی

رکھ لی۔ کالج کھلا، عربی کے پروفیسر نے میری اتنی تعریفیں کیں کہ بس ـــــ داڑھی سے چہرہ نورانی معلوم ہوتا ہے ـــ انسان مرد دکھائی دیتا ہے۔ شیر معلوم ہوتا ہے۔"

"کون سا شیر؟ سرکس کا یا جنگل کا؟" شیطان نے پوچھا۔

"غالباً جنگل کا ـــ خیر خوب تعریفیں ہوئیں، اسی شام کو سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے داڑھی کا کچھ حصہ جلا لیا۔ آئینہ دیکھا تو حالات اس قدر نازک ہو چکے تھے کہ مجھے مکمل داڑھی صاف کرنی پڑی۔ اگلے روز وہی پروفیسر جو میرے پیچھے پڑے ہیں ـــ اس مردود کی شکل تو دیکھو کیسی نحوست برس رہی ہے، بدبخت، نابکار، بدنصیب، منحوس، خدا جانے کیا کچھ کہا۔ سالانہ امتحان ہوا ـــ میں عربی میں فیل تھا ـــ"

"کب؟ کہاں؟" شیطان نے سوال کیا

"کون؟"

"بھئی ـــ"

"کیوں؟"

"اچھا؟"

"تو اس روز میں نے تہیہ کر لیا کہ ڈاڑھی کے متعلق اپنے خیالات ضرور چھپواؤں گا۔ کالج میں ایک داڑھی والے حضرت نئے نئے آئے تھے ساری دوپہر لائبریری میں گذارتے تھے۔ پروگرام کے مطابق میں نے پونے دو روپے کی ایک مصنوعی داڑھی خریدی اور لگا کر اسی میز پر بیٹھنے لگا۔ ایک دوپہر چند دوست آ گئے ایک بولا ـــ بھئی گرمی بہت ہے ٹوپی اتار دو ـــ سب نے ٹوپیاں اتار دیں۔ کچھ دیر کے بعد دوسرا بولا ـــ توبہ توبہ کتنی گرمی ہے شیروانیاں اتار دو ـــ سب نے شیروانیاں اتار دیں پھر تیسرا بولا ـــ پسینے میں شرابور ہو رہے ہیں۔ داڑھی پہن رکھی ہے، اتار و اسے ـــ میں نے

داڑھی اتار دی۔ میرا داڑھی اتارنا تھا کہ سب آں حضرت کے پیچھے لگ گئے۔ آپ بھی داڑھی اتار دیجئے۔
اتنی گرمی ہے۔ ہم سے دیکھا نہیں جاتا ___ اب اتار بھی دیجئے داڑھی"۔

" بالکل بوسیدہ خیالات ہیں بھلا داڑھی سے سماج کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ___" تلخ صاحب
منہ بنا کر بولے۔

اب بڈھی کی باری تھی۔ اس نے جیب سے کاغذ نکالے ___ "میں نے اپنے کالج کے چند واقعات
لکھے ہیں۔ گھر سے کالج آنے کے وقت ہمیں بس میں سفر کرنا پڑتا تھا۔ کوئی آدھ گھنٹے کا سفر ہوتا۔ میرا ایک
دوست کونے میں ایک کتاب لے کر بیٹھ جاتا اور بڑے غور سے پڑھنے لگتا ___ پڑھتے پڑھتے قہقہہ مار کر
ہنستا، پھر یکلخت سنجیدہ ہو جاتا ___ کچھ دیر کے بعد زار و قطار رونے لگتا ___ مسافر اس کی طرف متوجہ
ہو جاتے ___________________ وہ چپ چاپ نظریں جھکائے
صفحے الٹتا رہتا، کبھی جھنجھلا کر اپنے بال نوچتا۔ کبھی مسکرا کر سر مٹکانے لگتا ___ پھر رونا شروع کر دیتا۔
___ ہر ایک مسافر کی یہی کوشش ہوتی کہ کسی طرح اسے اس عجیب و غریب کتاب کا نام معلوم ہو جائے
لیکن وہ اسے چھپائے رکھتا۔ سفر کے اختتام پر بڑے اطمینان سے کتاب سب کے سامنے کھول دیتا
۔ کتاب کے سارے صفحے خالی ہوتے، کسی صفحے پر ایک لفظ بھی نہ ہوتا ___ پھر ہم چند دوستوں نے
ایک بنچ خریدی اور کالج کے سامنے والے باغیچے میں رکھ دی۔ جب کوئی پولیس والا نظر آتا ہم بنچ اٹھا کر
چوروں کی طرح بھاگتے، وہ ہمارا تعاقب کرتا، بڑی مصیبتوں کے بعد جب ہمیں پکڑتا تو ہم اسے
بنچ کی رسید دکھا دیتے"۔

" یہ بھی کچھ نہیں ___ اس میں نہ جدّت ہے نہ افادیت ___ ایسی چیزیں پڑھنے والوں کو سوائے
ایک وقتی تفریح کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے ___ مجھے ترقی پسند ادب چاہئے"۔

" ایک پلاٹ میرے ذہن میں ہے" شیطان بولے "اس میں چار کردار ہیں، ایک کسان،

ایک سرمایہ دار، ایک طوائف اور ایک مریل سا نوجوان جیسے دُنیا بھر کی بیماریاں ہیں — یہ لوگ ایک خفیہ جماعت بناتے ہیں۔ پھر اُن کا تجزیۂ نفسی ہوتا ہے۔ اُن کے تحت الشعور اور لاشعور تباہ ہو جاتے ہیں، دو کردار تو خودکشی کر لیتے ہیں، دو ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتے ہیں — اور —"

تلخ صاحب بولے "بس بس — مجھے ایسی کہانیاں درکار ہیں — اسے تم اگلی اشاعت کے لئے لکھنا — اس اشاعت میں صرف میری چیزیں ہوں گی —"

بڈی نے میرے کان میں کہا — "میں مرتے وقت اپنے بچوں کو نصیحت کروں گا کہ پیارے بچو! قطب صاحب کی لاٹھ سے سر کے بل چھلانگ لگا دینا مگر مچھوں کو گُدگُدی کرنا، بحرالکاہل میں غوطے لگانا — مگر صرف ایک بات سے گریز کرنا — ترقی پسند مت بننا۔"

ہم نے بڈی سے مشورہ کر کے ایک پروگرام بنایا۔ تلخ صاحب سے ہم نے التجا کی کہ وہ ازراہ کرم ہر اتوار کو ہمیں اپنے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔ وہ متعجب ضرور ہوئے لیکن انہوں نے اجازت دے دی۔ اُن کے ہاں رہ کر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ہر دو گھنٹے کے بعد ایک گرم اور میٹھی چیز پیتے ہیں۔ یہ اُن کی خوش فہمی ہے کہ وہ اسے چائے کہتے ہیں۔ دوپہر کو بھاری بھرکم لنچ کھاتے ہیں۔ سارا دن عینک لگائے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اُن کا فرنیچر خستہ حالت میں ہے۔ کپڑوں پر استری نہیں ہوتی، دیواروں کا رنگ اُڑ چکا ہے۔ بلب فیوز ہو چکے ہیں، فقط ایک بلب ہے وہ بھی ٹمٹماتا ہوا۔ ہر وقت انہیں اپنے کتے کا وہم رہتا ہے جسے وہ کبھی دُور سے ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہیں کبھی نزدیک آ کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتے ہیں۔ انہیں یہ یقین ہو چکا ہے کہ کتا انہیں نہیں پہچانتا، اجنبی سمجھتا ہے اور کتا سارا دن سر جھکائے دُنیا کی بے ثباتی پر غور کرتا رہتا ہے، نہ اُسے کچھ کھانے کو ملتا ہے نہ اُسے کبھی باہر نکالا جاتا ہے۔ کبھی تلخ صاحب کا جگر خراب ہو جاتا ہے کبھی دل بیٹھنے لگتا ہے، کبھی گُردے

ستیہ گرہ کر دیتے ہیں۔ ان کے پاس طب کی چند کتابیں ہیں جن کا وہ باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں جو نئی بیماری پڑھتے ہیں۔ وہ فوراً انہیں ہو جاتی ہے۔

بڈتی بولا: "اگر اس شخص کو ہم درست کر سکے تو یہ بہت بڑی سوشل خدمت ہو گی، اگر بہت جلد کچھ نہ کیا گیا تو یہ رسالے کے ذریعے اپنی بیزاری دُور دُور تک پھیلا دے گا۔"

سب سے پہلے ہم نے کتّے کو لیا۔ ہم نے تلخ صاحب سے کہا کہ کتّے کی بینائی کمزور ہو چکی ہے۔ اسے عینک کی ضرورت ہے۔ تلخ صاحب سبورنے لگے۔ "اگر اس کی پیاری پُر شفقت وفادار آنکھوں پہ عینک لگ گئی تو اس کی خوبصورتی میں فرق آجائے گا۔"

"ہم فرق نہیں آنے دیں گے — ہم اسے بغیر فریم کی عینک لگائیں گے جس سے یہ اور بھی حسین معلوم ہو گا۔"

"مگر اس کی بینائی کس طرح ٹسٹ ہو گی، حروف تو یہ پڑھ نہیں سکتا۔"

"ہم اس کی ایک آنکھ بند کر کے اسے مختلف فاصلوں سے ہڈیاں دکھائیں گے، جہاں تک اسے ہڈی نظر آئی یہ دوڑے گا۔ اس فاصلے کو ماپ کر اس کی دوسری آنکھ دیکھی جائے گی پھر کسی ڈاکٹر سے عینک کا نمبر لے آئیں گے۔"

"مگر اس کے چہرے پر عینک کی جگہ ہے کہاں۔ اس کی ناک بیٹھی ہوئی ہے اور کان اتنے ملائم ہیں عینک کہاں ٹھہر سکے گی۔"

"آپ بے فکر رہیئے۔"

ہم نے جھوٹ موٹ بینائی ٹسٹ کی اور ایک فضول سی عینک بنا کر کتّے کے منہ پر لگا دی۔ عینک کی کمانیاں کانوں کے گرد پیٹ کر کس دی گئیں۔ تلخ صاحب کتّے کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے۔

طب کی ساری کتابیں کباڑیے کے ہاں پہنچا دی گئیں۔ دیواروں پر سفیدی کرائی گئی۔ کہیں کہیں

چمکیلا والی پیپر بھی لگایا گیا۔ فرنیچر پالش کرایا گیا۔ نہایت تیز بلب جگہ جگہ لگائے گئے۔ ایک سیکنڈ ہینڈ استری خرید کر لائے۔ نوکر کو استری کرنا سکھایا اور اُسے تاکید کی گئی کہ صبح شام دو وقت کپڑوں پر استری کیا کرے اور ہوٹل سے چاء لانے کی بجائے ہلکی سی چاء خود بنا کر تلخ صاحب کو دیا کرے۔ تلخ صاحب کی عینکیں بالکل میلی رہتی تھیں۔ نوکر کو ایک ملائم سا کپڑا دیا گیا کہ شیشے صاف کر دیا کرے۔

تلخ صاحب کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی۔ لیکن اُن کا ہاضمہ درست نہ ہوا۔ بڈی بولا۔ دوائیاں لائیں گے — لیکن میں نے مشورہ دیا کہ ان کا لنچ بند کرا دیا جائے۔ ہم اُن کے پاس گئے اور بڈے پُردرد لہجے میں بولے — "ہم سماج کے نام پر ایک التجا کرنے آئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمیں مایوس نہ لوٹایا جائے گا — سماج، جنتا، سوسائٹی — ان کا تقاضا ہے کہ آپ لنچ چھوڑ دیجئے"

"آخر کیوں؟"

"کیا آپ نہیں جانتے کہ ہندوستان میں ایسے انسان بھی ہیں جنہیں ایک وقت بھی کھانا نہیں ملتا اور آپ ہیں کہ تین مرتبہ کھانا کھاتے ہیں اور سارا دن چاء پیتے رہتے ہیں —"

"مگر میرے لنچ چھوڑ دینے سے کیا فرق پڑے گا —؟"

"آپ جانتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ارادوں سے بڑی بڑی تبدیلیاں ظہور میں آتی ہیں۔ آپ لنچ چھوڑیں گے، ہم دونوں نے پہلے ہی چھوڑ رکھا ہے، دیکھا دیکھی اور لوگ بھی چھوڑنے لگیں گے، ممکن ہے کہ سارا ہندوستان لنچ کھانا چھوڑ دے اور آہستہ آہستہ سارا ایشیا — اور پھر کسی دن ساری دُنیا —"

تلخ صاحب مان گئے۔

شیطان کا خیال تھا کہ پہلے پرچے کے ساتھ تمنا خانم کا نام جاوداں ہو جائے گا — تمنا کی

بے رُخی بڑھتی جا رہی تھی۔ شیطان ہر روز اُس سے ملنے جاتے ـــــ ایک اور لڑکی کی باتیں کرنے ـــــ اُسے بتاتے کہ آج اُس لڑکی نے یہ کہا ہے، مجھے مشورہ دو کہ میں اسے کیا کہوں ـــ اگلے روز جا کر بتاتے کہ میرے یہ کہنے پر اس لڑکی نے یوں کہا۔ میں نے یہ کہا تو وہ یہ بولی ـــــ اب بتاؤ میں اُسے کیا کہوں ـــ کچھ روز تو یوں ہوتا رہا۔ پھر ایک روز تمنا نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں لڑکی وڑکی کوئی بھی نہیں ہے، یہ مجھ سے ملنے کا بہانہ ہے ـــ"

شیطان بولے ـــ "تمہارا قیاس درست ہے لیکن میں کروں بھی تو کیا کروں، اوّل تو تم ملتی نہیں، جب کبھی ملتی ہو تو سہ پہر کو ملتی ہو، بھلا گرمیوں کی سہ پہر کو میں تمہیں کیونکر اپنے اُوپر عاشق کرا سکتا ہوں ـــ کاش کہ ہم ایران میں ملتے ـــ سرو کے درختوں اور قالینوں کے انباریں ـــــ مرتبانوں پر بیٹھ کر چائے پیتے ـــــ آہ ایران ـــ میرے ایک بوڑھے دوست کی نانی اماں ایران کی ہیں ـــ مجھے اُن نانی اماں سے ـــ"

"لفظ نانی کافی ہے ـــ اس میں اماں لگانے کی کیا ضرورت ہے ـــ اور پھر یہ آپ بار بار ایران کا ذکر کیوں لے بیٹھتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو ایران مجھے خود پسند نہیں ہے۔"

"مگر ایران تو ـــ"

"بہتر ہوگا کہ اگر آپ ایران کا ذکر بالکل نہ کیا کریں۔"

"مگر ـــ"

"پہلے ہی آپکے احسانات کافی ہیں۔ آپنے جو کچھ کیا ہے۔ اُس کے لئے شکریہ ـــ"

"مگر میں نے تو ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا ـــ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایرانی ایسے ہوتے ہیں۔"

"خدا کے لئے آپ آئندہ مجھ سے کسی قسم کی گفتگو مت کیجئے۔"

"بہت بہتر ـــ" شیطان اپنی ٹوپی اٹھا کر بولے ـــ "جو کچھ ہوا۔ اس کا مجھے افسوس ہے

شیطان کو رسالے کا بہت ہی زیادہ افسوس ہے۔

اسی شام چھ بجے یا ساڑھے چھ کے وقت بڈی کے لئے فون آیا۔ ہم کان لگا کر سننے لگے۔ بڈی کسی عورت سے گفتگو کر رہا تھا — جی ہاں! میں بڈی بول رہا ہوں — جی نہیں یہاں نہ تلخ صاحب ہیں نہ رومی میاں — آپ بیٹھئے — آپ نے کیا فرماتی ہیں — آپ کو رومی سے نفرت ہے؟ — میں انہیں جانتا ہوں؟ — نہیں معاف فرمائیے مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا — تلخ صاحب آپ کو ملے تھے؟ — وہ ہر روز آپ سے ملتے ہیں؟ — کیا فرمایا؟ — آپ کو وہ اچھے لگتے ہیں؟ — آپ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؟ — جی نہیں وہ حسین ہرگز نہیں ہیں۔ آپ نے انہیں غور سے نہیں دیکھا۔ آپ تلخ صاحب سے شادی کرنے والی ہیں؟ — بڑی خوشی کی بات ہے — اچھا۔ تمنا صاحبہ آداب عرض ہے۔

اسی قسم کے فون دو تین مرتبہ اور آئے۔

اس کے بعد بہت کچھ ہوا۔ رسالے کی اشاعت التوا میں پڑ گئی۔ شیطان اور تلخ صاحب کی دوستی ختم ہو گئی۔ جو صاحب رسالے کو مالی امداد پہنچانے والے تھے وہ غائب ہو گئے۔ تمنا کا ذکر کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا۔ تلخ صاحب کے کمروں میں روشنی رہنے لگی۔ ان کا کتا انہیں پہچاننے لگا۔ ان کی صحت بہتر ہوتی گئی —

بڈی کا تبادلہ ہو گیا۔ شیطان کا کالج کھل گیا۔ میں نے بھی تبادلہ کرا لیا اور ہم سب تمنا کو بھول گئے — لڑکی کو بھی اور رسالے کو بھی —

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

ہم ایک ہوٹل کے بڑے کمرے میں بیٹھے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد کافی کا دور چل رہا ہے یہاں ایک فلک شگاف قہقہہ سنائی دیا۔ مڑ کر دیکھا۔ ایک موٹا تازہ تندرست شخص ہنس رہا تھا۔ یونہی وہم سا ہوا۔ ہم نے بیرے کو بھیجا کہ ان صاحب سے پوچھنا کہ ان کا اسم شریف تلخ صاحب تو نہیں ہے۔

بیرے نے آکر بتایا کہ تلخ صاحب اُن کا پرانا اسم شریف تھا۔ اب انہیں مسرور صاحب کہا جاتا ہے۔

مسرور صاحب نے ہمیں دیکھا اور ہنستے ہوئے آئے اور ہم سے لپٹ لپٹ کر ملے۔ انہوں نے بتایا کہ آج کل وہ بزنس کرتے ہیں اور کافی امیر ہو گئے ہیں۔ ہم نے مضمون نگاری کے متعلق دریافت کیا بولے — "میں تم دونوں کا احسان عمر بھر نہیں بھولوں گا۔ جب سے میں نے لکھنا چھوڑا ہے۔ میرا ہاضمہ درست ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مضمون نگاری کی شکایت بھی جاتی رہی۔ اب خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہوں۔ مجھے کوئی بیماری نہیں رہی — ضعفِ جگر، مالیخولیا، مضمون نگاری اختلاجِ قلب — سب دفع ہوئے۔ اور ہاں وہ ماہنامہ تمنا کا سائن بورڈ میرے ہاں پڑا ہے اپنا پتہ بتا دو تو میں بھجوا دوں —"

"یہ تم نے کیا یاد دلا دیا" شیطان بولے — "مجھے تمنا یاد آگئی۔ گو اُس نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کیا۔ پھر بھی میں نے اُسے معاف کر دیا تھا۔ ایرانی واقعی ہم سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اُن کی عادات، اُن کے خیالات، اُن کی باتیں — سب مختلف ہیں۔ مجھے ایران سے الفت ہے۔ میں یہاں ہوں لیکن میرا دل ایران میں ہے — ایران جو میری تمنا کا وطن ہے —"

"لیکن وہ لڑکی ایرانی تو نہیں تھی" — تلخ صاحب چونکے

"سچ مچ؟"

"ہاں سچ مچ — وہ ایسی ہی ایرانی تھی جیسے تم روسی ہو یا میں چینی ہوں۔"

"تو پھر اُس کے آباؤ اجداد ایران سے آئے ہوں گے۔"

"اُس کے آباؤ اجداد آئے ضرور تھے لیکن ایران سے نہیں بلکہ شیخوپورہ سے آئے تھے۔ ویسے یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں کبھی کبھی ایران —"

"آپ کو شروع سے اس کا علم تھا —" شیطان چمک کر بولے

"ہاں"۔

"تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا — اور پھر جب آپ جانتے تھے کہ میں اُس کی جانب ملتفت ہوں تو آپ کو عاشق ہونے کی کیا ضرورت تھی — خیر — میں نے آپ کو مُعاف کیا —"

"کون عاشق اور کس کا عاشق" — تلخ صاحب بولے "میں تمنّا پر کبھی عاشق نہیں ہُوا۔ اگر دُنیا میں طوفان آجاتا اور طوفان کے بعد کرۂ ارض پر صرف میں اور تمنّا رہ جاتے۔ تب بھی میں اُس پر عاشق نہ ہوتا — مگر یہ عاشق ہونے کی اُڑائی کس نے تھی — ؟"

"بات دراصل یہ ہے" — بڑی شرماتے ہنستے بولا "وہ جو ٹیلیفون پر باتیں ہُوا کرتی تھیں۔ وہ سب بناوٹی تھیں۔ تمنّا نے مجھے کبھی فون نہیں کیا۔ میں اُس سے رُوفی کی بُرائیاں بھی کرتا رہا ہُوں۔ — لیکن —"

"تو بڑی تم بھی ایسے نکلے۔ خیر جاؤ میں نے تمہیں بھی معاف کیا — میں نے سب کو معاف کیا — لیکن وُہ لڑکی خوب تھی۔ کیا مجال سو اُس سے کوئی ایسی ویسی بات تو کر لے بڑے سخت اُصول تھے اُس کے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے میری اُنگلیاں اُس کی اُنگلیوں سے چھو گئیں — اس قدر خفا ہُوئی کہ بس —"

"لیکن اُس رات تم" — تلخ صاحب میری طرف مخاطب ہو کر بولے۔ میں نے جلدی سے اُن کا پاؤں دبا دیا۔

"اُس رات کیا ہُوا تھا؟" — شیطان کڑک کر بولے — "بتاؤ کیا ہوا تھا اُس رات —؟"

"بات یہ ہے رُوفی"۔۔۔ میں سر جھکا کر بولا"۔ ایرانیوں کے رسم و رواج تو تم جانتے نہیں ہو، رخصت ہوتے وقت چومنے کا رواج ہے"

"وہ ایرانی نہیں تھی"۔۔۔ شیطان چلّائے۔۔۔ "خیر میں نے تمہیں بھی معاف کیا۔ خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تُو نے مجھے ایسے مخلص اور جان نثار دوست عطا فرمائے ہیں۔ میں ان کو معاف کرتا ہوں یہ نا سمجھ ہیں۔۔۔ بے بہرہ ہیں۔۔۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ میں نے اُن کو معاف کیا تُو بھی معاف فرما۔۔۔"

شیطان اُٹھ کھڑے ہوئے اور ٹہلنے لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے بالکنی میں جا کھڑے ہوئے۔ چودھویں کا چاند بالکل اُن کے سر کے پیچھے تھا جب "وہ از بال و پر غبار نما"۔ . . والا شعر بار بار پڑھ رہے تھے تو اُن کے چہرے پر عجب شان تھی۔ عجب۔ دلبرانہ وقار تھا، عجب بے نیازی تھی۔۔۔ جو سب کچھ تج دینے والوں کا حصّہ ہے۔

اُن کے چہرے پر وہ نُور تھا، جو صرف کسی ولی اللہ کے چہرے پہ آیا کرتا ہے۔ مستقل طور پر یا تھوڑے عرصے کے لیے۔

اُن کے سر کے گرد چاند نورانی ہالہ بنائے ہوئے تھا۔

لیکن ہم یہی سوچ رہے تھے کہ اُن کا چہرہ مسکراہٹ کے بغیر بہتر معلوم ہوتا ہے۔

# حماقتیں

میں ڈرتا ڈرتا میس میں داخل ہوا۔ بڑا کوٹ اتارا، پوستین اتاری کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔
مُوڈی جونز انگیٹھی کے پاس بیٹھا اپنے بچپن کے قصے سُنا رہا تھا۔ "جب میں چھوٹا سا تھا تو بزرگوں نے میری آئندہ تعلیم کے متعلق تصفیہ کرنا چاہا کہ میں انجینیرنگ پڑھوں یا قانون۔ وہ بولے بچہ خود اپنی پسند بتائیگا۔ اُنہوں نے نرس کے ایک ہاتھ میں ترازو دی اور دوسرے ہاتھ میں پرکار اور مجھ سے کہا کہ جو پسند آئے چن لو۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ بڑے غور و خوض کے بعد جانتے ہو میں نے کیا کیا۔ میں نے نہایت لاجواب انتخاب کیا۔ میں نے نرس کو چن لیا۔"

مُوڈی نے پائپ کا ایک کش لگایا اور بولا "بچپن میں مجھے پرندوں کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ میں ایک بڑے شہر کے باغ میں سیر کر رہا تھا کہ مجھے ایک نہایت خوشنما طوطا دکھائی دیا جو ایک شاخ پہ بے خبر بیٹھا تھا۔ میں پکڑنے کی نیت سے دبے پاؤں قریب پہنچا، آہستہ سے پتوں میں ہاتھ ڈالا اور پکڑنے ہی لگا تھا کہ طوطے نے ایک دم پیچھے مڑ کر کہا "کیا چاہتے ہو؟" میں اتنا گھبرا گیا کہ جلدی سے اپنی ٹوپی اُٹھا کر بولا۔

"معاف کیجئے حضرت! میں سمجھا تھا کہ آپ کوئی پرندے ہیں۔"

"یہ لینکی کہاں چلا گیا؟" کسی نے پوچھا۔ لینکی میرا نام تھا۔ میں اُن سب میں لمبا تھا اور ان دنوں کچھ دبلا بھی تھا۔

"ٹونی کے ہاں ہوگا۔ بڑا انتظار کراتا ہے۔" میں ٹونی کے ہاں سے آ رہا تھا۔ باہر اندھیرا تھا اور سخت سردی پڑ رہی تھی۔ دروازہ کھول کر چوروں کی طرح اندر جھانکنے لگا۔ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا۔ اب تک کہاں تھے؟ کہاں سے آ رہے ہو؟ ضرور ٹونی کے ہاں گئے ہو گے۔ اکیلے کیوں گئے تھے؟ لعنت ہے! — جو لی ملی کیا؟ — کیا حال ہے جولیٹ کا؟ — یہ اکیلے ہی اکیلے۔

میں نے اقبالِ جرم کر لیا۔ وہ بولے۔ اچھا تو جولی کی نئی تصویریں نکالو۔ میں نے کہا ابھی تک نہیں ملیں۔ بولے۔ ضرور لائے ہو ہمیں دکھاتے نہیں۔ میں نے ایک تصویر جیب سے نکالی۔ "یہ ایک تصویر ہے ٹونی کی" — اُس تصویر میں ٹونی اپنی بیہودہ سی موٹر کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایک پاؤں موٹر کے تختے پر تھا اور دوسرا زمین پر۔ ہاتھ میں بندوق تھی، چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور سامنے ایک چھوٹا سا پرندہ مرا پڑا تھا۔ اُن کی موٹر بالکل خستہ حالت میں تھی۔ ہم حیران ہوا کرتے کہ یہ چلتی کیونکر ہے، ضرور اسے کوئی روحانی طاقت چلاتی ہے۔ تصویر پر مختلف تبصرے ہوئے — "ایک چھوٹا سا پرندہ مار کر اتنے خوش کیوں ہیں؟"

"اس میں خوش ہونے یا فخر کرنے کی بات کون سی ہے؟ — آخر مارا کیا ہے اُنہوں نے؟"

بڈھی بولا "پرندہ درندہ کچھ نہیں۔ ٹونی موٹر مار کر لائے ہیں۔"

اور واقعی وہ موٹر تھی ہی ایسی۔ ٹونی اسے خود چلایا کرتے تھے اور چلاتے وقت ادھر اُدھر کے نظاروں سے بھی لطف اندوز ہوا کرتے۔ ساتھ [illegible] احساس ہو جاتا۔ موڑ ہے یا چڑھائی

نشیب ہے یا سامنے سے موٹر آ رہی ہے۔ ٹونی اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ "وہ دیکھو سامنے اُس پہاڑ پر برف پڑنی شروع ہو گئی ہے۔ وہ سرو کے درخت دیکھے تم نے — آہا! وہ دُور پھولوں کے تختے خوب ہیں —"

بِل نے ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا — "اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"میرا دُوسرا ہاتھ ہے۔" میں نے دونوں ہاتھ دکھا دیئے۔ اُن دنوں سب مجھ پر شبہ کرتے تھے۔

ہم کھانا کھا رہے تھے۔ مچھلی کے سالن میں شوربا ہی شوربا تھا۔ مُوٹا سی بیرے سے بولا۔ "ذرا میرے کمرے سے دوڑ کر مچھلیاں پکڑنے کی ڈور تو لے آؤ۔" یوں کچھ پلے نہیں پڑ رہا اور لینگی تم کھا نہیں رہے آج جولیٹ کو جی بھر کے دیکھا ہوگا۔ بخدا کیا لڑکی ہے اور پھر یہی اُس کے دن بھی ہیں۔ عورت کی زندگی کے بہترین دس سال بیس برس سے پچیس برس تک ہیں۔"

"جولیٹ نے آج پہن کیا رکھا تھا؟" ایک طرف سے آواز آئی۔

"کپڑے!" میں نے جواب دیا

"کپڑے کیسے تھے؟" پوچھا گیا

"اُون کے بنے ہوئے تھے۔" میں نے بتایا

"تمہیں لڑکیوں کے لباس میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟" کسی نے پوچھا

"لڑکیاں!" میں نے جواب دیا۔

"شارٹی ہسپتال میں داخل ہو گیا ہے؟" بِل بولا

"اچھا؟ — کب تک واپس آ جائے گا؟"

"ابھی دیر لگے گی۔ شاید کافی دیر لگے۔"

"کیوں کیا تم وارڈ کے ڈاکٹر سے ملے تھے؟"

"نہیں! میں نے وارڈ کی نرس دیکھی تھی۔"

"یار عجب انسان ہے یہ ننا رکی۔ بھوتوں سے ڈرتا ہے ـــ یہی مرض لے کر ہسپتال میں داخل ہوا ہے۔" پوزی بولا

"مجھے بھی اُس نے بتایا تھا۔" موڈی نے کہا۔ "کہ ایک بھوت خواب میں آ کر اس کے بستر کے سامنے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور رات بھر اسے گھورتا رہتا ہے ـــ میں نے تو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ کرسی وہاں سے ہٹا دو بلکہ کمرے کی سب کرسیاں نکال دو۔"

"بھلا یہاں کہاں رکھے ہیں بھوت۔ اور پھر ایسی سردی میں۔" بل بولا۔

"یہ تو تم مت کہو۔" موڈی بولا۔ "بھوت تو یہاں ہیں۔ ابھی چند دنوں کا ذکر ہے کہ مجھے رات بھر بھوتوں نے ڈرایا۔ میرا تعاقب کیا۔ مجھے پیٹنے کی دھمکی دی، میرا منہ چڑایا ـــ"

"تم سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے؟"

"سو رہا تھا، یہ سب خواب میں ہوا۔"

"تو تم جاگ کیوں نہ اُٹھے؟"

"واہ! جاگ اُٹھتا اور بھوتوں پر یہ ظاہر کرتا کہ میں بزدل ہوں۔"

"یہ تو خواب تھا۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں بھوت نہیں ہیں۔ میں نے جغرافیے میں پڑھا تھا۔"

"ابھی کچھ دن ہوتے۔" موڈی بولا۔ "میں آدھی رات کو سینما سے واپس آ رہا تھا۔ بڑا سخت اندھیرا تھا۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ میں بے خبری میں آ رہا تھا۔ اچانک ایک بھاری بھرکم جسم سے میری ٹکر ہوئی۔ میں نے چونک کر کہا بھئی تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔ میں سمجھا تم بھوت ہو ـــ وہ جسم بولا۔ ـــ تو اور میں کیا ہوں ـــ یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔"

"اچھا —" پونزی کے ہاتھ سے چمچہ گر گیا۔

"یہ کس جگہ کا ذکر ہے؟" پینزی سہم کر بولا

"ٹونی کے بنگلے کے ساتھ جو موڑ ہے وہاں کا" — اب پھر ٹونی کا ذکر شروع ہو گیا۔

موڈی بولا " ویسے ٹونی نہایت نفیس انسان ہیں — انسان کو شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ان کے پاس ہے۔ جامہ زیبی کی ضرورت ہے۔ اُن پر لباس بہت سجتا ہے۔ اچھی آواز کی ضرورت ہے، اُن کی آواز بہت اچھی ہے۔ اچھے دماغ کی ضرورت ہے۔ اُن کی آواز بہت اچھی ہے"

"اور اپنے بچے — وہ کیسے ہیں؟"

"ان کا ذکر کرتے وقت مجھے کیمپ کی ڈیوٹی یاد آجاتی ہے — شاید اس مرتبہ میری باری ہے اسی فکر میں میں کئی دنوں سے بالکل نہیں سویا۔"

"کئی دنوں سے نہیں سوتے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اس لئے کہ میں ہمیشہ رات کو سویا کرتا ہوں" — موڈی بولا " اور وہ کمبخت کیمپ اس قدر اُجاڑ تھا کہ وہاں سنتری رات کو ذرا سی آہٹ پا کر چلّا اُٹھتے تھے — ہالٹ! میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں — کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ہیت کیمپ پر جا رہا ہے۔ ٹونی نے اُسے روک لیا اور چلّا کر کہا کہ —"

"کیا کہا —" ہیت نے بے صبر ہو کر پوچھا۔

"بس اتنا ہی خواب دیکھا تھا، بقیہ خواب آج رات کو دیکھ کر بتاؤں گا۔ چلو ریڈیو سنتے ہیں"

ہم کافی کی پیالیاں لے کر ریڈیو کے کمرے میں چلے گئے۔ موڈی کو ڈھولک کے گیت بہت پسند تھے۔ اُن گیتوں پر وہ خوب ناچتا تھا۔ میں نے سٹیشن بدلے اور کہیں سے ایک ڈھولک کا گیت نکال ہی لیا۔ موڈی نے نہایت اچھا ناچا۔ گیت کے بعد کوئی صاحب طبلہ بجانے لگے — صرف طبلہ بج

رہا تھا۔ نہ جانے تین تالہ تھا یا چار تالہ یا پانچ تالہ ـــ کچھ ایسی آواز آرہی تھی ـــ تیڑتم ـــ تیڑتم ـــ تیڑتم ـــ !"

مُوڈی بولا "یہ شخص مِس فائرنگ کر رہا ہے"۔

پوزی اور پینزی سیکنڈ شو کے لیے مُصر تھے۔

بِل کہہ رہا تھا چلو شارٹی سے ملیں۔ وہ نرس بھی وہیں ہو گی۔ ہیف کو زکام تھا۔ وہ جلد سونا چاہتا تھا

مُوڈی بولا "اچھا ٹاس کر لو"

اس ٹاس سے موڈی نے بڑے بڑے جھگڑے چکائے تھے۔ اُس نے جیب سے سکہ نکال کر اچھالا اور بولا "چہرہ ـــ چہرہ ہی تھا۔

پھر موڈی نے رات کی دُعا مانگی جو وہ ہر شب کو مانگتا تھا ـــ "یا خُدا موڈی جُونز پر رحم فرما اُس موڈی جونز پر نہیں جو مانچسٹر میں رہتا ہے بلکہ اُس موڈی جونز پر جو اس میس کے دس نمبر کمرے میں رہتا ہے"۔

موڈی کا ایک ہمنام واقف مانچسٹر میں رہتا تھا۔

ہمارا قیام پہاڑی علاقے میں تھا۔ جہاں ہر سال برفباری ہُوا کرتی۔ ہمارا میس ایسا تھا۔ جہاں سب کچھ ممکن تھا اور اکثر ہو جایا کرتا تھا میس کے باغیچے میں جگہ جگہ لکھا تھا ـــ براہِ کرم گھاس پر چلیے ـــ پھول ضرور توڑیئے۔ شکریہ ـــ باہر دروازے پر لکھا تھا "کتوں کو لانا منع تو نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں پہلے ہی بے شمار کتے اور بلیاں موجود ہیں" ـــ اس نوٹس کو پڑھ کر ایک مرتبہ ایک حساس کتا واپس چلا گیا تھا اور ہمیں اُسے منا کر لانا پڑا۔ ایرانی بلیاں اتنی موٹی ہوتی تھیں کہ تعداد سے گنتے معلوم ہوتی تھیں اور کئی کتے ان سے ڈرتے بھی تھے ـــ کمروں کے باہر کئی جگہ لکھا تھا "خاموش رہو"۔

مت رہیئے ــ عنایت ہوگی"۔

بس میں ہر وقت دھما چوکڑی مچی رہتی کئی حضرات شغل کے طور پر بڑھئی کا کام سیکھ رہے تھے چند حضرات بڑی موٹی آواز کے ساز بجایا کرتے۔ ہر کمرے میں ریڈیو یا گراموفون ضرور تھا اور پھر کتوں اور بلیوں کا آپس میں تبادلہ خیالات ٹھکر بجیاں اور جھنگیاں، پالتو پرندوں کا شور۔

بس میں ہم چالیس کے قریب تھے۔ لیکن ہماری پارٹی کے صرف سات ممبر تھے۔ مُوڈی، ہیف، شارٹی، بِل، پوڑی، پنیزی اور میں جسے لینکی کہا جاتا تھا۔ پہلے میں ایک بڑے کمرے میں رہا کرتا تھا جس میں ایک صاحب رات کو سوتے سوتے بولا کرتے تھے اور دُوسرے صاحب سوتے سوتے اُن کی باتوں کا جواب دیا کرتے۔ وہ کمرہ میں نے تبدیل کر دیا اور مُوڈی کے کمرے کے پاس چلا آیا اُسی ہفتے موڈی اور میں دوست بن گئے۔ ہوا یوں کہ میں کھانا ختم کر چکا تھا اور میرے سامنے مُوڈی بیٹھا تھا۔ میں نے اُس سے پُوچھا کہ اگر میں سگریٹ پیئوں تو آپ کو بُرا تو نہیں معلوم ہوگا۔ اُس نے مُسکرا کر کہا ــ بُرا تو بعد میں لگے گا۔ پہلے ایک سگریٹ مجھے دو ــ پھر رات کو ڈنر کے بعد گانے گائے گئے۔ مُوڈی نے ایک عجیب سا گانا شروع کر دیا ــ جس کے شروع کے بول تھے ــ 'کاش کہ میں ایک کنگرو ہوتا'ــ اس گانے میں کسی نے اُس کا ساتھ نہیں دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور میں نے فوراً گانا شروع کر دیا۔

باقی پانچ دوست صبح ناشتے پر دیر سے آنے کی وجہ سے بنے۔ ہم ساتوں ناشتہ دیر سے کیا کرتے تھے۔ بیروں کو انتظار کرنا پڑتا اور وہ ہم سے کافی تنگ آئے ہوئے تھے۔

بس میں اگر کوئی مُنہ بناتا یا بیزار ہونے کی کوشش کرتا تو موڈی اُسے جھنجھوڑ ڈالتا اور کہتا کہ ہنسو مسکراؤ، بیزار ہونا چاہتے ہو تو کہیں علیحدہ جا کر بخوشی ہو لو۔ بھلا اوروں کو بیزار کرنے کا تمہیں کیا حق ہے؟ ــــــ اگر کوئی تنہا چپ چاپ غمگین بیٹھا ہوا مل جاتا تو موڈی آہستہ سے

اُس کے پاس جاکر بڑی سنجیدگی سے پوچھتا۔۔۔ یہ کب کا ذکر ہے ؟ ۔۔۔ مرحوم کی عمر کیا تھی ۔۔۔ علاج کون کر رہا تھا ۔۔۔ بڑا افسوس ہُوا۔ اب آپ بھی صبر کیجیے۔ خُدا کے کئے میں کس کا دخل ہے ؟

موڈی سے سب ڈرتے تھے، جونہی وُہ میس میں داخل ہوتا۔ سب مسکرانے لگتے۔

موڈی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اُس کی بیوی کا عرصے سے انتقال ہو چکا تھا۔ اُس کا اصرار تھا کہ اُسے کنواروں میں شریک کیا جائے۔ وُہ کہا کرتا کہ میرا تبادلہ بہت جلد ہو جاتا ہے۔ ابھی کہیں سے آیا ہُوں کسی لڑکی سے علیک سلیک ہُوئی ہے۔ فوراً کہیں تبادلہ ہو گیا ۔۔۔ ان لگاتار تبادلوں کی وجہ سے میں دوبارہ شادی نہیں کر سکا۔

اُس کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی اور مسکراہٹ بھی ایسی کہ جیسے وُہ باقاعدہ ہنس رہا ہو سب کا خیال تھا کہ موڈی سوتے ہوئے بھی مسکراتا رہتا ہے۔ وُہ سر میں مانگ نکالتا تھا اور وُہ مانگ چھ انچ چوڑی ہوتی۔ کیونکہ وُہ "فارغ البال" تھا ۔۔۔ یعنی سر سے بال غائب تھے۔

صبح صبح ناشتے کی میز پر موڈی ہمیں دیکھ کر کہا کرتا ۔۔۔ کل اتوار تھا، آج پیر ہے کل منگل ہوگا اور پرسوں بدھ ۔۔۔ یار و نصف ہفتہ تو یُونہی گزر گیا اور ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔

کسی جگہ اُسے کوئی ڈاکیہ نظر آ جاتا۔ وُہ فوراً لپک کر اُس سے پوچھتا کہ کوئی خط ہے ؟ ڈاکیہ پوچھتا کس کے نام کا ؟ یہ کہتا نام وام کچھ نہیں۔ اگر کوئی خط ہے تو دے دو۔

موڈی میس میں بیٹھ کر یوفونیم بجایا کرتا ۔ ایک بہت بڑا سا بے ڈھنگا ساز جس کو جسم کے چاروں طرف لپیٹ کر زور سے پھُونک مارتے ہیں تو بڑی بھدّی اور بے سُری آواز نکلتی ہے سب کے سب اس ساز سے تنگ آئے ہُوئے تھے۔ لیکن موڈی کا یہ محبوب ترین ساز تھا۔ وُہ کہا کرتا کہ یہ ایک ایسا ساز ہے جس کو نومشق اور اُستاد ایک ہی طرح بجاتے ہیں۔ سچ کا یہ خیال تھا کہ کچھ ساز یوفونیم سے بھی بُرے ہیں اور وُہ ہیں دو یوفونیم۔ سچ جب کبھی ہمیں کچھ سمجھاتے تو بعد میں پوچھتے ۔۔۔ کوئی سوال کرنا چاہے۔ تو

بے شک کر سکتا ہے سوائے مُوڈی کے۔

مُوڈی کے پاس کئی کتّے تھے۔ ایک تو انگریزی بُل ڈاگ تھا جس کو بقول مُوڈی انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ آتا تھا۔ ایک اونچا سا خوبصورت کتّا تھا جس کو ہم طرح طرح کے تماشے کرنا سکھاتے۔ وہ بائیں ہاتھ ملا سکتا تھا۔ پنجے سے سلام کر سکتا تھا۔ دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر نقلیں اتار سکتا تھا۔ مُنہ میں پائپ دبا کر ساتھ ساتھ چل سکتا تھا۔

شارٹی کا قد بہت چھوٹا تھا۔ موڈی کا خیال تھا کہ یہ کبھی اچھا بھلا مکمّل آدمی تھا۔ کسی نے ایک ہتھوڑا لے کر اسے ٹھوک ٹھوک کر اتنا چھوٹا سا کر دیا ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتا کہ شارٹی تم دیکھنا ہم کسی دن تمہیں کھینچ کھینچ کر مکمّل انسان بنا دیں گے۔ شارٹی زندگی سے بیزار تھا اور سست بھی تھا۔ بقول مُوڈی وہ فوٹو گرافر کی طرح تھا ــــ اندھیرے میں بیٹھ کر انتظار کیا کرتا کہ دیکھئے کیا برآمد ہوتا ہے۔

بعض اوقات تو وہ اتنا بیزار ہوتا کہ برآمدے میں بیٹھا رہتا اور کسی کو پتہ تک نہ چلتا کہ شارٹی بیٹھا ہے۔ سستی کی یہ حالت تھی کہ سال میں صرف ایک مرتبہ دُعا مانگتا تھا اور ہر رات ایضاً کہہ کر سو جاتا۔

بِل دُبلا پتلا اور بیحد باتونی تھا۔ اتنا باتونی کہ ضرور اسے گراموفون کی سوئی سے ٹیکا کیا گیا ہوگا۔ وہ خود کہا کرتا کہ میں بچپن میں اس قدر دُبلا تھا کہ اُستاد اکثر میری غیر حاضری لگا دیا کرتے تھے۔

پوزی اور ہینری دونوں ایک سے تھے۔ موٹے تازے اور مسخرے۔ پوزی بہت پیتا تھا۔ مُوڈی کہا کرتا کہ خدا کے لئے کوئی اس کے پاس دیا سلائی مت لانا۔ ورنہ اس میں اس قدر الکحل ہے کہ بھک سے اُڑ جائے گا۔ پوزی سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔ پیتے پیتے وہ کہا کرتا ــــ میں نصف تو سکاچ ہوں اور نصف ــــ نصف سوڈا ہوں۔

ہف نہایت بھولا بھالا اور خاموش طبیعت لڑکا تھا۔

کبھی کبھی موڈی کا ایک دوست ملنے آیا کرتا تھا۔۔۔ ایک امریکن حبشی جس کا نام سنو وائٹ تھا یہیں سے بالکل نزدیک۔ ڈرنی کا بنگلہ تھا۔ اُن کے ساتھ اُن کی بیوی اور تین لڑکیاں رہتی تھیں جولی، روزمیری اور لیزا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جولی اس جگہ، اس علاقے بلکہ اس طول بلد اور عرض بلد کی حسین ترین لڑکی ہے۔۔۔ اور لوگوں کا خیال صحیح تھا۔

سب لڑکے جولی پر فریفتہ تھے لیکن وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ جولی کی نظروں میں آنے کے لئے ہم سب کیسے کیسے جتن کرتے۔ شام تک ہر وقت بس یہی خبط تھا۔ جب جولی گھوڑے کی سواری کیا کرتی ہم سائیکلوں پر اِدھر اُدھر چکر لگایا کرتے۔ وہاں گھوڑے تھے تو سہی لیکن کمبخت اتنے اونچے تھے کہ اُن پر سواری کرنے سے پہلے پیراشوٹ باندھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی پھر ایک روز عجیب تماشہ ہوا۔ میں کلب کے تالاب میں تیرا کرتا تھا۔ جولی اکثر کلب آیا کرتی تھی۔ ایک روز میں تیر رہا تھا اور وہ کنارے پر آ بیٹھی۔ مجھے دیر تک دیکھتی رہی۔ اُسے دیکھ کر میں نے خوب تیرنا شروع کر دیا۔ اُسے میرا اسٹائل بہت پسند آیا، بولی ٹارزن کی فلموں میں بالکل یہی سٹائل ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ تو بہت آسان ہے اگر تم چاہو تو چند دنوں میں سیکھ لوگی۔ اگلے روز سے میں اُسے سکھانے لگا اور سب حضرات جل بھن کر کوئلہ ہوگئے۔۔۔ سہ پہر کو میں دھوپ میں کھڑا ہو کر شیشے سے سورج کی کرنیں جولی کے کمرے پر پھینکتا اور وہ چلی آتی۔ جب ہم تیرتے تو ملیں کے حضرات کنارے پر کرسیاں بچھا کر بیٹھ جاتے۔ کئی ایک تو تیرتے بھی لیکن عجیب اوٹ پٹانگ طریقے سے۔ جولی کو جو سٹائل ایک مرتبہ پسند آگیا تھا وہی پسند رہا۔ میں نے وعدہ تو چند دنوں کا کیا تھا۔ لیکن ہفتے گزر گئے تھے اور ابھی نہ دوسرا سبق تھا۔

ایک اور کنبہ بھی ہمارے نزدیک ہی رہتا تھا۔ سندرم کا کنبہ، سندرم جنوبی ہند کے تھے۔ اُن کی

تین لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا جو کہیں باہر تھا۔ ہمارے میس میں ایک لڑکا انوپم جنوبی ہند کا تھا۔ وہ ہر وقت سندرم کی منجھلی لڑکی راج کا ذکر کیا کرتا۔

سہ پہر کو میں اور جولی تیرنے گئے۔ سورج خوب چمک رہا تھا تالاب کے چاروں طرف پھول ہی پھول تھے۔ پھول اتنی خوبصورتی سے لگائے گئے تھے کہ جیسے کوئی خوشنما قالین بچھا ہوا ہو۔ جولی تیرنے کے لباس میں بالکل جل پری معلوم ہو رہی تھی۔ آج غوطہ لگانے کا سبق تھا۔ تالاب میں ایک طرف تو پانی بالکل تھوڑا سا تھا اور دوسری طرف بہت گہرا تھا۔ جولی کو گہرے پانی سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ میں نے کہا۔ چلو تمہیں دوسری طرف لے چلوں۔ بولی اور جو جی گھبرا گیا تو۔ میں نے کہا کہ میں جو ساتھ ہوں۔ تم میرا بازو تھام لو ہم دونوں گہرے پانی میں چلے گئے۔ تہہ میں ایک گول سا پتھر چمک رہا تھا۔ بولی غوطہ لگا کر اسے لے آئیے۔ میں نے کہا۔ دونوں چلیں گے۔ میں اسے تہہ میں لے گیا۔ جہاں اس نے خود پتھر اٹھا لیا۔ اب اسے غوطہ لگانا آ گیا تھا ہم شرط لگا کر پتھر گہرے پانی میں پھینکتے کہ دیکھیں پہلے کون اٹھا کر لاتا ہے۔ بعض اوقات تو تہہ میں پتھر کے لئے چھینا جھپٹی بھی ہوتی۔ جب تھک جاتے تو تختے پر لیٹ کر دھوپ سینکنے لگتے۔

میس میں پھر شور و غل مچا۔ لیکن تم اتنے خود غرض کیوں ہو۔ کسی اور کو بھی موقع دو۔

واہ! اچھے دوست ہو ۔۔۔ لعنت ہے!

انوپم نے راج کا ذکر شروع کر دیا، اتنی تعریفیں کیں کہ بس ایشیا میں کوئی حسین لڑکی ہے تو راج۔ اتنی اچھی باتیں کرتی ہے۔ اتنا اچھا لباس پہنتی ہے۔ اتنا اچھا گاتی ہے اور رقص کی بھی ماہر ہے۔

میں سندرم کے ہاں جایا کرتا تھا۔ میں راج کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے اسے ناچتے ہوئے نہیں

دیکھا تھا جب کبھی میں اُن کے ہاں جاتا ہمیشہ بیک گراؤنڈ میں ہلکی ہلکی موسیقی سنائی دیا کرتی۔ بچوں کے سُننے کی۔ اُن میں سے ایک کی تو نہایت خود غرض آواز تھی جو اوروں سے بالکل علیحدہ اور نمایاں تھی۔ بچے کئی طرح سُنتے ہیں۔ کئی بچے ایک تال میں سُنتے ہیں کئی تین تال میں۔ کئی الاپ سے شروع کرتے ہیں اور الاپ پر ختم کر دیتے ہیں۔ کئی ترانے گانے لگتے ہیں اور کئی بحرِ طویل میں ہلکے پھلکے راگ گاتے ہیں۔ لیکن اُن کے ہاں گانوں کا ملا جلا پروگرام ہوا کرتا تھا۔ آخر ایک روز میں نے پوچھ ہی لیا کہ یہ بچے کتنے ہیں اور کیوں رہتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ گھر میں صرف ایک بچہ ہے۔ سُندرم کے بڑے لڑکے کا بچہ جو دانت نکال رہا ہے اور مجھے یقین نہ آیا کہ صرف ایک بچہ اس خوبصورتی کے ساتھ رو سکتا ہے جو کبھی سولو معلوم ہو۔ کبھی ڈوئیٹ اور کبھی کورس۔

سنیچر کی رات کو ڈانس ہوا۔ ہم سب گئے۔ ڈانس پر کافی رونق تھی۔ میٹرن بھی اپنی نرسوں سمیت آئی ہوئی تھیں۔ موڈی کو ایک پارے کی طرح مچلتی تڑپتی اور بل کھاتی ہوئی نرس پسند آئی۔ یہ وہی نرس تھی جس نے ہسپتال میں شارٹی کا قیام طویل کر دیا تھا۔ میں اور موڈی ایک محراب کے نیچے کھڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ یکایک ایک صاحب بھاگے بھاگے آئے اور زور سے ایک مکّا موڈی کے رسید کیا۔ موڈی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ شرمندہ ہو کر بولے۔ "معاف کیجئے۔ غلطی ہوئی میں سمجھا آپ بروڈی ہیں۔"

موڈی بولا۔ "اگر میں بروڈی ہوتا تب بھی آپ کو اتنے زور سے مکّہ مارنے کا کوئی حق نہیں۔"

وہ صاحب بولے۔ "اب جبکہ آپ بروڈی نہیں ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں بروڈی کو کتنے زور سے مکّہ مارتا ہوں۔"

موسیقی شروع ہو گئی۔ موڈی مجھے لے کر میٹرن کے پاس پہنچا۔ مجھے تو ان کے حوالے کیا اور

خود اسی نرس کے ساتھ رقص کرنے لگا۔ یہ میٹرن کافی قبر رسیدہ تھیں۔ مجھے مجبوراً ان کے ساتھ ناچنا پڑا اُنہوں نے باتیں بھی کیں لیکن اس انداز سے ــــ کہ آؤ ہم دونوں میرے متعلق باتیں کریں۔ رقص کے بعد میں نے موڈی کو جا پکڑا۔ میں موڈی اور وہ نرس تینوں ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ موڈی اُس سے کہہ رہا تھا ــــ " تم مجھے اپنی زندگی کے متعلق بتاؤ۔ زندگی کے منصوبوں کے متعلق بتاؤ، اپنی اُمیدوں اور تمناؤں کے متعلق بتاؤ اور اپنے ٹیلیفون نمبر کے متعلق بتاؤ۔" موڈی نے اسے پکچر کی دعوت دی۔ وہ بولی ــــ " شکریہ بھلا میں ایک مکمل اجنبی کے ساتھ کیونکر جا سکتی ہوں"۔ موڈی شرما کر بولا ــــ " یہ کون کہتا ہے کہ میں مکمل ہوں"۔ اُس نے بتایا کہ وہ دو تین دن تک چند ماہ کی ٹریننگ کے لئے باہر چلی جائے گی۔ موڈی بولا " پھر تو لازمی طور پر پہلی نگاہ پر محبت ہو جانی چاہئے، کیونکہ وقت بہت تھوڑا ہے"۔

موسیقی شروع ہو گئی اور وہ دونوں ناچنے لگے۔ میں وہیں بیٹھا رہا حتیٰ کہ میٹرن میرے ساتھ آ بیٹھیں اور بولیں ــــ " آؤ ہم دونوں میرے متعلق باتیں کریں"۔ اور پھر دفعتہً جیسے آنکھوں کے سامنے بجلی کوند گئی ــــ جولی ہال میں داخل ہوئی اور سب کچھ ماند پڑ گیا۔ سب کی نگاہیں اُس کی جانب اُٹھیں اور وہیں جم کر رہ گئیں۔ چاروں طرف ہلچل سی مچ گئی۔

" ہلو لینکی بوائے " ــــ مسز ٹونی بولیں۔ ذرا سی دیر میں میں اور مسز ٹونی ناچ رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ نہ جانے اس لڑکے کا دھیان کس طرف ہے اور میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے آج کس کا منہ دیکھا تھا۔ پہلے میٹرن ملیں اور اب مسز ٹونی۔ اُدھر ہیف اور جولی ناچ رہے تھے۔ اتنے میں بل نے آگے بڑھ کر ہیف کے کندھے کو چھوا۔ اُسے ہٹا کر خود جولی کے ساتھ ناچنے لگا۔ پوزی اور بلیزی بھی منتظر تھے۔ اب یہ ہو رہا تھا کہ ایک لڑکا جولی کے ساتھ بمشکل ایک منٹ ناچتا ہوگا کہ دوسرا اُسے ٹوک کر خود ناچنے لگتا۔ پھر تیسرا آ جاتا۔ ساتھ ہی سخت فقرے بھی ہو رہے تھے۔ ہیف جولی سے بولا۔ " میری تصویر اخبار میں چھپی تھی"۔ بل بولا " اچھا ــــ بھلا اُنہوں نے انعام کیا مقرر کیا تھا"

ہیف بِل سے بولا "کاش کہ تم سے ملنے سے پہلے میرا انتقال ہو چکا ہوتا" پوڑی بل سے کہہ رہا تھا "اگر تمہیں اپنی زندگی دوبارہ بسر کرنے کا موقع ملے تو کبھی بسر مت کرنا"۔ پینیزی پوڑی سے بولا "تمہاری حرکتیں کسی بیل جیسی ہیں اور تمہارا دماغ بھی ویسا ہی ہے"۔ بِل بولا "میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کسی نے درست کہا ہے کہ عقلمند ہمیشہ ایک طرح سوچتے ہیں"۔ ہیف بات کاٹ کر بولا "اور بے وقوف کبھی ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے"۔

پوڑی کہہ رہا تھا "تم لوگوں سے بحث بیکار ہے۔ تم تو ایک شتر مرغ کو بھی بیزار کر دو گے"۔ موڈی ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ رقص کے بعد وہ ہم سب کو ایک طرف لے گیا اور بولا "لعنت ہے تم لوگوں پر۔ تمہاری حرکتیں دیکھ دیکھ کر میں بیزار ہو جاتا۔ طیش میں آ جاتا۔ خفا ہو جاتا۔ اگر میں خود اس قدر مصروف نہ ہوتا ۔۔۔ تم آپس میں فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے ۔۔۔؟"

"فیصلہ کس طرح کیا جائے۔ یہ معمہ تو ایسا پیچیدہ ہے کہ ارسطو کو پریشان کر دے"۔ شارٹی بولا

موڈی کہنے لگا "میں فیصلہ کئے دیتا ہوں ۔۔۔ شارٹی تم جو لی سے قد میں چھوٹے ہو۔ اس کے ساتھ ناچتے ہوئے بہت بُرے معلوم ہوتے ہو۔ بِل تم نے مہینوں سے حجامت نہیں کرائی۔ عجیب وحشی معلوم ہو رہے ہو ۔۔۔ پتھر کے زمانے کے۔ تم بھی ایک طرف بیٹھو۔ پوڑی تم لپ بہت گئے ہو۔ پینیزی تمہارا لباس ایسا ہے جیسے ابھی گٹھڑی میں سے نکالا گیا ہو۔ بے شمار سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ اب رہ گئے لینکی اور ہیف ۔۔۔ تم دونوں واقعی اچھے معلوم ہو رہے ہو۔ تمہارے لئے میں ٹاس کئے دیتا ہوں"۔ میں نے موڈی کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ اس نے آہستہ سے میرے کان میں کہا "چہرہ"! موڈی نے جیب سے سکہ نکال کر اچھالا۔ میں نے چہرہ مانگا ۔۔۔ چہرہ ہی تھا۔ جب میں اور جو لی رقص کر رہے تھے تو سب ہمیں دیکھ رہے تھے۔ جو لی بولی "یہ سب مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کوئی شوخ چیز پہن رکھی ہے کیا؟"

میں نے کہا " ہاں ایک چیز بہت شوخ ہے۔"
پوچھنے لگی " کیا ہے بھلا؟" میں نے کہا " تمہارا چہرہ!" —— ہم رقص کرتے ہوئے موڈی کے سامنے سے گزرے۔ وہ نرس سے کہہ رہا تھا " یہ تھے میری زندگی کے حالات —— اگر ان میں سے کچھ حصے ایسے ہوں جو تمہیں پسند نہ آئے ہوں تو میں انہیں دوبارہ بسر کرنے کو تیار ہوں۔ کہو تو آج سے بالکل نئے سرے سے زندگی شروع کر دوں۔"
جب والز شروع ہوا تو روشنی مدھم کر دی گئی۔ میں نے جولی کا پیارا چہرہ اور معطر بال اپنے بازوؤں میں چھپا لیے۔ پھر میں نے اسے وہ نظم سنائی —— اے میری محبوب! اگر میں بادشاہ ہوتا —— وہ بولی " تم نے پہلے بھی یہ نظم کسی کو سنائی؟" میں نے کہا " ہاں سنائی تھی کئی مرتبہ۔ لیکن تب تک میں نے اس حسین و جمیل جولیٹ کو نہیں دیکھا تھا۔" وہ بولی " میں خوش ہوں کہ تم نے ایک تو سچ بولا۔"

اگلی صبح کو موڈی نے ہم سب کو ڈانٹا۔ بولا " آئندہ جب کبھی ڈانس ہو تو پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے کہ جولی کے ساتھ کون ناچے گا۔ ہر بار ایک قسم کا ٹورنمنٹ منعقد ہوا کرے —— سب بولے " اور یہ لینکی؟ —— یہ تو اس کے ساتھ تیر بھی لیتا ہے۔ ہمیں ایسے موقعے کیوں نہیں ملتے؟"
موڈی بولا —" ہماری قسمت۔
اگلے ڈانس کے لئے ٹورنمنٹ کل سے شروع ہوگا —— برج کھیلا جائیگا شرائط میں بتا دوں گا۔"
سہ پہر کو میں اور موڈی چاء کے لئے آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ فٹ بال کا میچ ہو رہا تھا۔ ہم دونوں ٹھہر گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سنو وائٹ کھڑا دیکھ رہا ہے۔ موڈی نے آواز دی

وہ آگیا۔ بولا۔ بھئی ناحق آپ دونوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ گول نہیں کریں گے۔ میں ہفتے سے ہر روز یہاں آ رہا ہوں۔ نہ یہ اُن کے گول کر سکتے ہیں اور نہ اُنہوں نے اس قسم کی گستاخی کی ہے"

مرڈوی بولا۔ "تو پھر تم کیوں روز آتے ہو؟"

وہ بولا۔ "اسی اُمید پر کہ شاید کسی روز گول ہو جائے ۔۔۔ سوا چار بج کر تین منٹ ہو چکے ہیں۔ اب انٹرول ہونے والا ہے۔"

سنو وائٹ ہمیشہ وقت عجیب طریقے سے بتایا کرتا تھا۔ پونے آٹھ بجنے میں چار منٹ ہیں۔ بارہ بج کر بیس منٹ ہونے میں دس منٹ باقی ہیں ۔۔۔ ہم نے اُسے چاء کے لئے کہا۔

وہ بولا ۔۔ "اگر میری غیر موجودگی میں کوئی گول ہو گیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا"

ہم تینوں بس کی طرف چل دیئے۔ سنو وائٹ سردی کی شکایت کرنے لگا کہ اس قدر سردی ہے کہ تھرمامیٹر پڑھنے کے لئے اُسے گرم پانی میں ڈالنا پڑتا ہے۔

"اور تمہاری جیپ کہاں ہے؟"

"اُسے میرا کرنل لے گیا ہے، کچھ دن ہوئے۔ جیپ پر بجلی گری تھی ۔۔۔ بجلی کی مرمت کرائی گئی۔"

"رات تم ناچ پر نہیں آئے؟" میں نے پوچھا

"پچھلے ہفتے عجب تماشہ ہوا"۔ وہ بولا ۔۔ "ایک لڑکی نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تمہیں ناچنا آتا ہے؟ ۔۔۔ میں اور وہ لڑکی اس وقت ناچ رہے تھے ۔۔۔ اسی لئے میں رات نہیں آیا۔"

بس میں پہنچے۔ بل ایک کونے میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ سنو وائٹ نے پوچھا۔ "کیا پڑھ رہے ہو؟"

"شیکسپیئر!" بل بولا

"شیکسپیر" سنووائٹ بولا "خوب! اس کا مصنف کون ہے؟"
"تمہیں دودھ پسند ہے؟" — میں نے چاء کے سلسلے میں پوچھا
"ہاں اگر اس میں کافی ملی ہوئی ہو" سنووائٹ بولا
"اور نمک؟"
"ہاں! اگر انڈوں پر چھڑکا ہوا ہو"
"اور کالی مرچ؟"
"ہاں! اگر مچھلی کے قتلوں پر تھوڑی سی چھڑک دی جائے"

سنووائٹ شارٹی کو تلاش کر رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ سویا ہوا ہے۔ سنووائٹ نے کھڑکی سے کود کر بمشکل اُسے جگایا اور بولا "شارٹی کیا حال ہے؟" شارٹی آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا "اچھا ہے — کوئی خاص بات تھی کیا؟"

سنووائٹ کہنے لگا "نہیں بس یونہی میں نے کہا ذرا حال پوچھتے چلیں — تم بے شک سو جاؤ"

ہم چاء پی رہے تھے "چاء پر انڈے اور مچھلی — بھئی تم لوگ چاء پیتے نہیں چاء کھاتے ہو — یہ آج تمہارے بیرے نے کپڑے دوسرے پہن رکھے ہیں"

"یہ کپڑے دوسرے نہیں، بیرا دوسرا ہے" موڈی بولا — اتنے میں بیرے نے موڈی کے کپڑوں پر کچھ گرا دیا۔

"دیکھتے نہیں، تم نے میرے کپڑوں پر مارملیڈ گرا دیا ہے"
"اوہ! یہ مارملیڈ تھا، — میں سمجھا جام ہے" بیرا بولا۔

"ہمارے ہاں بھی نہایت نامعقول بیرے ہیں" — سنووائٹ نے بتایا "کل میں نے

اپنے بیرے سے کہا کہ بوٹوں کو یوں چمکاؤ کہ چہرہ نظر آنے لگے ــــ وہ بولا۔ میں چمکا تو دوں گا لیکن آپ اپنے عکس کو پسند نہیں کریں گے۔"

سنو وائٹ سگریٹ بہت پیتا تھا۔ دن میں سو سو سگرٹیں پی جاتا تھا۔ اپنی عادت کو کوس رہا تھا۔ نتھی تو میری صحت اچھی نہیں رہی ــــ میں بیزار رہتا ہوں، قنوطی بن گیا ہوں، تصویر کا ہمیشہ تاریک رُخ دیکھتا ہوں ــــ کل میں اتنا بیزار تھا کہ جب صبح آئینہ دیکھا تو عکس بولا ــــ

"چچ ــــ چچ ــــ بیچارہ!"

"لیکن یہ سگریٹ کی عادت تمہیں کس نے ڈال دی؟"

"دو چیزوں نے۔"

"وہ کیا ہیں ــــ؟"

"سگریٹ اور ماچس۔"

مجھے انوپم نے بتایا کہ راج اس پر بُری طرح فریفتہ ہے۔ آج کل بیماری کی حالت مخدوش ہے۔ راج یوں خط لکھتی ہے۔ یوں آنے کے لئے منتیں کرتی ہے ــــ انوپم دیکھنے میں کافی بجھا ہوا تھا۔ اس نے ہم سب کو اتنا تنگ کیا کہ مرڈوی نے مجھے کہا کہ اسے خاموش کرنے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ میں اگلے روز سندرم کے ہاں گیا۔ راج سے سینما کے لئے کہا۔ وہ بولی۔ اتی سے اجازت لیجئے۔ میں نے مسز سندرم سے پوچھا۔ وہ کچھ ہچکچانے لگیں۔ بولیں۔ جانے میں تو کوئی حرج نہیں ویسے کہیں لوگ باتیں نہ بنانے لگیں۔ میں نے نھی کا ہاتھ پکڑ کر کہا ــــ اگر میں نھی کے ساتھ جاؤں تب تو لوگ باتیں نہیں بنائیں گے۔ وہ ہنس دیں، بولیں ــــ "اچھا تم راج کو لے جاؤ" ــــ اس شام راج خوب بن سنور کر میرے ساتھ نکلی، پہلے ہم نے سائیکلوں پر بس کے گرد کئی چکر لگائے

تاکہ انوپم ہمیں اچھی طرح دیکھ لے۔ جب اس نے دیکھ لیا تو سب نما گئے۔ راج نے مجھے خوب ہنسایا۔ اس کے سامنے ایک صاحب بہت بڑا صافہ سر پر رکھے بیٹھے تھے۔ جس سے اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ان سے بولی " براہ کرم اس صافے کو اتار لیجئے" انہوں نے صافہ اتار لیا۔ وہ پکچر نہایت فضول تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد راج ان صاحب سے بولی "براہِ کرم صافہ پھر سر پر رکھ لیجئے — شکریہ"۔

انٹرول میں میں نے پہلے چوسنے کی گولیاں لیں پھر مونگ پھلیاں پھر چاکلیٹ — تو راج بیرے سے بولی — یہاں بیٹھ کر ڈنر کھانے کا بھی انتظام ہے کیا ؟

میں ٹوفی کے ہاں سے میس میں ڈرتا ڈرتا پہنچا مجھے گھیر لیا گیا۔ موڈی نے میرے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا لفافہ دے دیا۔ یہ لفافہ رُوفی کا تھا۔ رُوفی کی طرزِ تحریر بالکل زنانہ ہے۔ میں کھول کر خط پڑھنے لگا۔

موڈی بولا — "کیا یہ اب تک تم سے محبت کرتی ہے ؟"

"محبت کرتی ہے ؟ — کون ؟"

"یہی جس نے خط لکھا ہے"۔

"یہ تو رُوفی ہے — میرا دوست"۔

"اچھا تو اب تم یہ اصرار کرو گے کہ رُوفی کوئی لڑکا ہے"۔

"تم یہ بتاؤ" بل بولا "کہ تم نے آج کل یہ کیا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے ؟"

"کیا مطلب ؟"

"مطلب یہی کہ تم صبح ایک لڑکی کے ساتھ دیکھے جاتے ہو۔ دوپہر کو کسی اور لڑکی کے ساتھ نظر آتے

ہو۔ شام کو اور لڑکیوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے پائے جاتے ہو اور رات کو بچپن میں تمہارے ساتھ کوئی اور لڑکی ہوتی ہے۔"

"میرے پاس سائیکل جو ہے۔" میں نے کہا۔

"سائیکلیں تو ہم سب کے پاس ہیں ــــ بس بات یہ ہے کہ تم اول نمبر کے ہرجائی ہو۔ تمہارا دل ہوٹل کی طرح ہے جس میں ایک اور کے لئے ہمیشہ جگہ رہتی ہے۔ کیوپڈ تمہاری مرتبہ تیر استعمال نہیں کرتا بلکہ مشین گن سے کام لیتا ہے۔"

اگلے روز چھٹی تھی، رات کو سب نے پینا شروع کر دیا۔ مجھے اور ہینّ کو بھی ساتھ بٹھایا گیا۔ ہم دونوں اتنی سردی میں لیمن سکواش پی رہے تھے ــــ مُوڈی کہہ رہا تھا" کل مجھے ہلکی سی حرارت ہو گئی تھی جس نے اس سردی میں مجھے گرما سا دیا۔"

بِل بولا ــ" میں اپنے کمرے کے باہر ایک نوٹس لگا رہا ہوں ــــ وائیلن اور ٹرمبون برائے فروخت ــ"

پوزی جو بِل کا پڑوسی تھا بولا ــ" اور میں اپنے کمرے کے باہر ایک نوٹس لگا رہا ہوں ــــ ہُرّاہ!"

پیٹر بولا ــ" مُوڈی تم نہایت مسخرے ہو۔ تم پر کبھی مُوڈ سوار نہیں ہوتا۔ اس لئے تم مُوڈی ہرگز نہیں ہو، البتہ تمہیں جونز کہا جا سکتا ہے۔"

مُوڈی نے فرشی سلام کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔ بیرے کو آواز دی کہ کوئی نمکین چیز لاؤ۔

وہ بولا ــ" صاحب آج نمکین چیز تو صرف جنگلی بٹیر ہے۔"

مُوڈی گلاس ختم کرتے ہوئے بولا" جنگلی چھوڑ وحشی یا دیوانہ بٹیر بھی لے آؤ تو کوئی مضائقہ

نہیں۔" آہستہ آہستہ سب کو چڑھ رہی تھی۔ مُوڈی بولا۔" سُنا ہے کہ ایک نیا گراموفون ایجاد ہُوا ہے جو اتنا سستا ہے کہ مُوجد کا دعوےٰ ہے کہ سالہا سال ریکارڈ توڑ دے گا۔"

شارٹی بولا۔" مُوڈی میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی روز تمہارا یوفونیم اُٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں۔ پھر خیال آتا ہے کہ مفت میں یوفونیم ٹوٹ جائے گا۔"

بل اُٹھا مُوڈی کے چمکتے ہوئے سر میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے اپنی ٹائی درست کی اور بولا ۔۔۔" مُوڈی تمہیں آج کل سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی ہوگی۔ کیونکہ تمہارے سر پر کچھ ہے ہی نہیں۔"

مُوڈی بولا۔" میں چند سال سے ایک بال اُگانے کی دوا سر پر لگا رہا ہوں۔ اس سے بڑا فائدہ ہُوا ہے پہلے میرے سر میں تین جگہ سے بال غائب تھے اب صرف ایک جگہ سے غائب ہیں۔"

ریڈیو پر جنوبی ہند کے کسی سٹیشن سے گت بجنے لگی۔ اوپم جو خوب پی رہا تھا تڑپ کر اُٹھا چھلانگ مار کر میز پر چڑھ گیا اور کتھا کلی ناچنے لگا۔ اِدھر سے پوزی لپکا اور میز پر چڑھ گیا۔ پوزی اوپم کی نقل کر رہا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی رکابیاں چمچے اور پیالے ہٹائے۔ جتنی دیر گت بجتی رہی۔ پوزی اور اوپم کتھا کلی ناچتے رہے۔ ہفت کو اور مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم دونوں اُن سب کو چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ ابھی پڈنگ باقی تھی کہ ساتھ کے کمرے سے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم بھاگے۔ جاکر دیکھتے ہیں تو سب زار و قطار رو رہے ہیں اور میس سارجنٹ باری باری ہر ایک کو چُپ کرا رہا ہے۔ جتنی وہ غریب منتیں کرتا۔ اُتنا ہی وہ اور دھاڑیں مار مار کر روتے معلوم ہُوا کہ ابھی میس سارجنٹ کو خط ملا کہ اس کے دادا کا انتقال ہوگیا۔ اس نے کہیں یہ خبر ان سب کو سُنا دی۔ یہ اس قدر حساس اور جذباتی بنے ہوئے تھے کہ رونے لگے۔ غریب سارجنٹ کو مصیبت پڑگئی۔ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔" للّٰہ! آپ صبر کیجئے!" ۔۔۔ لیکن صبر کون کرتا۔ عجب ہچکم دھلا مچی ہوئی تھی۔ رات کے دو تین بجے کہیں سونا میسر ہُوا۔ بڑی دیر میں آنکھ کھلی، بارہ بجے ہوئے تھے مُوڈی

بلایا۔ آواز دی کہ اٹھو بارہ بج چکے ہیں۔ کمرے سے آواز آئی " بارہ بج چکے؟ آج کیسے؟"
ابھی تک کوئی اور نہیں اٹھا تھا۔ موڈی بولا " ان نالائقوں کو جگانا چاہیئے۔ برج کھیلیں گے"
موڈی پل کے دروازے سے منہ لگا کر بولا " پل تمہارے لیئے نہایت اہم پیغام ہے۔ نہایت
اہم پیغام" اور اس نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھول دیا " کیا پیغام ہے؟"
" یہی کہ اٹھ کھڑے ہو" ———— پھر پوزی کے دروازے پر گیا " پوزی تمہارے
لیئے ایک نہایت ضروری خبر ہے" پوزی بستر سے نکل آیا " کیا خبر ہے؟"
" یہی کہ اٹھ کھڑے ہو"
ہف کھڑکی سے سر نکال کر بولا " صبح بخیر!"
" صبح بخیر؟ غضب خدا کا " موڈی بولا " دن ڈھل رہا ہے۔ سہ پہر بخیر کہو"

ناشتے کے بعد برج شروع ہوا۔ میں اور موڈی پارٹنر تھے۔ ہم دونوں نے سیاہ چشمے پہن رکھے تھے۔ ہف کسی گہری سوچ میں تھا۔ موڈی بولا " ہف آہیں بھرنی فضول ہیں —— یہ آہیں اور سسکیاں پچھلی صدی کے عاشقوں کے حربے تھے۔ اب تو مصوری سیکھو، تیرنا سیکھو، باتیں بنانا سیکھو۔ لینکی کو دیکھو تو جب لزا اور روزی کو تصویریں بنانی سکھاتا ہے تو وہ دونوں اس سے کتنی قریب ہوتی ہیں۔ بال چھو رہے ہیں، رخسار چھو رہے ہیں، انگلیاں چھو رہی ہیں —— اور پھر جوجلی کے ساتھ گھنٹوں تیرنا ———— کل میں نے خواب میں دیکھا کہ ہف کھڑا جوجلی کو بلا رہا ہے اور جوجلی ——!"
" ہاں جوجلی ——؟" ہف بے چین ہو کر بولا
" بس اتنا ہی خواب تھا، باقی کا خواب آج دیکھ کر بتاؤں گا۔"

"کیا سچ مچ کوئی بات ہے ہف؟" میں نے پوچھا

"نہیں تو ــــ!" وہ شرما گیا

"دوستی میں محبت زیادہ ہے بہ نسبت محبت میں دوستی کے، اس لئے کبھی ہم نوجوانوں کی دوستی خائف ہیں لینکی تم روزی اور لزا کو در اصل سکھانے کیا ہو؟"

"کارٹون بنانے ــــ تمہارا کارٹون بنا کر دکھاؤں؟" میں بولا

"نہیں۔ کل میں نے اپنا ایک نہایت دلچسپ کارٹون دیکھا جو دیوار پر آویزاں تھا۔ خوب مسخرا کارٹون تھا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو آئینہ تھا اور میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا ــــ یہ انوپم تمہیں کیوں گھور رہا ہے لینکی ــــ؟"

واقعی انوپم بُری طرح مجھے گھور رہا تھا۔ موڈی بولا۔" تمہیں کچھ پتہ بھی ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ اگر یہاں سے تبادلہ چاہوں تو ہو سکتا ہے۔"

"پھر تم نے کیا کہا ــــ؟" ہم سب چونک پڑے

"میں نے انکار کر دیا ــــ مجھے دو باتوں کا ڈر تھا۔ ایک تو یہ کہ شاید تم میرے جانے سے اُداس ہو جاؤ اور دُوسرے یہ کہ شاید تم اُداس نہ ہو۔"

" اور وہ نرس؟"

"وُہ نرس ٹریننگ کے لئے گئی ہے۔ اب باقاعدہ رجسٹرڈ نرس بن کر آئے گی۔ لیکن بخدا جب وُہ میرے پاس ہو تو مجھے ذرا پروا نہیں ہوتی کہ وُہ رجسٹرڈ ہے یا نہیں۔"

پوزی اور رینیزی نے انوپم اور شارٹی کو ہرا دیا۔ اُدھر میں نے اور موڈی نے بِل اور ہف کو ہرا دیا ــــ اب دوسرا میچ شروع ہوا۔ سہ پہر تک میں نے اور موڈی نے پوزی اور رینیزی کو نکال دیا۔ اب فائنل کا فیصلہ باقی تھا۔ میں نے موڈی کے کان میں کہا۔" موڈی تم بہت اچھے

ست ہو، اس دفعہ مجھے جتادو، اگلا ڈانس تمہارا رہا۔" موڈی چپکے سے بولا — "چہرہ مانگنا۔" اُس نے جیب سے سکہ نکال کر ہوا میں اُچھالا۔ میں نے چہرہ مانگا۔ چہرہ ہی تھا۔

ٹونی اور اُن کی بیوی نے ہمیں پک نک پر بلایا۔ آٹھ دس میل پرے پہاڑوں میں ایک جھیل تھی۔ طے ہوا کہ وہاں مچھلیاں پکڑیں گے اور پہاڑوں پر چڑھیں گے ——————

—————— ہم سائیکلوں پر ٹونی کے ہاں گئے۔ ساتھ موڈی کا وہ دُبلا سا کتا بھی تھا۔ ان کا ارادہ اپنی اُس کار کو ساتھ لے جانے کا تھا لیکن پھر سائیکلوں کا پروگرام بن گیا۔ جھیل تک چڑھائی ہی چڑھائی تھی۔ کچھ دُور تو ساتھ ساتھ گئے۔ پھر تھکاوٹ کے آثار شروع ہو گئے۔ میں اور جُولی آگے نکل گئے۔ میں بے تحاشا سائیکل چلا رہا تھا۔ جُولی نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔ "بھلا تم سیاہ چشمہ کیوں لگاتے ہو؟" اُس نے پُوچھا

"اس لئے کہ دُنیا کی سب سے حسین لڑکی کا چہرہ اس قدر روشن اور جگمگاتا ہوا ہے کہ میری آنکھیں چُندھیا جاتی ہیں۔"

"کون ہے وُہ لڑکی؟"

"تم!"

"تم سے خفا ہونے کو میرا بہت جی چاہتا ہے — کسی روز میں تم سے خوب خفا ہوں گی"

"تم مجھ سے خفا ہو لو، لڑ لو، جھگڑ لو، نفرت کرنے لگو — لیکن بس دن میں ایک مرتبہ اپنا چہرہ دکھایا کرو۔"

اُس نے ہلکا سا تھپڑ مارنے کی کوشش کی اور سائیکلیں اُلجھ گئیں۔ ہم گرتے گرتے بچے ہم بہت آگے نکل آئے تھے۔ وُہ بولی — "اب تو میرا یہ بازو بھی شل ہو گیا ہے۔ سہارا ابھی نہیں لیا جاتا"

"لاؤ میں تمہیں سہارا دوں"۔ میں نے اپنا بازو اُس کے گرد حمائل کر دیا۔ جب ہم جھیل پر پہنچے تو خوب تھک چکے تھے۔ گھاس پر لیٹ گئے۔ کچھ دیر میں وہ سب آگئے۔ موڈی نے مچھلیاں پکڑنے کا سامان نکالا۔ ایک اور ٹولی وہاں آئی ہوئی تھی۔ موڈی نے اُن میں سے ایک سے پوچھا۔

"کیوں صاحب! یہاں مچھلیاں پکڑنا منع تو نہیں ہے؟"

"منع ؟"۔ وہ بولے ۔"یہاں مچھلیاں پکڑنا ایک معجزہ ہے"۔

اب معجزوں کا ذکر شروع ہو گیا۔ موڈی بولا ۔"میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ معجزہ کیا ہوتا ہے"

ٹونی بولے ۔"میں سمجھاتا ہوں، فرض کیا ایک شخص کسی دو منزلے مکان سے گرتا ہے اور اُسے چوٹ نہیں لگتی۔ تم اُسے کیا کہو گے؟"

"میں اسے ایک معمولی سا واقعہ کہوں گا"۔ موڈی بولا۔

"اگر اگلے روز وہ پھر اُسی مکان سے گر پڑے اور اُسے چوٹ نہ لگے۔ تب اُسے کیا کہو گے؟"

"ایک حادثہ!"

"اگر تیسرے روز وہ پھر اُسی مکان سے گر پڑے اور اُسے پھر چوٹ نہ لگے ۔ تب؟"

"تب میں اُسے عادت کہوں گا"۔

ٹونی بولے ۔"یہ مثالیں تو میں مثال کے طور پر بیان کر رہا تھا۔ ویسے معجزے ہوتے ضرور ہیں کبھی فرصت کے وقت تمہیں سمجھاؤں گا"۔

ایک معمر حضرت دوڑے دوڑے آئے اور موڈی سے ہاتھ ملا کر بولے ۔" ہلو ڈیبی! ۔ اوہ تم کتنے بدل گئے ہو، تمہارے سر پر گھنے بال تھے اب تم گنجے رہ گئے ہو، تم کافی موٹے تھے۔ اب تمہارا وزن کم ہو گیا ہے۔ تمہاری مونچھیں سیاہ تھیں۔ اب بھوری ہو گئی ہیں"۔

"میں ڈیبی نہیں ہوں ۔ موڈی جونز ہوں"۔

"اچھا تو تم نے اپنا نام بھی بدل ڈالا۔"

موڈی نے اُن کو سمجھایا، تو وہ بولے "لیکن ڈینی سے تم ملتے بہت ہو، ہو بہو اُسی کا چہرہ ہے، اُسی کی آنکھیں، اُسی کے کان، اُسی کی ناک، اُسی کی گردن ۔۔۔"

"جی ہاں! ڈینی کی اتنی چیزیں میرے پاس ہیں کہ جب میں باہر نکلتا ہوں تو وہ بیچارہ ایک بند کمرے میں بیٹھ کر میرا انتظار کیا کرتا ہے ۔۔۔" موڈی بولا

اب مچھلیاں پکڑنے بیٹھے۔ شرط لگی کہ دیکھیں پہلے کون پکڑتا ہے۔ اتنے میں شارٹی کا پاؤں پھسلا اور وہ سیدھا جھیل میں گیا۔ تھوڑے پانی میں گرا تھا۔ خود نکل آیا۔ موڈی بولا "بھئی ۔۔۔۔۔ غوطہ لگا کر پکڑنے کی شرط نہیں ہے ۔۔۔ دور سے پکڑو۔"

موڈی تصویر اتارنے لگا۔ گروپ میں کتے کو بھی شامل کیا۔ جب ہم سب تیار ہوتے تو کتا ایک طرف کو چل دیتا۔ موڈی جتنی دیر میں اُسے پکڑ کر لاتا، سب اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا آخر موڈی نے کتے کو ڈانٹ کر کہا ۔۔۔ "گدھے تجھے معلوم بھی ہے کہ آج کل فلمیں کتنی مصیبتوں کے بعد ملتی ہیں اور تو ہے کہ فلم ضائع کرنے پر تلا ہوا ہے۔ نامعقول بیوقوف۔ کتے یہ اداکاری کسی اور روز دکھانا ۔۔۔" اور کتا سچ مچ سہم کر ساتھ کھڑا ہو گیا۔

اونچے پہاڑوں پر برف پڑی ہوئی تھی۔ ٹونی بولے "اس چوٹی کے پیچھے ضرور برف ہوگی، چلو دیکھتے ہیں۔"

اب چڑھائی شروع ہوگئی۔ کچھ تو پہلے ہی تھکے ہوئے تھے کچھ یہ سخت چڑھائی، سب ہانپنے لگے شارٹی ایک گہرے کھڈ کی طرف دیکھ کر بولا "اور جو یہاں سے گر پڑیں تو کیا ہو؟"

موڈی بولا "اس کا دارومدار تمہارے گزشتہ اعمال پر ہے۔"

بڑی مصیبتوں سے چوٹی پر پہنچے، وہاں برف ورف کچھ نہیں تھی۔ موڈی چلا کر بولا ۔۔۔

"آہا وہ رہی برف!" — سب دوڑ کر اس کے پاس پہنچے — "کہاں ہے؟"
"وہ رہی سامنے!" مُوڈی نے اُونچی چوٹیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رات کو ڈانس تھا۔ میں ایک طرح کا سوئمبر جیت چکا تھا۔ اس لئے مجھے کسی نے نہیں ٹوکا۔ ویسے سب کے سب دیکھ دیکھ کر جلتے رہے۔ میں جُولی کے ساتھ رہا اور جُولی میرے ساتھ۔ ہم نے خوب باتیں کیں، پھر روشنی مدھم ہو گئی اور والز شروع ہوا۔ ہلکی ہلکی مدھم سُروں میں گت بج رہی تھی۔ جیسے ہوا کے جھونکے پھولوں کے تختوں سے گزر رہے ہیں۔ جیسے پھول اراجھکی ہوئی بیلوں سے بچتی ہوئی ندی میں کوئی کشتی بہتی جا رہی ہو۔ چاروں طرف کچھ اندھیرا سا تھا اور کچھ روشنی سی۔ میں نے جُولی کے معطر بالوں میں اپنا چہرہ چھپا دیا — "یہ کیسا خوشگوار حادثہ تھا کہ اتنی تیز دنیا میں جو کئی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھوم رہی ہے تم مجھے مل گئیں۔ جانتی ہو جُولی تم جیسی لڑکی صدی میں ایک مرتبہ دُنیا میں آتی ہے —"

"آج جھوٹ بولنے کو تمہارا جی چاہ رہا ہے" — وہ بولی

"چلو باہر چلیں، اسی طرح رقص کرتے ہوئے اُس ستون کی اوٹ لے کر دروازے سے باہر نکل جائیں گے۔ باہر چاند نکلا ہوا ہے۔ اسی موسیقی پر چاندنی میں رقص کریں گے" — ہم دونوں باہر آ گئے۔ ہلکی ہلکی چاندنی تھی، تارے بھی چمک رہے تھے۔ موسیقی کی مدھم سی صدائیں یوں معلوم ہوتی تھی جیسے تاروں سے آ رہی ہو۔

"جُولی صرف آج کی رات بھول جاؤ کہ میں تم سے چھوٹا ہوں، شریر ہوں، تم مجھے زیادہ پسند نہیں کرتیں، تمہیں میری کچھ اتنی پروا بھی نہیں، صرف آج تم مجھے وہ لڑکا سمجھ لو جس سے تم محبت کرتی ہو۔ جو کہیں اور ہے —"

"میں تمہیں پسند تو ضرور آتی ہوں ــــ لیکن محبت ــــ"

"اچھا چلو تم مجھ سے محبت مت کرو۔ صرف مجھے پسند کر لو۔"

اُس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ "بڑے شریر ہو ــــ مجھے تمہاری ایک بات پر بھی یقین نہیں"

"تمہیں اس پر بھی یقین نہیں کہ تم نہایت پیاری لڑکی ہو"ــــ اور اُس نے پھر ایک ہلکا سا تھپڑ میرے گال پر مارا۔ جب ہم آخری رقص کے اختتام پر ہال میں واپس آنے لگے۔ تو جو لی آہستہ سے بولی۔ "اپنے رخساروں اور ہونٹوں سے لپ سٹک پونچھ لو۔"

قریب ہی ایک اور میس تھا۔ اُن کے ہاں کوئی تقریب تھی، اُنہوں نے ہم سب کو بلایا۔ ٹونی اور سندرم بھی گئے۔ پہلے تو کھیل تماشے ہوئے۔ پھر پینے پلانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ساری محفل میں صرف میں ہی ایک تھا جو بار بار لیمونیڈ پیتا تھا۔ ورنہ سب لنڈھا رہے تھے۔ اُن کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب تک کوئی یہ کہتا ہے کہ شکریہ! ــــ بس مجھے اب اجازت دیجئے ــــ وہ یہی سمجھتے تھے کہ میزبانی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اسے اور پلاؤ۔ جب کوئی یہ کہتا کہ میں یہیں سوؤں گا۔ تب اُسے گھر بھیجتے تھے۔

رات کافی گزر گئی تھی۔ اُنہوں نے ٹونی اور سندرم کو میرے حوالے کیا اور کہا کہ انہیں ان کے بنگلوں میں چھوڑ آؤ۔ ویسے سندرم اور ٹونی بار بار یہی کہتے تھے کہ مجھے ذرا نہیں چڑھی ــــ چاہوں تو ایک بوتل اور پی سکتا ہوں۔

ہم تینوں پیدل روانہ ہوئے۔ دور چوک میں روشنی ہو رہی تھی اور کچھ چیزیں ہل رہی تھیں جن کے سائے ہم تک آ رہے تھے۔ ٹونی نے فزکس کی ایک تھیوری شروع کر دی ــــ روشنی اور سایوں کی ترتیب کے متعلق وہ فرما رہے تھے ــــ "کہ جو چیز روشنی کے جتنے نزدیک ہو گی، اُتنا ہی لمبا اُس کا سایہ

ہوگا — اب یہ چیزیں جو چوک میں ہیں بالکل اونٹ معلوم ہو رہی ہیں۔ حالانکہ یہ بہت چھوٹی چھوٹی ہونگی"
آگے چل کر دیکھتے ہیں تو چوک میں اونٹ چلے آ رہے ہیں۔

ٹونی کے قدم بھی کچھ ڈگمگا رہے تھے۔ لیکن جلد ہی اُن کا بنگلہ آگیا اور وہ شب بخیر کہکر چلے گئے

سُندرم نہایت عالمانہ انداز میں گفتگو کر رہے تھے" دیکھو لینکی میں ڈارون کی تھیوری کو مانتا ہوں
واقعی، انسان پہلے بندر تھا اور اس سے پہلے کچھ اور تھا۔ اس تبدیلی کو ظہور میں آئے مدتیں گزر چکی
ہیں۔ اس لئے اب اس سلسلے میں شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر میں یہ نہیں سمجھ سکتا
کہ آج کل یہ تبدیلی یکلخت بند کیوں ہو گئی ہے۔ آج کل ہم بالکل تبدیل نہیں ہو رہے ہیں۔ ہم سب
ایک جگہ آکر رُک گئے ہیں۔ کئی ہزار سال سے بندر بندر ہی ہیں اور انسان انسان ہی ہیں۔ نہ کوئی بندر
انسان بنتا ہے اور نہ انسان آگے ترقی کرتا ہے — یہ کیوں ہے؟ یہاں یہ تھیوری کیوں ختم ہو جاتی
ہے — اچھا رُوح کے غیر فانی ہونے پر تمہارا اعتقاد ہے یا نہیں۔ میرا تو ہے — یہ رُوح کا
قضیہ بھی خوب ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے دُنیا میں اگر کسی چیز پر اعتقاد ہے تو وہ چاکلیٹ پر ہے
مجھے چاکلیٹ بہت پسند ہیں، ٹافی کچھ زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔ ویسے گلاب جامن بھی خوب چیز ہے
ملٹن اور شیلے میں سے تمہیں کون پسند ہے، مجھے تو ان دونوں میں سے کیٹس زیادہ اچھا لگتا ہے
اُمید ہے کہ تم مجھ سے اس نکتے پر متفق ہو گے کہ جب تک بندوق میں بڑے چھرے والا کارتوس
استعمال نہ کیا جائے۔ یہ ریچھ وغیرہ بالکل نہیں مرتے — اچھا لینکی تمہیں ایک راز بتاؤں — میری
زندگی کا سب سے بڑا راز — مجھے پٹاخے والا پستول بہت پسند ہے — اس کی آواز خوب ہوتی
ہے اور سستا بھی ہوتا ہے" — وہ رُک گئے۔ پھر چپکے سے میرے کان میں بولے " لینکی تم
بہت اچھے لڑکے ہو — تمہیں جتنی دیا سلائیوں کی ضرورت ہے تم مجھ سے لو۔ جتنے چمچے چاہئیں
جتنی ململ چاہیے بلا تکلف مجھے بتا دو" — اور وہ سسکیاں لینے لگے۔ اُن کا بنگلہ آگیا تھا۔ میں نے

پھاٹک کھولا۔ ہم دونوں باغیچے سے گزر رہے تھے کہ وُہ زور زور سے رونے لگے۔ پھر اُنہوں نے دھاڑیں مارنی شروع کر دیں اور میں اُنہیں وہیں چھوڑ کر سرپٹ بھاگا۔ اتنے زور سے کہ پھاٹک صاف پھلانگ گیا۔ اس سے پہلے مجھے اندازہ نہ تھا کہ میں ہائی جمپ بھی اچھی خاصی کر سکتا ہوں۔

ہف اور دوسرے لڑکے کیمپ سے واپس آ گئے، انو ہم مجھ سے ملا اور بڑا خفا ہُوا۔ "تمہاری تو یہ ایک شرارت ٹھیری اور میرا بنا بنایا کام بگڑ گیا ہے۔ رآج مجھ سے سیدھے مُنہ بات نہیں کرتی،
موڈی کی سفارش پر میں نے وعدہ کیا کہ میں
آج ہی رآج سے لڑنے کی کوشش کروں گا۔ شام کو میں رآج سے ملا۔ اُس نے صرف جُولی کی باتیں کیں، خوب طعنے دیئے، مُنہ چڑایا۔ میں نے کہا بھی کہ جُولی نے کتنی مرتبہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔ لیکن اُس نے اس بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔
بولی " یہ منطق میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ بالکل ہری چُگ ہے "۔
خوب لڑائی ہُوئی۔

اگلے ڈانس کے لیئے ٹورنمنٹ شروع ہو چکا تھا۔ ہم برج کھیل رہے تھے یکا یک بِل نے چلّا کر کہا۔ " یہ موڈی اور لینکی بے ایمانی کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے پتے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی سیاہ چشموں میں پتوں کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے "۔۔۔۔ بڑا شور مچا۔ ویسے بِل سچا تھا ہم ایک دوسرے کے پتے دیکھ رہے تھے۔ پچھلے ٹورنمنٹ میں بھی یہی کیا تھا لیکن ہم نے اقبالِ جُرم نہیں کیا۔
موڈی بولا۔ " یہ تو ہمیں آج تک خیال ہی نہیں آیا "۔
سب نے کہا یہ بے ایمانی ہے، ٹورنمنٹ بھی ختم ۔۔۔۔ موڈی بولا " اچھا اس ڈانس کے لئے ٹاس کئے لیتے ہیں۔ سب رضامند ہو گئے۔ موڈی میرے کان میں بولا ۔۔۔۔ اس دفعہ میری باری

ہے۔ ٹاس شروع ہوا اور موڈی جیت گیا۔

اگلے ڈانس کیلئے ہمیں بنا بنایا ٹورنمنٹ مل گیا۔ ٹونی کے بنگلے میں ایک بہت بڑا درخت تھا جس میں چھپ کر رات کو کوئی اُلّو بولتا تھا۔ پہلے تو کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا لیکن ہفتے بھر سے اُلّو نہایت باقاعدگی سے بول رہا تھا۔ مسز ٹونی اُلّو کی آواز سے بہت ڈرتی تھیں۔ انہیں شگونوں پر اعتقاد تھا اور وہ کچھ وہمی بھی تھیں۔ ٹونی نے اندھیرے میں اُلّو پر بندوق چلائی لیکن کچھ نہ بنا۔ انہوں نے ہمیں بتایا۔ موڈی بولا "ہم ساتوں باری باری کوشش کریں گے۔ ہر رات صرف ایک لڑکا گولی چلائے گا۔ ہر ایک کو تین کارتوس ملیں گے"

پہلی رات موڈی نے گولی چلائی۔ اُلّو کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ گولی لگنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ادھر گولی چلی۔ اُدھر آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا۔ موڈی چلا کر بولا۔ "دیکھا تم نے؟ بخدا کیا نشانہ ہے اور میں نے اچھی طرح شست بھی نہیں لی تھی۔" میں نے اپنی باری آخیر میں رکھی۔ مجھے پورے چاند کا انتظار تھا۔ آخر چودھویں کا چاند نکلا۔ بل بولا۔ "اگر لینکی بھی ناکامیاب رہا تو پھر فیصلہ کیونکر ہوگا؟" موڈی بولا "پھر کچھ اور سوچیں گے۔"

چاند جب اونچا ہو گیا اور درخت کے پیچھے چلا گیا تو میں نے اِدھر اُدھر گھوم کر وہ شاخ تلاش کی جس پر اُلّو بول رہا تھا۔ آخر ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں چاند بالکل اُلّو کے پیچھے آگیا اور اُلّو صاف نظر آ رہا تھا۔ اب شست لینے کی مصیبت پڑی۔ کیونکہ میں سائے میں تھا۔ موڈی نے مشورہ دیا کہ بندوق کی مکھی پر چاک لگا لو۔ چاک لگایا۔ چاک کے نشان، اُلّو اور چاند کو سیدھ میں لے کر میں نے بندوق داغ دی۔ پتوں اور ٹہنیوں میں اُلجھتا ہوا اُلّو نیچے گرا اور میں نے جولی کو ایک اور رقص کے لئے جیت لیا۔

ہمارے ہاں ڈرنک پارٹی تھی اور اس کے بعد ڈنر۔ ڈرنک پارٹی پر ایک بہت بڑے افسر آ رہے تھے۔ ابھی پارٹی شروع نہیں ہوئی تھی کہ پوزی نے پینا شروع کر دیا۔ جب ان حضرت کے آنے کا وقت ہوا

تو پوزی اُونگھنے لگا ہم اُسے کمرے میں لے جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ کسی نے کہا وہ آگئے ہیں۔ جلدی سے ہم نے پوزی کو ایک صوفے پر لٹایا اور اُوپر سے اخبار ڈال دیئے۔ عین جب اُن کا جام صحت پیا جا رہا تھا اُن کی نظر صوفے پر جا پڑی۔ جہاں اخبار ہل رہے تھے۔ موڈی فوراً بولا "اُوہ ہوا بڑی تیز ہے، کھڑکی بند کر دینا ذرا"۔۔۔ موڈی کے اشارے پر ہم کئی لڑکے صوفے کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور پوزی اور اخبار کو چھپا لیا۔۔۔ اتنے میں پوزی نے لیٹے لیٹے ایک تان لگائی اور موڈی بولا۔۔۔ "یہ ریڈیو کون بجا رہا ہے؟" ۔۔۔ جب وہ حضرت چلے گئے تو سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ آٹھ بجے ڈنر کے لئے مہمان آگئے۔ اُنہوں نے جب ہمارے میس کے کتے، بلیاں اور پرندے دیکھے تو کوئی بولا۔۔۔ "بھئی یہ تو اچھا خاصہ چڑیا گھر ہے"۔

"چڑیا گھر تھا تو نہیں ۔۔۔ آٹھ بجے کے بعد بن گیا ہے"۔ موڈی نے جواب دیا۔

کچھ حضرات سکندر اعظم کا ذکر کرنے لگے۔ کیونکہ مشہور تھا کہ اُس جگہ سے کبھی سکندر اعظم گزرا تھا کچھ بولے۔۔۔ "موڈی تمہیں وہ سکندر اعظم اور اُس کے والد کا جھگڑا یاد ہے نا؟"

موڈی بولا۔۔۔ "جی نہیں میں اس وقت وہاں موجود نہیں تھا"۔

ایک صاحب اپنے بنگلے کا ذکر کر رہے تھے جو پہاڑ کے عین نیچے تھا۔ اُنہوں نے موڈی سے پوچھا۔ "کبھی اُس پہاڑ پر بھی چڑھے ہو؟"

موڈی بڑے عجز سے بولا۔۔۔ "جی نہیں ہم یہیں خوش ہیں"۔

"عنقریب اُس پہاڑ پر برف پڑے گی، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اگلے مہینے تک برف میرے بنگلے تک نہ آجائے"۔

"تو کیوں نہ وہاں پہرہ لگوا دیا جائے کہ وہ برف کو نیچے نہ آنے دیں"۔

"ویسے یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے"۔

"یہاں کی آب و ہوا مصنوعی معلوم ہوتی ہے"۔

"یہاں میری صحت اتنی اچھی ہوگئی ہے کہ میں صبح دو میل پیدل سیر کرتا ہوں"۔

"اچھی صحت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسان کا کسی سے لڑ پڑنے کو جی چاہتا ہے"۔

"میں تو خوش رہتا ہوں — یہ آب و ہوا"۔

موڈی نے پھر بات کاٹی — "خوشی وہ چیز ہے جسے ہم اُس وقت محسوس کرتے ہیں جب ہمیں بیزار رہنے کی فرصت نہ ہو"۔

اب کوئلوں کا ذکر چھڑ گیا، کچھ بولے — "شکر ہے کہ یہاں کافی کوئلہ مل جاتا ہے"۔

موڈی بولا "لیکن اس کمبخت کوئلے کا زیادہ حصّہ تو دھواں بن کر اُڑ جاتا ہے"۔

سندرم کوئلے سے چلنے والی مشینوں کا ذکر کرنے لگے۔ پھر برقی طاقت کا ذکر آیا ہے۔ موڈی بولا "حضرات! آپ بتا سکتے ہیں کہ دُنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت کونسی ہے"؟

کسی نے کہا۔ ہائیڈرو الیکٹرک، کسی نے کچھ بتایا، موڈی بولا — "نہیں حضرات نہیں — دُنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت ہے عورت کے آنسو"۔

اب عورتوں کا ذکر شروع ہوگیا ہے۔ ایک صاحب بولے "کئی سال کا ذکر ہے میں نے ایک خاتون سے کچھ کہہ دیا۔ وہ بولیں — یہ الفاظ ایک مرتبہ اور کہہ دو اور میں عمر بھر کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی"۔

"پھر تم نے کیا کہا"؟

"میں نے کہا — خبردار کر دینے کا شکریہ"۔

بج اپنے گھوڑے کا ذکر کر رہے تھے کہ میں ہر روز اتنے میل سواری کرتا ہوں۔ گھوڑا ناشتے میں یہ کھاتا ہے اور شام کو یہ۔ ہفتے میں اس پر اتنا خرچ ہوتا ہے۔ بل نے بڑی معصومیت سے پوچھا ——" تو جناب یہ گھوڑا فی گیلن کتنے میل کر لیتا ہوگا؟"

بج نے اب اپنا محبوب موضوع شروع کر دیا۔ پہلے تو سب چپ چاپ سنتے رہے۔ پھر ٹوکا ٹاکی شروع ہو گئی۔ وہ سنا رہے تھے —— " جب میں نیوزی لینڈ میں تھا تو وہاں خوب بندروں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔"

" لیکن غالباً نیوزی لینڈ میں بندر نہیں ہوتے ——!" ایک طرف سے آواز آئی

" اب کہاں رہے ہوں گے، سارے کے سارے انہوں نے ختم جو کر دیئے تھے۔" موڈی بولا

" اور جب میں افریقہ میں تھا تو خوب کنگرو کا شکار کھیلتا تھا۔"

" لیکن غالباً افریقہ میں کنگرو نہیں ہوتے۔"

" تم لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ میں آج سے چالیس سال پہلے کا ذکر کر رہا ہوں۔" بج بولے

اب موڈی نے اپنے شکار کا قصہ شروع کیا " میں نے بھی ایک دفعہ شکار کھیلا تھا۔ ایک بطخ مجھ سے آٹھ دس گز کے فاصلے پر بیٹھی تھی۔ میں نے فائر کیا، کچھ نہ بنا، پھر فائر کیا، پھر کچھ نہ ہوا —— پندرہ فائر کئے۔ لیکن بطخ جوں کی توں محفوظ تھی اور وہیں بیٹھی تھی۔ آخر وہ خود میرے پاس چل کر آئی اور ایک روپیہ میرے ہاتھ میں دیکر بولی۔ جاؤ اس کا کچھ لے لینا۔"

مصوری کا ذکر چھڑ گیا۔ ایک صاحب بولے —" میں نے کل قطب شمالی کے برفانی نظاروں کی تصویر بنائی جب تصویر مکمل ہوئی تو اس قدر سردی ہو گئی تھی کہ مجھے زکام ہو گیا اور پاس رکھے ہوئے

تھرمامیٹر کا پارہ بالکل نیچے چلا گیا۔"

"اور میں نے شعلوں کی تصویر بنائی تھی"۔ ایک طرف سے آواز آئی ۔ "تصویر ابھی نامکمل تھی اتنی آنچ ہوگئی کہ کاغذ جل گیا"۔ اب موڈی کی باری تھی وہ بولا ۔ "حضرات میں نے پچھلے ہفتے چارلی چپلن کی نہایت اعلیٰ تصویر بنائی تھی ۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجیے"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

سب نے پوچھا۔ "کیوں ؟ کہاں چلے ؟"

موڈی بولا: "ہر شام کو تصویر کی داڑھی اُگ آتی ہے اور مجھے شیو بنانا پڑتا ہے۔ میں اس کا شیو بنانے جا رہا ہوں"۔

موڈی کو اور مجھے باہر بھیج دیا گیا۔ دُور دُور کیمپ تھے۔ کچھ تو بے پناہ سردی اور کچھ تنہائی۔ وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ پھر برفباری شروع ہو گئی، جھکڑ چلے، طوفان آئے اور آسمان زمین سب سفید ہو گئے۔ چند ہفتے گزار کر جب میں بیس آیا تو یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سال گذر گئے ہیں۔

موڈی بھی چند دنوں کے بعد آ گیا۔ ہمارے میس پر چار پر گنبوں کو بلایا گیا۔ جولی بھی آئی۔ اُس سے بس رسمی طور پر دو تین باتیں ہو سکیں۔ رآج بھی آئی۔ اس نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور بھی کئی لڑکیاں آئی تھیں۔ میں ایک کونے میں انگیٹھی کے پاس بیٹھا تھا۔ دوسرے کونے میں لڑکیوں کا جھرمٹ تھا

موڈی کہہ رہا تھا۔ "کیمپ کی ڈیوٹی سے بالکل مرجھا گیا ہے لڑکا ۔ آج کوئی بھی لڑکی اس کی طرف نہیں دیکھ رہی ہے۔ برف کی وجہ سے تیرنے کا پروگرام بھی بند ہو چکا ہے ۔ چچ چچ بیچارہ لینکی"۔

دوسرے لڑکے بھی آ گئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ آخر میں تنگ آ کر اٹھا۔ لڑکیوں کے جھرمٹ میں گیا اور ان کی پامسٹری شروع کر دی۔ لڑکیوں نے مجھے گھیر لیا۔ میں باری باری ہر ایک کی ہتھیلی دیکھتا اور جب قسمت بتاتا تو ان کے چہرے سُرخ ہو جاتے۔ موڈی اور بل وغیرہ ایک طرف کھڑے جل بھن رہے تھے رآج روٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف لیجا کر میں نے اس کی ہتھیلی دیکھی اور کہا ۔ "اسی سال تمہیں وہ شخص مل جائیگا

جس کا تمہیں اتنے دنوں سے انتظار ہے۔ وہ شخص تمہاری آنکھوں سے یوں مسحور ہو کر رہ جائے گا کہ عمر بھر اس سحر سے نہ نکل سکے گا۔۔۔ آج تمہیں کسی نے تمہاری آنکھوں کے متعلق بھی بتایا ؟۔۔۔ تمہاری ہتھیلی کی لکیریں کہتی ہیں کہ تم نہایت عقلمند لڑکی ہو، جوں جوں دن گزرتے جائیں گے تم اور بھی عقلمند ہوتی جاؤ گی حتیٰ کہ ۔۔۔!"

"وہ تو درست ہے ۔۔۔ بھلا تم میری آنکھوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے ؟"

"اور اگر وہ شخص تمہیں اس اتوار تک نہ ملے تو اتوار کی شام کو میں کچھ نہیں کر رہا ہوں مجھے بلا لینا"

وہ بولی "لیکن ابھی تم نے میری آنکھوں کا ذکر کیا تھا"

جولی علیحدہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اُس کی ہتھیلی اپنے ہاتھ میں لے کر میں نے اُسے بتایا "یہ لکیریں کہہ رہی ہیں کہ تم جتنی حسین ہو اتنی ہی تمہاری قسمت بھی حسین ہے۔ یہ لکیر کہتی ہے کہ تمہارے ہونٹ بے حد رسیلے ہیں ۔۔۔ اور یہ لکیر کہتی ہے کہ تمہاری آنکھیں ایسی ہیں جیسے خواب دیکھ رہی ہوں ۔۔۔ اور اس لکیر سے صاف عیاں ہے کہ تمہارے چہرے پر وقار ہے، تمکنت ہے۔ یہ دو لکیریں جو ایک دوسرے سے مل رہی ہیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کل سہ پہر کوئی تم سے ملے گا اور تم اُس سے ملنے ندی کے پُل تک جاؤ گی ۔۔۔ جہاں درختوں کا جھنڈ ہے ۔۔۔ وہاں ۔۔۔!"

"مگر وہ تو بہت دُور ہے اور پھر گھر سے ایسے موسم میں مجھے نکلنے کون دے گا"

"مگر یہ لکیریں کہہ رہی ہیں کہ گھر سے تم کوئی بہانہ کر کے چلو گی۔ اگر تم نہ گئیں تو وہ بےحد اُداس ہو جائے گا وُہ پہلے ہی بہت اُداس ہے۔ اتنے دنوں سے اُس نے تمہیں اچھی طرح نہیں دیکھا ۔۔۔ وہ تمہیں یاد کرتا رہا ہے"

اگلے روز میں ندی کے پل کے پاس درختوں کے جھنڈ میں بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ آسمان پر گھٹا تُلی کھڑی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی۔ برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ مجھے بالکل یقین نہ تھا کہ جُولی ایسے میں اتنی دُور آسکے گی۔ یکایک ایک سُرخ سی چیز اُفق پر نمودار ہوئی ۔۔۔ اور نزدیک آ گئی ۔۔۔ یہ جُولی تھی، سُرخ لباس پہنے ۔۔۔ سُرخ کوٹ، سُرخ سویٹر، سُرخ دستانے، سُرخ فراک ۔۔۔ سُرخ گال، سُرخ ہونٹ، ایک پتھر سے برف ہٹا کر میں نے برساتی بچھائی اور ہم دونوں بیٹھ گئے ۔

"تم بہت تنگ کرتے ہو، میں بالکل نہ آتی۔ اگر مجھے تمہارے غمگین ہو جانے کا خیال نہ ستاتا، کل بھی تم اداس تھے ۔۔۔ آج دوپہر تک میرا آنے کا ارادہ بالکل نہ تھا ۔۔۔ بھلا اتنی دور اس برف میں ملنے میں تک کیا ہے ۔۔۔ میں بھی نری بیوقوف ہوں۔"

"مگر تمہاری ہتھیلی کی لکیریں ۔۔۔"

"اچھا لاؤ میں تمہاری ہتھیلی دیکھوں" ۔۔۔ اس نے میری ہتھیلی اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ "یہ لکیر کہتی ہے کہ جس لڑکی سے تم یہ کہتے رہتے ہو کہ تم اسے چاہتے ہو۔ اسے بڑا افسوس ہے کہ وہ تمہیں نہیں چاہتی اس لئے نہیں کہ تم اچھے نہیں ہو بلکہ اس لئے کہ اس کی پسند مختلف ہے۔ اسے شوخ اور شرارتی لڑکے نہیں بلکہ مدبر اور سنجیدہ شخص پسند ہیں، یہ دوسری لکیر کہتی ہے کہ وہ تمہیں محض ایک اچھا لڑکا سمجھتی ہے اور ایک اچھا دوست، بس!"

"اب میں تمہاری ہتھیلی دیکھوں گا ۔۔۔ یہ لکیر جو مڑ گئی ہے پوچھتی ہے کہ کیا وہ شخص تمہاری زندگی میں آ گیا ہے۔ جسے تم چاہتی ہو؟"

وہ میری ہتھیلی دیکھ کر بولی۔ "وہ کبھی کا آ چکا ہے جیسا کہ اس چھوٹی سی لکیر سے ظاہر ہے۔ وہ اس لڑکی کا منگیتر ہے۔"

میں نے اس کی ہتھیلی دیکھ کر کہا۔ "تو وہ لڑکی منگنی کی انگوٹھی کیوں نہیں پہنتی ۔۔۔ تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو سکے۔"

وہ میری ہتھیلی دیکھ کر بولی۔ "آج کل اچھی انگوٹھیاں ملتی کہاں ہیں ۔۔۔ عنقریب اس کا منگیتر آ جائے گا اور پھر ان کی شادی ہو جائے گی۔"

میں منہ بنا کر بولا۔ "یہ ہمیں پہلے سے کیوں نہیں بتایا گیا؟"

وہ شرارت آمیز مسکراہٹ سے بولی۔ "بس یہ مسٹری ختم؟"

[illegible]

"روٹھ گئے؟"

میں چپ تھا۔

"یہ روٹھنا تم نے کب سے سیکھا ہے — میں نے کہا تو ہے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں" —

میں پھر بھی یونہی بیٹھا رہا

"خدایا! تم کتنا ستاتے ہو — اگر تم اور نہ مانو گے تو میرے آنسو نکل آئیں گے"

اب مجھے منانا پڑا

ہلکے ہلکے برف کے گالے گر رہے تھے۔ سب کچھ سفید تھا۔ برفباری نے آس پاس کی سب چیزیں اوجھل کر دی تھیں۔ ہم ملائم برف پر آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ برفباری تیز ہوتی جا رہی تھی جھک کر چل رہے تھے۔

"آؤ" میں نے بازو پھیلا کر کہا "میں تمہیں اٹھا لوں"

"نہیں تم تھک جاؤ گے"

میں نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا —————— وہ آنکھیں موند کر بولی — "میں سو جاؤں؟"

"سو جاؤ"

بس میں ہم برف کی گیندوں سے خوب کھیلتے     کرنے کے بعد اکثر یہ کھیل ہوتا اور ایک دوسرے کو خوب پیٹا جاتا۔ برف کا مجسمہ بھی بنایا جاتا جب     بن چکتا تو اس کے گلے میں ایک مفلر لپیٹتے، سر پہ ہیٹ رکھتے اور منہ میں پائپ ٹھونس دیتے۔ ادھر مل کو نہ جانے کیا ضد تھی۔ ہم ذرا ادھر ادھر ہو جاتے اور وہ برف کے مجسمے کے ایک لات لگاتا، پھر دوسری پھر تیسری، اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔ اسے ہم نے متنبہ بھی کیا۔ کئی مرتبہ پہرہ بھی دیا۔ لیکن وہ سب کی نظر بچا کر رات کو کسی وقت توڑ جاتا اور بعد میں کہتا کہ میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ شام کو ہم نے نہایت نفیس برف کا مجسمہ بنایا۔ کھانے کے بعد سکنڈ شو دیکھنے چلے۔ مرڈی نے

معذرت چاہی۔ ہم نے اُسے معاف کر دیا۔ رات گئے ہم واپس لوٹے۔ میس پہنچے۔ بِل سیدھا برف کے مجسمے کے پاس گیا اور آگے بڑھ کر ایک لات لگائی۔ اُدھر مجسمے نے تڑپ کر ایک دھپ دیا بِل کے مُنہ پر۔ پھر دوسرا پھر تیسرا۔ اب بِل ہے کہ بُت بنا کھڑا ہے اور مجسمہ اُسے پیٹ رہا ہے۔ پھر بِل بھاگا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔ رات بھر بِل کانپتا رہا۔ صُبح اُسے پتہ چلا کہ رات جس نے اس کی مرمت کی تھی وُہ برف کا مجسمہ نہیں تھا موڈی تھا جو مجسمے کی جگہ کھڑا تھا ایک سفید چادر اوڑھ کر اپنے اوپر بہت سی برف ڈال کر منہ میں پائپ دبا کر اور سر پر ہیٹ پہن کر۔

کلب میں ڈانس تھا اور میں پرانے ٹورنمنٹ کی بنا پر جُولی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ جُولی نے جگمگ جگمگ کرتا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ میں اسے وُہ گانا سُنا رہا تھا ــــ جب تم میرے ساتھ ہو تو میں آسمان کی طرف نہیں دیکھتا۔ کیونکہ تارے تمہاری آنکھوں میں ناچتے ہیں ــــ چاندنی تمہارے چہرے سے جھلکتی ہے۔ ہم رقص کرتے کرتے باہر آ گئے۔ آسمان صاف تھا اور چاندنی چھٹکی ہُوئی تھی۔ درختوں پر، پودوں پر، مکانوں پہ برف ہی برف تھی۔ اور چاندنی میں برف اتنی چمک رہی تھی کہ آنکھیں خیرہ ہُوئی جاتی تھیں۔ دھیمی دھیمی موسیقی کی صدائیں آ رہی تھیں۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ رقص کر رہے تھے۔ میں کہہ رہا تھا۔ "اس چہرے پہ وُہ جلا ہے جو صُبح صُبح آسمان پہ پھیل جاتی ہے۔ ان گالوں پہ وُہ دمک ہے جو سُورج ڈوبتے وقت بادلوں پہ چھوڑ جاتا ہے ــــ یہ ہونٹ گلاب کی دو پنکھڑیاں ہیں ــــ تمہارے گلے کے ہار میں یہ جو دل کی شکل کا ناگ ہے دراصل یہ میرا دل ہے۔"

"توبہ توبہ ــــ کتنے جھوٹے ہو تم ــــ باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔"

"سچ جُولی۔ جب تم مسکراتی ہو تو غنچے چٹکتے ہیں، پھُول جھُومنے لگتے ہیں ــــ اور دُنیا مسکرانے لگتی ہے جب تم میرے پاس ہوتی ہو تو مجھے زندگی کی لطیف ترین چیزیں یاد آ جاتی ہیں ــــ مجھے اس دُنیا کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے جس سے میرے خواب کبھی کبھی جگمگا اُٹھتے ہیں۔"

وُہ میری ٹائی کی گرہ درست کرتے ہُوئے بولی ــــ "مجھے ڈر ہے کہ اگر اسی طرح چند مہینے اور گزر گئے تو کہیں میں تمہیں زیادہ پسند نہ کرنے لگوں ــــ اب مجھے منگیتر کو آ جانا چاہیئے۔"

اور اُس کا منگیتر آگیا جو کیمپ پر تھا۔ وہاں مجھے یہ خبر پہنچی۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی کہ اس کے ساتھ سلدا کنبہ جا رہا ہے۔ شادی کہیں اور ہوگی اور بفنے سب کو بتا دیا ہے کہ وہ جُولی پر بُری طرح عاشق ہے۔

کیمپ سے واپس آکر میں نے کلب میں جُولی کے منگیتر کو دیکھا۔ پینتیس چھتیس برس کا سنجیدہ اور مالدار شخص تھا۔ جُولی کے کنبے کا پرانا دوست تھا۔ جُولی نے میرا تعارف کرایا۔ میں نے ان دونوں کو مُبارکباد دی اور اُس کے منگیتر سے کہا "تم دُنیا کے سب سے خوش قسمت شخص ہو!"

رآج بھی ملی۔ حسبِ معمول طعنوں کی بوچھاڑ کر دی — "شکر ہے کہ جولیٹ صاحبہ اپنے کسی پرانے رومیو کے ساتھ جا رہی ہیں۔ اب تو آپ ہمارے ہاں آیا کریں گے نا!"

بف کا بہت بُرا حال تھا۔ بس یہ پچھتاوا اُسے مارے ڈالتا تھا کہ جُولی سے ایک دفعہ سب کچھ کہہ کیوں نہ دیا۔ اُسے ایک مرتبہ ضرور کوشش کرنی چاہیئے تھی۔

جس شام کو ٹونی کا کنبہ جا رہا تھا اُس روز ہم نے خوب سوگ منایا۔ صبح سے بستروں میں مُنہ چھپا کر لیٹے رہے ———— سہ پہر کو مُوڈی آیا۔ اُس نے ہم سب کو بستروں سے نکالا۔ ایک جگہ جمع کر کے خوب جھاڑا — "تم لوگوں کے آداب کہاں گئے۔ تم کس قسم کے سپورٹسمین ہو؟ لعنت ہے تم سب پر! تمہیں اس وقت سٹیشن پر ہونا چاہیئے تھا الوداع کہنے کے لئے۔ جس لڑکی نے تمہیں اس قدر مسرتیں دی ہیں جس کی وجہ سے زندگی میں کچھ ہلچل مچی رہی۔ اُس کے جانے پر تمہیں بجائے مُنہ بسورنے کے اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔"

اُس نے سگریٹ کا ٹکڑا زمین پر پھینکا اور پاؤں سے کُچل دیا۔ "ایسے چھوٹے موٹے رومانوں کو یوں بھُول جایا کرو جیسے سگریٹ کے بیکار ٹکڑے کو پھینک کر بھُول جاتے ہو —— تم مجھے سنگدل اور تلخ کہو گے۔ لیکن میں زندگی بھر کے تجربے کا نچوڑ بتا رہا ہوں —— اور پھر کون جانتا ہے کہ کل کوئی اور آ جائے — آنے والا کل انسان کے لئے سب سے بڑا تحفہ ہے ——— چلو سٹیشن چلتے ہیں۔"

ہم میں سے ایک دو بھی نہ مانے۔ آخر تنگ آکر موڈی بولا "پاس کر لو۔ پاس کیا گیا مُوڈی

جیتا۔ ہم سب سٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ برفباری کی وجہ سے سائیکلیں بیکار تھیں۔ ہم پیدل چل رہے تھے۔ ہمارے ساتھ موڈی کا وہ اُونچا سا کتا بھی مُنہ میں پائپ دبائے چل رہا تھا۔

ہف اپنے اُوپر جھنجھلا رہا تھا ۔" میں اتنا بُزدل یُونہی بنا رہا ۔ اب یہ بوجھ ہمیشہ میرے سینے پر رہے گا ۔ میں نے جولی سے کیوں نہ کہہ دیا۔ کم از کم ایک دفعہ ہی کہہ دیتا ۔ اگر اب کہہ دوں تو؟ سٹیشن پر ٹیکسی مل جائے گی، بڑی آسانی سے میں ٹرین کو اگلے سٹیشن پر جا پکڑ دوں گا ۔ اگلے جنکشن تک جولی کے ساتھ جاؤں گا اور موقع پا کر اسے سب کچھ بتا دوں گا۔"

موڈی اُسے منع کر رہا تھا۔ جب ہم سٹیشن کے چوک میں پہنچے تو ہف بولا۔ "میں تو ضرور کہوں گا" بڑی بحث ہوئی۔ آخر طے پایا کہ ٹاس کیا جائے۔ ٹاس ہوا۔ چھن سے سکہ سڑک پر گرا اور موڈی جیت گیا۔ ہف نے بسورنا شروع کر دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سٹیشن سے سنو وائٹ اپنی جیپ میں آ رہا ہے اُس نے ہمیں بتایا کہ گاڑی جا چکی ہے۔ اُس نے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ صرف موڈی واپس جانے پر رضامند ہوا۔ وہ دونوں چلے گئے۔

ہم کچھ دیر چوک میں کھڑے رہے۔ پھر یکایک شارٹی نے وہ سکہ سڑک سے اُٹھا لیا جسے موڈی جلدی میں وہیں بھول گیا تھا۔ شارٹی نے ایک چیخ ماری اور سکہ سب کے سامنے کر دیا۔ سکے کے ایک طرف چہرہ تھا اور دوسری طرف بھی چہرہ تھا۔

ذرا سی دیر میں پوزی اور پینیزی لمبے لمبے قدم اُٹھاتے ہوئے موڈی کی خبر لینے میس کی طرف جا رہے تھے۔ ہف ٹیکسی کی تلاش میں دوسری سڑک پر جا رہا تھا۔ بل چوک میں کھڑا سر کھجا رہا تھا۔ اُس کے پاس ہی موڈی کا کتا مُنہ میں پائپ دبائے کچھ سوچ رہا تھا۔ میں اور شارٹی چائے پینے سٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔

سٹیشن پر پہنچ کر دیکھا کہ ٹرین گئی نہیں ابھی تک وہیں ہے۔ آنے والی ٹرین لیٹ تھی۔ اس کا

انتظار ہو رہا تھا۔ ٹونی کے کنبے سے ملاقات ہوئی پلیٹ فارم پر پیچ ملے۔ وہ اپنے کنبے کو لینے آئے تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے دوسری ٹرین آگئی۔ ٹرین سے اُن کی بیوی اُتریں۔ پھر دو بچے اور پھر ایک بیحد حسین لڑکی۔ ہو بہو جولی کی تصویر، بالکل ویسی ہی۔

ٹونی اور پیچ باتیں کر رہے تھے۔ میری نگاہیں کبھی جولی کی طرف جاتی تھیں اور کبھی اس نووارد لڑکی کی طرف جس سے پیچ نے ابھی ابھی میرا تعارف کرایا تھا۔ اُس کی دُزدیدہ نگاہیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں تو میں احمقوں کی طرح اُن دونوں چہروں کو دیکھ رہا تھا — جو بالکل ایک جیسے تھے، دونوں پہ وہی شوخی تھی۔ وہی بے پناہ حسن، وہی دلآویزی، وہی جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ۔
اور شارٹی بڑے غور سے اُس سکے کو دیکھ رہا تھا جس کے دونوں طرف چہرے تھے۔

# قصّہ پروفیسر علی بابا کا

جس کو یکہ تازِ میدانِ فصاحت شہسوارِ عرصۂ بلاغت سخنگوئے شیریں کلام محمد خالد بی ایس سی انجینیئرنگ حال مقیم انگلستان نے باوجود ہزارہا وعدوں کے ترتیب دینے سے انکار کر دیا چنانچہ ہیچمدان ناچیز کمترین مصنّف عفی عنہ کو بقلم خود اکیلے ہی بزبانِ اُردو زیورِ نظم و نثر سے مثلِ عروس کے مرصّع کرنا پڑا اور کوزے کو دریا میں بند کرنا پڑا۔

اور از راہِ عالی ہمتی رئیس والاشان جوہر شناس اہلِ کمال حضرت نظام الدین رقم منشی کرشن چند صاحب ایم اے ایل ایل بی نے اپنے مجموعۂ فیض مرجع میں اس کے طبع کا حکم صادر فرمایا تاکہ ہر خاص و عام اس قصّۂ نصیحت و فضیحت آموز سے مستفید ہو سکے۔

جاگے سب سنسار سوئے پروردگار اے صاحبو! راویانِ روایات و حاکیانِ حکایات شاہد دلربائے سخن اور لعبتِ شیریں ادائے افسانہائے کہن کو یوں صفتِ آرائش سے مزیّن کرتے ہیں کہ شہر بغداد جہاں ہر فرد و بشر کو شعر و شاعری کا ذوق تھا عشق و محبت کا شوق تھا جہاں ہر رات عید تھی اور ہر دن شب برات کہیں لنگر جاری ہیں کہیں ساون بھادوں کی تیاریاں سبزہ زمرد گوں گلہائے معنبر کے الوان بوقلموں صحن کوہ خسیع چھتیں رفیع، ہاتھی دانت کے تخت پر مذہب مطلا اگر دپوش، زرد

اطلس کمخواب نکیہ بڑے دام کا، اس پر بھاری کار روپہلے کام کا۔ سنگ مرمر کے حوض لطافت بار، پانی جوامر خیز و گوہر بار، شہر بغداد جہاں ——— لیکن ٹھہریے یہ قصہ شہر بغداد کا نہیں ہے کہیں اور کا ہے۔

تو صاحبو قصہ یوں چلتا ہے کہ شہر بغداد سے دور کسی جگہ ایک علی بابا رہتا تھا۔ یوں تو آس پاس کئی اور علی بابے بھی رہتے تھے لیکن وہ ان سب میں نمایاں و ممتاز تھا۔

علی بابا خوش وقت، خوش نصیب، خوش طبیعت و خوش خوراک تھا۔ خدا نے اُس کے والد کو بہت سارے چھپر پھاڑ کر دولت عطا فرمائی تھی۔ کیونکہ وہ شہر کا سب سے بڑا اور کامیاب فوجی ٹھیکیدار تھا۔ اس لئے بے فکری اور خوش حالی کا دور دورہ تھا۔

ایسے صحت افزا حالات میں علی بابا کا محبوب ترین مشغلہ وہی تھا جو اس قسم کے انسانوں کا ہوتا ہے یعنی صبح سے شام تک سیاسیات۔ وہ سیاسیات پر عاشق تھا اور اُس کا خیال تھا کہ سیاسیات اُس پر عاشق ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کسی خاص فرقے یا گروہ کا مداح تھا ——— نہیں! وہ ہر پارٹی کا طرفدار بھی تھا اور مخالف بھی۔ صبح جس فرقے کی طرفداری میں لڑتا شام کو اُسی کے خلاف جھگڑتا۔ جب وہ سیاسیات پر بحث کرتے کرتے تھک جاتا تو پھر بحث شروع کر دیتا۔ جب بحث کر چکتا تو پھر بحث کرتا۔ اُس کی زندگی کے بہترین لمحے اسی قسم کے بحث مباحثوں اور گالی گلوچ میں گزرتے تھے۔ خبریں سنتے سنتے وجد میں آ کر اُس نے کئی ریڈیو توڑ ڈالے تھے۔ اپنا بلڈ پریشر بڑھا لیا تھا۔ جس روز وہ اس سلسلے میں کسی کو کچھ سُنا نہ لیتا اور کسی سے کچھ سُن نہ لیتا۔ اُس روز اُسے سکونِ قلب میسر نہ ہوتا اور یہی خیال ستاتا کہ دن یونہی ضائع ہوا ہے۔

ایک رات علی بابا ایک جلسے سے دیر ہوئے لوٹا۔ سونے کا قصد کیا ہی تھا کہ پڑوس سے باتوں کی آواز آئی۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو کچھ جانوروں کو حقان پر باتیں کرتا پایا۔ علی بابا!

نہ حیران ہوا نہ پریشان، کیونکہ اُس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ چند صدیوں پہلے جانور بڑی مسجع اور مقطع زبان میں کھلم کھلا باتیں کیا کرتے تھے۔ علی بابا نے کان لگا کر باتیں سنیں۔ دنیا کی سیاسی حالت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سب جانور اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

گدھا کہہ رہا تھا ۔۔۔۔ "حضرات، انسانوں کی طرح اپنا وقت ضائع مت کیجئے۔ خدا کے لئے کوئی مفید بات کیجئے۔ یہ کیا بیہودہ موضوع لے بیٹھے ہیں آپ۔"

اونٹ بولا ۔۔۔ "بھائی صاحب! میں آپ سے متفق ہوں۔ آپ ہمیشہ عقلمندی کی بات کیا کرتے ہیں۔"

گدھے نے مسکرا کر کہا ۔۔۔ "شتراں چہ عجب گر بنوازند گدھا را ۔۔۔ میرے خیال میں دنیا کا سب فرسودہ موضوع سیاسیات ہے۔ کچھ ہو رہا ہے، کہیں ہو رہا ہے، کوئی کر رہا ہے۔ نہ آپ اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں نہ میں۔ پھر مفت میں تلملانے کی کیا ضرورت ہے۔"

بکرا بولا ۔۔۔ "موسم کو نہ آپ بدل سکتے ہیں نہ میں۔ پھر ہم موسم کے متعلق اتنی باتیں کیوں کیا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ سیاست سے بے بہرہ ہوں۔"

گدھے نے جھلّا کر کہا: "حضرت آپ کے اِس فقرے نے میری پوزیشن کس قدر آکورڈ کر دی ہے دیکھیے۔"

علی بابا اپنے تئیں سیاست کی بے حرمتی نہ دیکھ سکا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ پہلے قصد کیا کر چشم زدن میں اس مردود گدھے کا سر تن سے جدا کر دے پھر سوچا کہ آخر کو گدھا ہے، موقع پا کر اس نابکار کو زدوکوب کر دینا ہی کافی ہوگا۔

اتنے میں لنگور گویا ہوا ۔۔۔۔ "آج میں نے اُس دوشیزہ جادو جمال، پری تمثال، سرو بلند اقبال، مشتری خصال ۔۔۔۔"

"کیا کہا مشتری خصال ۔۔۔" گدھے نے بات کاٹی۔ "آپ اسی لڑکی کا ذکر تو نہیں کر

سبے جو پڑوس میں رہتی ہے ۔؟"

" ہاں ـــــ چاند اُس کے آگے ماند تھا آفتاب عالمتاب بلا خیرگی نگاہ تاب نظارہ حُسن گلو سوز نہ لا سکتا تھا۔ وہ سیمیں بدن غنچہ دہن' زنِ یوسف لقا 'گلگوں قبا' جادو نگاہ تہن غدد یکتائے روزگار' پری پیکر' رشکِ قمر' گلعذار' وطرحدار لڑکیوں کے ساتھ ٹینس کھیل رہی تھی"۔

" سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ لیڈیز ڈبلز ہو رہے تھے"۔ گدھا بولا۔

" آہ ـــــ حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی ۔ نہ انکی دوستی اچھی نہ انکی دشمنی اچھی"

ـــــ لنگور آہِ سرد کھینچکر بولا ۔

"کیا بیہودگی ہے ۔؟" گدھا جھلا اٹھا ۔

" گدھے صاحب بعض اوقات تو میرا آپ کو فی النّار و السقر کر دینے کا پختہ ارادہ ہو جاتا ہے" لنگور بھی جھلا اٹھا

" یعنی ۔؟"

" یعنی جی چاہتا ہے کہ آپ کو انا اللہ وانا علیہ راجعون کہہ دوں "۔

" بھائی جان اس قسم کی گفتگو سے پرہیز کیجئے"۔ اونٹ بولا۔

" یہ جو اپنے پڑوس میں ایک جوان تنومند دقد رہتا ہے کیا اس نے اس نازنین کو نہیں دیکھا ؟"

" غالباً تمہارا مطلب علی بابا سے ہے۔ وہ لڑکی اس کے ہاتھ آنے سے رہی"

" تو کیا اُس کے لئے کوئی آسمان سے اُترے گا ؟"

" اور کھجور میں اٹکے گا ؟" لنگور نے لقمہ دیا۔

" لڑکیوں کے معاملے میں ہر ایک کو ذرا اسٹیلسٹ ہونا چاہیئے"۔ بیل بولا " میرے خیال میں علی بابا اتنا بُرا بھی نہیں ہے اُسے چاہیئے کہ اس لڑکی کو اپنی کزن مشہور کر دے۔ آج کل یہ حربہ عام ہے کسی لڑکی کو کہیں لئے پھرو کوئی پوچھے تو کہہ دو کہ میری کزن ہے۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا"۔

"کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ دے۔" لنگور بولا۔ لنگور اکثر بڑے تکی باتیں کرتا تھا۔

ایک دم علی بابا کے دل میں خیال گذرا کہ دنیا ناپائیدار گذشتنی و گذشتنی ہے زندگی کا بھروسہ نہیں دمِ مستعار پر کسی کا اجارہ نہیں۔ ابھی سانس چلتی ہے۔ اور ابھی باتیں کرتے کرتے جان نکلتی ہے حیف ہے کہ ایسی لینہ دہن زلیخا جمال پڑوس میں رہتی ہو اور زندگی بغیر عشق و عاشقی کٹے۔ یہ سنہری موقع ہے چنانچہ اُس نے اللہ کا نام لیا اور عاشق ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اگلی صبح جانا علی بابا کا اور دیکھنا نازنین کو کھیلتے ٹینس اور ہونا عاشق ہزار جان سے دیکھنا حسینہ نازنین کا کہ ایک نوجوان خوبصورت لباس عمدہ پہنے مصروف تاک جھانک ہے۔ ہونا چار آنکھوں کا۔ ہونا انکشاف علی بابا پر کہ نام اُس بُت طناز کا مس مرجانا ہے۔

ابھی علی بابا کو عاشق ہوئے چند لمحے ہی گذرے ہونگے کہ اُس کا بھائی قاسم آدھمکا۔ قاسم اُن ہشیار آدمیوں میں سے تھا جو شارٹ کٹ کو بھی شارٹ کٹ کرنے سے نہیں چوکتے۔ اُس کے چہرے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بے حد حساس اور جذباتی انسان ہے لیکن قصور اُس کے احساسات یا جذبات کا نہیں تھا قصور اُس کے جگر کا تھا جو ہمیشہ خراب رہتا تھا۔ قاسم علی بابا کو ہمیشہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا اور رشک و حسد کرتا۔

علی بابا نے پوچھا۔" اے جانِ برادر یہ چہرے پر اداسی و پشیمانی کے آثار کیوں ہیں؟"

"پچھتا رہا ہوں۔"

"کس بات پر؟"

"ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ البتہ مجھے ان دنوں فرصت ہے۔ سوچا کہ پیشگی بچھالوں۔"

"یا اخی تھوڑی دیر گذری میں ایک مصیبت کے جنگل میں گرفتار ہو گیا تھا ——"

"ہاں میں نے بھی دیکھا تھا تم اُسے دیکھ رہے تھے اور وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی۔ اے برادر عزیز ایک بات پوچھوں"

"اے برادر عبدالعزیز ضرور پوچھئے۔"

"یہ عشق اکیلے ہی اکیلے۔ ہمیں اطلاع تک نہ دی"

"اس غلام کو معاف فرمائیے اس بات کو ازراہِ نوازش بزرگانہ بہت نہ بڑھائیے خموشی اور پردہ پوشی ہی مقتضائے وقت اور قرینِ مصلحت ہے اور یہی خردِ دوربین کی ہدایت ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یعنی صبر کیجئے۔"

"کاش کہ میں منشی نا شکل ہوتا تاکہ اسی قسم کی عبارت میں جواب دیتا۔ اے برادر میرا جی چاہتا ہے کہ تجھ سے اسی طرح پیش آؤں جیسے مولانا شبلی ایک پہاڑی بچہ کے ساتھ پیش آئے تھے۔"

"اور میرا بھی ارادہ ہے کہ تجھ سے بعینہ وہ سلوک کروں جو ناتا فرنولیس نے ایک جنگلی کبوتر سے کیا تھا۔ میں مولانا شبلی والا قصّہ ضرور سنتا لیکن اس وقت مجھے بالکل فرصت نہیں۔"

"مجھے بھی ناتا فرنولیس والا قصّہ سننے سے معذور سمجھو لیکن یہ بتاؤ کہ تم اکیلے اکیلے کیوں عاشق ہوتے ہو۔ مجھے جب کبھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا میں نے ہمیشہ تم سے مشورہ لیا۔ پھر واقعے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے دیا۔ کیا ہم دونوں ایک جیسے نہیں؟ تمہاری شکل بھی تو مجھ سے ملتی ہے۔"

"برادر مشفق —— میری شکل تم سے اتنی نہیں ملتی جتنی تمہاری شکل مجھ سے ملتی ہے۔ یہاں تک کہ میں صبح آئینے کی جگہ تمہاری تصویر دیکھ کر شیو کیا کرتا ہوں۔"

"برادر من —— صد حیف کہ تم نے ہمیشہ احسان فراموشی سے کام لیا۔"

"خوب خوب ——— احسان فراموش میں ہوں یا کوئی اور ——— چار مہینے کا ذکر ہے ریس در یس میں ہار کر تم نے ابا جان کے حساب سے رقم نکلوائی میں جانتا تھا پھر بھی خاموش رہا تین مہینے ہوئے تم شراب پی کر اتنے بدمست ہوئے کہ ایک عبادت گاہ میں جا کر عبادت کرنے لگے وہاں سے تمہیں کون اٹھا کر لایا میں۔ دو مہینے ہوئے جب تم نے خودکشی کا قصد کر کے ماڈرن ہال کا رخ کیا تب میں ہی تھا جو تمہیں سمجھا بجھا کر واپس لایا۔ پچھلے مہینے تمہیں کبوتر کتے اور کالا سوٹ خریدنے کے لئے روپے کی ضرورت تھی وہ ———"

"ہاں ہاں وہ سب درست ہے لیکن اس ماہ تم نے میرے لئے کیا کیا ہے۔؟"

"اچھا اگر میں یہ کہوں کہ یہ عاشق ہونے کی اطلاع تمہیں غلط پہنچی ہے تو پھر ———؟"

"تو پھر میں ہرگز یقین نہیں کروں گا۔ مجھے معتبر نامہ نگار کی معرفت یہ خبر ملی ہے۔"

"تمہارے معتبر ذرائع بالکل غلط ہیں۔"

"سچ مچ؟"

"ہاں سچ مچ!"

لیکن تیر نشانے پر بیٹھ چکا تھا، علی بابا گھائل ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ بٹیر بازی شعر و شاعری سیاسیات، پتنگ بازی ——— غرضیکہ سارے مفید مشاغل ترک ہو گئے۔ دن کو اختر شماری ہوتی اور رات کو آہ و زاری۔ پہلے پہل تو اختر شماری میں دقت محسوس ہوئی پھر ایک دوست جو کالج میں ستاروں کا علم پڑھتا تھا ایک آلہ لے آیا جس کی مدد سے ایک دو گھنٹے میں سارے ستارے گن لیتا۔ ایک دن اسے یونہی خیال آیا کہ تارے گننے کے مقابلے میں ہر رتبہ میزان کرنے پر جواب وہی آتا ہے تب سے اس نے اختر شماری چھوڑ دی اور گولف کھیلنا شروع کر دیا۔

ایک رات اس نے جانوروں کو مصروف گفتگو پایا۔ گدھا کہہ رہا تھا ——— "یہ پڑوس میں جو علی بابا رہتا ہے اس قدر آہ و بکا کرتا ہے کہ دن کو جاگنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

اونٹ بولا ۔"بھائی صاحب ۔۔۔ یار را یاری بود از یار ربار اندیشہ کن ۔۔۔ میرا تو بہت جی چاہتا ہے کہ
کسی طرح اس جوانِ بزدل و نیم قد کے کام آؤں۔"

بیل کہنے لگا "حضرات میں تو یہی کہوں گا کہ ایسے معاملوں میں ذرا سوشلسٹ بن جانا چاہئے میں نے
سنا ہے کہ اس مرنفا کے والد بڑے وسیع خیالات کے انسان ہیں۔ اگر یہ حاجی بابا ۔۔۔"

"علی بابا ۔" اونٹ نے لقمہ دیا۔

"معاف فرمایئے۔ اگر یہ علی بابا براہ راست اُن سے ملے تو یقیناً اس کی مراد بر آئے گی۔"

علی بابا نے جو یہ مژدۂ طرب انگیز سُنا تو کمال شاداں و فرحاں ہوا۔

اگلے روز جب سپیدۂ طلعت نشانِ سحر نمودار ہوا اور قلندرِ فلک کا سۂ خورشید لیکر گدائی کو نکلا ۔ یعنی جب
صبح ہوئی تو وہ سیدھا مرجانا کے آبا سے ملا اور عقد کا قصد ظاہر کیا (مرجانا سے)

وہ بولے ۔"اے نوجوان تجھے چار ابرو کا صفایا کرانا منظور ہے یا منہ پر سیاہی لگوا کر گدھے پر سواری
مرغوب ہے جو ایسی جسارت کا مرتکب ہوتا ہے۔"

علی بابا نے کمر ہمت خوب کس کے باندھ رکھی تھی۔ اُسے بیٹی جُھجھکی بھی رہی تھی ۔ بولا "گستاخی معاف
مرجانا لڑکی ہے اُسے آپ فریجیڈیئر میں بند کر کے رکھنے سے رہے کہیں نہ کہیں تو اس کی شادی ہوگی ہی۔
دن گذرتے جا رہے ہیں اور مرجانا کی عمر گھٹنی نہیں جا رہی۔"

بزرگ مارے غصے کے کانپنے لگے۔ پہلے تو ویسے ہی کانپتے رہے پھر باقاعدہ تھر تھر کانپنا شروع کر دیا
بولے ۔"اے مردِ گستاخ پہلے یہ بتا کہ تو میرے پاس براہِ راست کیوں آیا ہے ۔ یہ کارروائی تو نے باقاعدہ اور
باضابطہ کیوں نہیں کی جیسا کہ اس ملک میں رواج ہے ۔ پہلے اپنے والدین کو کہا ہوتا، وہ مجھ سے درخواست
کرتے میں پہلے تو عارضی طور پر انکار کر دیتا پھر درخواست پر غور کرتا ۔ اگر انکار مقصود ہوتا تو کہہ دیتا کہ لڑکی کی عمر
ابھی چھوٹی ہے چند سال اور انتظار کرنے کا ارادہ ہے ۔ اور اگر اقرار منظور ہوتا تو کافی عرصے تک تم لوگوں کو

جھوٹے سچے وعدوں پر لگائے رکھنا، اچھی طرح خراب کرکے پھر ہاں کرنا۔"

" جناب بیاہ شادی کے معاملے میں صرف خواہش ظاہر کی جاتی ہے اگر کوئی چھپے ہوئے فارم ہوتے ہوں تو دے دیجئے۔ بھر کے دستخط کر دوں گا۔ بلکہ ٹکٹ لگا کر انگوٹھا بھی لگا دوں گا۔"

اس مرتبہ جو بزرگ نے کانپنا شروع کیا ہے تو پہلے تھرتھر کانپتے رہے پھر صرف کانپنے لگے۔ علی بابا اتنی دیر سگریٹ پیتا رہا۔ آخر بزرگ بولے۔" اچھا یہ بتا کہ تو شادی کیوں کرنا چاہتا ہے عشق وشق کا ذکر ہرگز زبان پر مت لائیو۔"

" اس لئے کہ بچوں کے بغیر زندگی نامکمل ہے، بچے بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔"

" اور بچے بڑھاپا جلد از جلد لانے میں پوری مدد دیتے ہیں" بزرگ نے لقمہ دیا لیکن علی بابا نے کوئی لقمہ نہ لیا۔

" آپ مرجانا سے بھی تو پوچھئے۔"

" لڑکی سے پوچھنے کا میں قائل نہیں۔ یہ محبت وغیرہ کی فضولیات بہت پرانی ہو چکی ہے۔ ان دنوں ملک میں لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ صرف اسی سے محبت کرتی ہیں جس سے شادی ہونے کا امکان ہو۔ اور مرجانا تو بڑے ناز و نعم میں پلی ہے۔"

" جہاں تک میں جانتا ہوں سب والدین حسب توفیق لڑکیوں کو ناز و نعم میں پالتے ہیں۔ نہ صرف پالتے ہیں بلکہ پوستے بھی ہیں۔"

" تمہاری آمدنی کیا ہے؟"

" جی میرے ابا شہر کے سب سے مالدار آرمی کنٹریکٹر ہیں۔"

" یعنی فوجی ٹھیکیدار ہیں۔"

" جی ہاں۔"

" مگر تم کیا کماتے ہو؟"

"بھلا میں ابھی کیا کما سکتا ہوں۔ ابھی تو میں جوان ہوں۔ سب نوجوان شروع میں ایسے ہی ہوتے ہیں عمر کے ساتھ دولت بھی بڑھتی جاتی ہے۔"

"لیکن تمہارے جیسا ادھیڑ نوجوان ایسے بھی ہوتے ہیں جو شروع میں جیسے ہوتے ہیں ہمیشہ اسی طرح رہتے ہیں۔"

"قبلہ آپ بھول رہے ہیں۔ ہمارے ہاں اس قدر دولت ہے کہ ہم کام کرنا عار سمجھتے ہیں۔ یہ دیکھئے میرے والد صاحب کے پاس اتنی جائداد ہے۔" اس نے جیب سے فہرست نکال کر ایک ایک چیز گنوا دی۔

"تم نے اپنے والد کا کیا نام بتایا تھا؟"—— علی بابا نے دوبارہ نام بتایا۔ بزرگ اندر تشریف لے گئے اور ایک اور بزرگ خوش صفات خجستہ اوقات کو لے آئے۔

"تم سچ بول رہے ہو نا؟"

"جناب میں خدا کو واحد حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ بالکل سچ بول رہا ہوں۔"

"ذرا پھر سے پڑھنا وہ فہرست۔"

علی بابا پڑھتا جاتا تھا وہ نوٹ کرتے جاتے تھے۔ دونوں نے آپس میں کھسر پھسر کی۔ اس کے بعد پھسر پھسر کی اور بولے "خیر بر دار — یعنی برخوردار۔ تمہارے ابا بہت تھوڑا انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں انہوں نے اپنی نصف آمدنی بھی نہیں لکھوائی۔ اب ان سے پورا ٹیکس وصول کیا جائیگا۔ باقی رہے تم سو پہلے اپنے آپ کو کسی قابل بنالو پھر درخواست کرنا۔" بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بزرگ انکم ٹیکس کے محکمے میں تھے۔

اگلے روز جب ظلمتِ شب رخصت ہو رہی تھی اور آفتاب شعاؤں کا تاج پہنے تختِ فلک پر جلوہ افروز ہونے والا ہی تھا کہ قاسم نے علی بابا کو آ پکڑا۔ بولا تم اس زہرہ جبیں کے ابا سے ملنے گئے تھے۔ علی بابا نے انکار کیا۔ قاسم نے اصرار کیا۔ بحث نے طول پکڑا۔ آخر علی بابا کو پھر جھوٹی قسمیں کھانی پڑیں تب کہیں قاسم رخصت ہوا۔ علی بابا کو یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی مخبر بے ایمان ہے جو دس دس کی ایک ایک لگاتا ہے۔ بڑی دیر تک

سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ گھر میں قلندر حبشی ہی ایسا فرد نا معقول ہے جس سے یہ توقع ہو سکتی ہے
سوچا کہ اگر والدِ بزرگوار کو خوش کر لوں تو نہ صرف شفقتِ پدرانہ سے مستفیض ہوں بلکہ منہ مانگا انعام
پاؤں۔ بعد ازیں اس سے ایمان قلندر حبشی کی ساری مستی و قلندری کافور کر دوں۔

والد کو خوش کرنے کا خیال پہلی مرتبہ اس کے دل میں آیا تھا۔ اُس نے اللہ کا نام لیا اور والد کے لئے حقّے
بھرنے شروع کر دئے ہر آدھ گھنٹے کے بعد وہ چلم بھرتا حقّہ تازہ کرتا اور سامنے جا رکھتا بعض اوقات تو وہ
زبردستی حقّہ پلاتا چند ہی دنوں میں اُس نے حقّہ پلا پلا کر اپنے والد کو اس قدر تنگ کر دیا کہ وہ اس سے خوش
ہو گئے اور بولے "بول بچہ کیا مانگتا ہے؟" اس نے مدعا ظاہر کیا اور قلندر حبشی اُسے مل گیا۔

قلندر حبشی مدراس کی طرف کا رہنے والا تھا اور بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ ایک حبشی کو ہونا چاہیے تھا
اگر اُس کے کپڑوں کو سیاہی لگ جاتی تو لوگ سمجھتے کہ پسینہ آگیا ہوگا۔ بازار سے گذرتے وقت وہ اکثر چلاتا
"ہٹ جاؤ ورنہ کپڑے سیاہ ہو جائیں گے" اور لوگ دور دور ہٹ جاتے۔ وہ مطبخ میں کام کیا کرتا کبھی کبھی
اُس سے باز پرس کی جاتی کہ دوپہر کو بھی وہی سالن ہوتا ہے اور شام کو بھی وہی۔ وہ کہتا حضور ایک جیسا
تو نہیں ہوتا ایک دفعہ گوبھی گوشت ہوتا ہے اور دوسری دفعہ گوشت گوبھی۔

ایک دن نہایت ہی بوسیدہ و فرسودہ مچھلیاں لایا جن کی خوشبو سے مجبور ہو کر کسی نے پوچھا کہ کیا یہ
مچھلیاں تازہ ہیں؟ تس پہ وہ مردِ سیاہ بولا "تازہ ہیں؟ (مچھلیوں سے) کمبختو ملومت چپ چاپ پڑی رہو"
اُس نے علی بابا کو بتایا کہ اُس کے دو بھائی ہیں۔ ایک ادیب ہے اور دوسرا ابھی یونہی بیکار ہے۔ علی بابا
کو اس قسم کے انسانوں سے سخت نفرت تھی ایک بار قوالی ہوئی۔ دو بج گئے سب جمائیاں لے رہے تھے اور
قوال تھا کہ خاموش ہونے میں نہ آتا تھا۔ قلندر حبشی نے یکا یک ایک نعرہ لگایا اور مٹکنے لگا سب سمجھے وجد میں
آگیا ہے دیکھتے دیکھتے اُس نے 'یا حق' کا نعرہ لگا کر ایسا دو ہتڑ دیا قوال کے سینے پر کہ وہ قلابازی کھا گیا۔

ایک روز بغیر تخلیہ کئے وہ علی بابا سے یوں گویا ہوا "اے میرے آقا میں ایک شخص پر دعوہ کرنا

چاہتا ہوں۔ اس نے میری ہتک کی ہے اور مجھے گینڈا کہا ہے۔"

"کب کا ذکر ہے؟"

"پانچ سال کا ذکر ہے۔"

"تو اب تمہیں کیونکر خیال آگیا؟"

"آج میں نے چڑیا گھر میں گینڈے کو دیکھا ہے۔"

علی بابا اپنے بختِ نارسا کو کوسنے لگا کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا مصیبت مول لے لی۔

رات کو جانوروں نے باتیں شروع کیں علی بابا انتظار میں تھا، فوراً کھڑکی سے سر نکال کر سننے لگا۔

گدھا کہہ رہا تھا "اونٹ صاحب ہم تو اسی انتظار میں ہیں۔ دیکھئے آپ کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔"

لنگور بولا "ایک مرتبہ ایک خدا رسیدہ بزرگ مجھ سے خوش ہو کر مجھے دعا کے زور سے انسان بنانے لگے، تھے میں نے ہاتھ جوڑ دیئے اور معذرت چاہی کہ ان دنوں انسان ہونے سے تو میں لنگور ہی بہتر ہوں۔ آپ پہلے آدمیوں کو تو انسان بنایئے۔"

بیل لمبا سانس کھینچ کر بولا "آج میں تھک گیا ہوں۔ یہ کمبخت سٹیشن شہر سے اتنی دور کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ ریل والے چاہتے تھے کہ سٹیشن ریلوے لائن کے قریب ہی رہے۔"

"بھائی صاحب کوئی آپ بیتی سنایئے۔" اونٹ نے کہا۔

"پچھلے ہفتے میرا مالک مجھ پر سوار ہو کر شکار کھیلنے گیا۔" گھوڑا بولا "اس کے ساتھ اس کا دوست تھا جو ایک اور گھوڑے پر سوار تھا۔"

"تو کیا وہ بھی تم پر ہی سوار ہوتا ——؟" لنگور نے بات کاٹی لیکن گھوڑے نے بات نہیں کٹنے دی

"ایک جگہ دیکھا کہ پولیس کا کنسٹیبل ہماری طرف آ رہا ہے شکار کا لائسنس دیکھنے، میرے مالک نے

ایڑ لگائی میں سرپٹ بھاگا۔ کانسٹیبل ایک اور گھوڑے پر سوار تھا۔"

"تو کیا وہ بھی تم پر ہی سوار ہوتا ؟"

"اُس نے تعاقب کیا۔ مشکلوں سے بڑی دیر کے بعد اُس نے میرے مالک کو آلیا۔ اور لائسنس مانگا۔ میرے مالک نے لائسنس دکھایا۔ وہ سخت متعجب ہوا اور بولا۔ اے مردِ دلیر اگر لائسنس جیب میں تھا تو پھر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی قیس پہ میرے آقا نے جواب دیا "میرے پاس تو ہے لیکن میرے دوست کے پاس نہیں تھا۔"

ابھی گھوڑے نے بات پوری نہیں کی تھی کہ گدھا بولا۔ "یہ قصہ میں نے پہلے کئی مرتبہ سنا ہے۔ لیجئے میں آپ کو اپنا خواب سناتا ہوں۔ رات میں نے خواب دیکھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ ایک نہایت ملائم بستر بچھا ہوا ہے میں نے سنبِ خوابی کا لباس پہنا۔ دانتوں کو برش کیا۔ ریڈیو بند کیا اور روشنی بجھادی۔ آنکھ لگتے ہی مجھے خواب دکھائی دیا کہ پڑوس میں وہی علی بابا اپنے محبوب کی فرقت میں آہ دُھکا کر رہا ہے۔"

"میں ایک بھینس کو جانتا ہوں جس کا نام فرقت ہے۔" لنگور نے پھر بے تکی بات کی۔

"ہائے ہائے۔" اونٹ نے آہ بھر کے کہا ۔۔۔ "باسایۂ زلفے پسندم۔ عشق است و ہزار بدگمانی۔ کاش کہ میں اُس عاشقِ دلفگار و مردِ بیکار کی کچھ مدد کرسکتا۔ اگر وہ کہیں سُن رہا ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور سُن رہا ہے۔ تو اُسے چاہیئے کہ فوراً ایک اعلیٰ درجے کی سیاسی تقریر لکھوالے۔ ایسی تقریر جو کسی پارٹی کی طرف سے دی جاسکے۔ ویسے اکثر سیاسی تقریریں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ محض چند الفاظ کے ہیر پھیر سے کہیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ مالک ہے۔"

یہ سُن کر علی بابا کا دل باغ باغ ہوگیا۔ اسی خوشی میں اُس نے حمام کیا۔ عاشق ہونے کے بعد اس نے پہلی مرتبہ حمام کیا تھا۔ فواکہات لذیذ نوش کئے ایک چھوٹا سا پیگ چڑھایا اور قلندر حبشی کو ساتھ لے تمباکو نوشی کرتا ہوا اسکینڈ شو دیکھنے چلا گیا سینما ہال میں بچے خوب رو رہے تھے۔ حبشی بولا "حضور یہ اچھی پکچر کی پہلی نشانی ہے پکچر جتنی اچھی ہوگی اُتنے ہی زیادہ بچے رونیں گے۔"

سامنے کی قطار میں ایک صاحب بڑا سا ہیٹ پہنے بیٹھے تھے حبشی نے کئی مرتبہ اُن سے التجا کی لیکن اُنہوں نے ہیٹ نہ اُتارا۔ آخر پوچھا کہ یہ ہیٹ کہاں سے لیا تھا اور کتنے کا لیا تھا۔ ذرا سی دیر میں قیمت طے کر کے حبشی نے ہیٹ خرید لیا۔ اور پکچر کا حظ اُٹھایا۔

علی بابا بہت مسرور تھا، واپسی میں وہ اپنے ایک دوست کو ساتھ لے آیا جو ایک روزانہ اخبار کا ایڈیٹر تھا سوچا کہ کچھ پینے پلانے کا شغل بھی ہوگا اور تقریر بھی مرتب ہو جائیگی۔ اس قسم کی سیاسی تقریر ایک روزانہ اخبار کے ایڈیٹر کے سوا اور کون تخلیق کر سکتا ہے

جب قلندر حبشی شراب کی بوتلیں ٹھنڈی کرنے جا رہا تھا تو ایڈیٹر گویا ہوا —— "تمہارا ملازم پہلے کی نسبت سمجھدار ہو گیا ہے۔"

" ایں —— ؟" حبشی نے پیچھے مڑ کے کہا۔ اور بوتلیں ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ علی بابا نے اپنا اور ایڈیٹر کا سر پیٹ لیا مجبوراً اُنہیں ٹھیکہ شراب پینے جانا پڑا۔ جہاں جلی الفاظ میں لکھا تھا "یہاں شرفا بیٹھ کے پی سکتے ہیں"۔

ہونا رات کا اور آنا نقاب پوشوں کا۔ باندھنا پٹی آنکھوں پر علی بابا کی۔ بتانا کہ لے جا رہے ہیں وہ اُسے بیچ ایک جلسے کے جہاں ہونگی تقریریں۔

علی بابا ساتھ ہو لیا۔ سڑک پر پہنچکر ایک نقاب پوش بولا "کھل سم سم" دھڑام سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ سب ایک موٹر میں بیٹھ گئے۔

"چل ٹم ٹم" —— کوئی بولا۔ موٹر چل دی مگر اس طرح کہ جیسے زلزلہ آ گیا۔ کبھی علی بابے کے پاؤں موٹر کی چھت سے ٹکرانے تو کبھی سر فرش سے لگتا۔ نقاب پوش راستے بھر کار کے متعلق باتیں کرتے رہے کہ یہ پچپن میل فی گیلن کرتی ہے۔ اس میں صرف ایک چیز تبدیل کرانی ہے —— مڈگارڈ۔ پرزوں کے ڈبے میں ایک سکریو ڈرائیو رہنا چاہیے۔ بس یہ ایک نقاب پوش جو کار کا مالک معلوم ہوتا تھا بولا میں نے پہلے ہی

ایک ڈرائیور رکھا ہوا ہے اور ایک کلینر، یہ کلینر اسکریو ڈرائیور میں ہرگز نہیں رکھ سکتا۔

علی بابا اپنے تئیں موٹر کو کوس رہا تھا۔ اُس کے خیال میں موٹر پچیس گیلن فی میل کرتی تھی اور اس میں دو چیزوں کو تبدیل کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ ایک انجن اور دوسری۔ باڈی۔

ایک جگہ آواز آئی "رُک ٹُم ٹُم" موٹر رک گئی اور علی بابا کی ٹپّی کھول دی گئی۔ سامنے عظیم الشان جلسہ ہو رہا تھا۔ علی بابا کو بھی موقعہ دیا گیا۔ اُس نے جیب سے کاغذ نکالا اور وہ دھواں دھار تقریر کی کہ مجمعہ عش عش کر اُٹھا۔ اور دیر تک عش عش کرتا رہا۔ حالانکہ نہ اُسے موضوع کا علم تھا نہ یہ پتہ تھا کہ وہ کس پارٹی کی طرف سے بول رہا ہے۔ اس کی تقریر میں زندہ باد، مردہ باد، اور مراد آباد بار بار آتے تھے۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ فلاں چیز خطرے میں ہے۔ فلاں چیز خطرے سے باہر ہے۔ تقریر کے اختتام پر لوگوں نے صرف تالیاں ہی نہیں بجائیں بلکہ ونس مور بھی کہا۔ صدر صاحب جو اچھے خاصے عمر رسیدہ بزرگ تھے بولے "ہم تجھ سے بہت خوش ہوئے جب تیرا جی چاہے اپنے پڑوس کے گراج میں چلا جائیو وہاں تجھے یہی موٹر کھڑی ملے گی، وہی الفاظ دہرائیو جو تو نے آتے وقت سُنے ہیں۔ کار تجھے سیدھی یہاں لے آئے گی۔ اگر یہاں جلسہ ہو رہا ہو تو تقریر کیجیو ورنہ خالی پنڈال میں ریہرسل کر لیجیو اچھا بول تو کیا مانگتا ہے۔"

علی بابا شرما کر بولا "میرے والد ٹھیکیدار ہیں اس لئے خدا کا دیا سب کچھ ہے۔"

"اچھا ہم تیری تین خواہشیں پوری کریں گے۔ اپنی پہلی خواہش بتا۔"

"جی پہلی خواہش یہ ہے کہ مجھے محبت میں کامیابی نصیب ہو۔ اور میں کامرانی کے قدم چوموں۔"

"منظور ہے۔ اور بقیہ دو خواہشیں۔"

"وہ سوچ کر بتاؤں گا۔"

سب آپس میں بغلگیر ہو کر رخصت ہوئے بعض تو غلطی سے آپس میں دو دو مرتبہ بغلگیر ہو گئے۔

واسی میں نقاب پوش پھر علی بابا کی آنکھوں پر پٹی باندھنے لگے تھے۔ کہ وہ چمک کر بولا۔
"اب پٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اب تو میں یہاں اکثر آیا کروں گا۔ بلکہ آپ بھی اپنے نقاب اتار دیں۔"

آنا اگلے نقاب پوشوں کا بغیر نقاب کے اور لکھوانا عرضی علی بابا سے واسطے پروفیسری کے اور کروانا دستخط۔ آنا احکامات کا بعد چند دنوں کے اور مقرر کیا جانا علی بابا کا پروفیسر بیچ کالج لڑکیوں کے بشکریہ بجا لانا علی بابا کا۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ جو کلاس علی بابے کو ملی اس میں چالیس لڑکیاں تھیں اور سب شرارتی اور شوخ و شنگ وہ پہلی مرتبہ شرماتا جھجکتا کلاس روم میں داخل ہوا تو اس کی نظر مرجانا پر پڑی جو گلبن رعنائی معشوقہ سیمیں بر نونہالان چمن کو نہال اور جلوؤں سے دلوں کو پامال کر رہی تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر اس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا، چکر پر چکر آنے لگا۔ افتاں و خیزاں، حیران و پریشان رہ کر ہوش میں آیا تو از بس خراب و خستہ بیمار و افسردہ اپنے تئیں پایا۔
لڑکیاں تیار بیٹھی تھیں۔ علی بابا نے آیۃ الکرسی پڑھی اور اللہ کو یاد کرنے لگا۔
ایک لڑکی نے سوال کیا۔ "پروفیسر صاحب بلاؤ اور "وہ بلاؤ" میں کیا فرق ہے؟"
"وہی جو بلے اور باگڑ بلے میں ہے۔" علی بابا نے جواب دیا۔
"پروفیسر صاحب عورتیں سال بھر کیا کرتی رہتی ہیں؟" ایک طرف سے آواز آئی۔
"ٹمننگ کرتی رہتی ہیں۔"
"اور کالر کا ناپ لیتے وقت درزی کیا کرتا ہے؟"
"گردن ناپتا ہے۔"

"جناب ٹرین پکڑنے کا بہترین طریقہ کون سا ہے۔"

"یہی کہ اس سے پہلے کی ٹرین مس کر دی جائے۔"

لیکچر کے بعد علی بابا نے مرجانا سے سوال پوچھا۔ وہ سب سے آخر میں بیٹھی تھی۔ بولی "میں اتنی دور بیٹھی ہوں کہ جو کچھ ہوتا رہا ہے میرے لئے کسی افواہ سے کم نہ تھا۔"

"تو یہاں آجاؤ، آئندہ سے میرے سامنے بیٹھا کرو۔ جلدی کرو میرے پاس صرف بیس منٹ ہیں۔"
مرجانا سامنے آبیٹھی۔ علی بابا بولا "میرے پاس صرف تیس منٹ ہیں۔"
مرجانا اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ گھڑی دیکھ کر بولا "میرے پاس صرف پون گھنٹہ ہے۔"

اگلے روز قاسم طیش میں بھرا ہوا آیا اور خوب آگ بگولا ہوا۔ کہ یہ پروفیسری بھی اکیلے ہی اکیلے خاص طور پر جب مرجانا کے ہر روز درشن ہوا کریں گے۔ علی بابا نے لاکھ کوشش کی کہ اس کو کسی طرح ٹالے کسی بہانے نکالے مگر وہ خرانٹ گرگِ باراں دیدہ بلکہ تیرہ و دیدہ تاڑ گیا اور بولا "آپ مجھے چکمے سے نکالا چاہتے ہیں خواہ مخواہ ٹالا چاہتے ہیں۔ یہ خیال رکھنا مبادا کسی آفت میں مبتلا ہو جاؤ اور اس ضد کی سزا پاؤ۔"

اس قسم کی جلی بھنی گفتگو کر کے وہ بغیر بغلگیر ہوئے رخصت ہوا۔ علی بابا نے تہیہ کر لیا کہ اس نابکار حبشی کو ضرور نکالدوں گا۔ اور نکالنے سے پہلے بدلہ لوں گا۔

علی الصبح اٹھ کر کیا دیکھتا ہے کہ گلیوں میں شور مچا ہوا ہے۔ لوگ انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ عورتیں اشارے کر رہی ہیں بچے پتھر پھینک رہے ہیں۔ ایک کار دیوانہ وار ادھر اُدھر گھوم رہی ہے۔ اُس میں قاسم بیٹھا ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ علی بابا فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ نزدیک جا کر بولا "یاد رکھو کہ رک ٹم ٹم ـــ" قاسم کا یہ کہنا تھا کہ کار رک گئی۔ معلوم ہوا کہ رات

کو چوری چھپے قاسم گیراج میں داخل ہوا کھل ٹم ٹم کہہ کر کار میں جا بیٹھا۔ چل ٹم ٹم سے آگے بھول گیا۔ مفت میں اپنی ہنسی اڑوائی اور رات بھر خراب ہوا۔ کار کا راز بھی افشا کر دیا۔ کہ اس کی بریکیں خراب ہیں اور انجن درست نہیں ہے۔

اس سانحہ کے بعد قاسم نے علی بابا کی جان عذاب میں ڈال دی۔ روز آ کر بیٹھ جاتا اور علی بابا کے بڑھیا سگریٹ پھونکنے لگتا۔ بار بار یہ فقرہ زبان پر لاتا — کہ مجھے بھی پرو فیسر لگوا دو۔ جب علی بابا کو سگرٹوں کے بے تحاشا خرچ کا احساس ہوا تو وہ بزرگ تیر رسیدہ سے جا کر ملا اور اس امر کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے چند پتے لکھوائے اور بولے۔

" یہ سب حضرات با رسوخ، وضیع و شریف اور اہلِ علم ہیں۔ ان میں ہر ایک ذی فہم و صاحبِ مذاق ہے شرافت و اہلیت میں شہرہ آفاق ہے۔ بظاہر تو اس اتحاد و ارتباط میں کوئی عیب نہیں۔ یوں گو انسان عالم الغیب نہیں۔ قاسم خود جائے اور قسمت آزمائی کرے۔"

چنانچہ قاسم روانہ ہوا۔ سب سے پہلے وہ ایک رائے بہادر صاحب کے پاس گیا اور مدعا ظاہر کیا۔ وہ بولے میں بورڈ کا ممبر نہیں ہوں۔ لیکن میرے چچیرے بھائی کی خلیری بہن کے خُسر اس کام کو بخوبی کر سکیں گے آپ ان سے ملئے اور میرا نام لے دیجئے۔

قاسم اُن سے ملا۔ کچھ تحفے تحائف بھی لے گیا۔ وہ بولے۔ اے مردِ معقول میں سفارش ضرور کرونگا۔ لیکن صدر صاحب تک رسائی لازم ہے' میرے ایک دوست سردار صاحب فلاں سے اُن کے تعلقات ضرورت سے زیادہ خوشگوار ہیں اُن سے ملیو۔

قاسم وہاں گیا۔ وہ بولے میں ذکر کر دوں گا لیکن خان بہادر صاحب فلاں نے صدر صاحب کے ساتھ بیس سال تک ملازمت کی ہے۔ دونوں لنگوٹ باندھ کر اکٹھے پھرا کرتے تھے یعنی لنگوٹیے دوست تھے۔ اگر فلاں حاجی صاحب سے ملو تو وہ خان بہادر صاحب کو لکھ دیں گے کہ نہیں صدر صاحب سے

ملادیں۔ قاسم فلاں صاحب سے ملا۔ وہ مسکرا کر بولے۔ جناب میں تو بیچارہ ایک حقیر انسان ہوں میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کسی سنے ذکر مت کریں۔ ان دنوں اُن سے میرے تعلقات بھی کشیدہ ہیں غلطی اُن کی تھی۔ یہ قصہ کبھی پھر آپ کو بتاؤں گا۔ آپ صدر صاحب کے ہم کیسو یعنی میرا مطلب ہے ہم زلف سے کیوں نہیں ملتے۔ وہ خانگی باتیں کرتے کرتے موقعہ پاکر ذکر کر دیں گے۔

خوش قسمتی سے وہ صاحب بہت دور رہتے تھے۔ قاسم نے یک لیل و یک نہار ٹرین میں صرف کئے۔ علی الصبح نہاری کھا کر نکلا اور دفعتاً اُسے محسوس ہوا کہ وہ اُن صاحب کا نام بھول گیا ہے کیونکہ اُن دنوں اُسے ہر روز کئی کئی نام اور پتے یاد کرنے پڑتے تھے۔ چنانچہ اُس نے علی بابا کو تار دیا کہ خان بہادر صاحب کا پورا نام کیا ہے ؟

علی بابا پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا۔ اُس نے تار کا جواب تار سے دیا — لکھا "خان بہادر صاحب کا پورا نام خان بہادر بلبل نواز خاں ہے اور تمہارا پورا نام قاسم خاں ہے"

قصہ مختصر قاسم کو دنیا بھر کی خوشامدیں کرنی پڑیں۔ ایسے ایسے عجیب و غریب اور غریب و عجیب انسانوں سے واسطہ پڑا کہ اس کی صحت اور دماغ پر بڑا ناخوشگوار اثر پڑا۔

پہلی جنوری کو اُس نے اخبار خریدا۔ ویسے وہ اخبار خرید کر پڑھنے کا قائل نہیں تھا۔ اس روز صرف خطابات کی فہرست دیکھنے کی غرض سے اُس نے اپنا اصول توڑا۔ جو دیکھتا ہے تو علی بابا کا نام خان صاحبوں میں تھا۔ فوراً واپس پہنچا اور طیش میں آکر یوں گویا ہوا "کیوں عزیز تم کو زندگانی پسند ہے یا مرگِ ناگہانی اور عالمِ جاودانی"

علی بابا نے جواب دیا " زندگی پر انسان عاشق زار ہوتا ہے۔ جل کے نام سے حال فگار ہوتا ہے"

الغرض قاسم نے علی بابا کو اس خود غرضی پر بہت ڈرایا دھمکایا کہ اب یہ خطاب بھی اکیلے ہی اکیلے لے لیا لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر قاسم آہِ گرم کھینچ کر بولا۔ ملک خدا تنگ است

پائے گدا لنگ است ۔

تس پر علی بابا نے ایک نئی فہرست بنا کر دی جس میں نئے پتے درج تھے ۔ اور قسمت آزمائی کرنے کو کہا ۔ سب سے پہلا نام صدر صاحب کے چچا کی بھانجی کے ماموں کا تھا ۔ اور دوسرا اُن کے ماموں کی بھانجی کے چچا کا ۔

چند ماہ بعد علی بابا کو اطلاع ملی کہ قاسم شفا خانۂ انسانات میں ہے ۔ جا کر دیکھا ۔ تو اُسے دماغی طور پر علیل پایا ۔ یعنی بالفاظِ دیگر اس کا دماغ چل گیا تھا ۔ وہ ہر وقت زیرِ لب کچھ بڑبڑاتا رہتا تھا ۔ یا رب اس قسم کے الفاظ زبان پر لاتا ۔ سر ادھا صاحب کی پوتی کے خسر کا بھائی ۔ بھائی کے خسر کی پوتی کے سر آ صاحب ۔ نواسی کی ساس کے بھائی کا سالا ۔ سالے کے بھائی کی ساس کی نواسی ۔ چچا کے سر آ بہا ۔ کے چچا کے چچا ۔ چچا کے سر آ بہادر کے سر آ بہادر کے سر آ بہادر ۔

بڑے طویل علاج کے بعد قاسم رو بصحت ہوا لیکن اُس نے غسلِ صحت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس دن سردی بہت تھی ۔

ترس آنا علی بابا کو قاسم پر ۔ شامل کر لینا ۔ اس کو بیچ خواہش اپنی کے اور پانا مُراد منہ مانگی علی بابا کا ۔

در اصل علی بابا بڑی ہوشیاری سے کام لیتا تھا ۔ پہلی اور دوسری خواہشیں مانگ کر تیسری خواہش یہ مانگتا کہ تین خواہشیں اور منظور ہو جائیں ۔ جب دو مزید خواہشیں پوری ہو جاتیں تو تیسری پر تین اور مانگ لینا ۔

قصّہ طویل ۔ قاسم ایڈیشنل آنریری سب اسسٹنٹ پروفیسر لگ گیا لیکن اُس گرلز کالج میں نہیں ، ایک اور گرلز کالج میں ۔ علی بابا احمق نہیں تھا ۔

پہلی جنوری کو قاسم نے بادلِ ناخواستہ اخبار خرید ا خطابات کی فہرست پڑھی تو آنکھوں میں خون اتر آیا علی بابا خان بہادر ہو گیا تھا۔ اس مرتبہ قاسم نے اہنسا کے فلسفے سے کام لیا اور جاکر مبارک باد دی۔ پھر باتوں باتوں میں بڑی ملائمت سے پوچھا۔

"اے جانِ برادر یہ خطاب آپ کو کیونکر مل جاتے ہیں؟"

علی بابا نے جواب دیا "پتہ نہیں کیونکر مل جاتے ہیں میں خود حیران ہوں۔"

"پھر بھی آپ کچھ نہ کچھ تو ضرور کرتے ہونگے۔"

"قسم کے اُس پروردگار کی جس نے چرند و پرند یہاں تک کہ درندتک کو قوّتِ نشامہ بخشی۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے۔"

"پھر بھی ذرا دماغ پر زور ڈالیے۔ آپ نے کچھ نہ کچھ تو کیا ہوگا۔"

"کوئی خاص کارنامہ تو نہیں کیا۔ البتہ۔"

"ہاں ہاں ـــ البتہ کیا۔؟"

"البتہ میں الیکشنوں میں ضرور حصّہ لیا کرتا ہوں۔"

"کس پارٹی کی طرف سے؟"

"میں کسی خاص پارٹی کا طرفدار نہیں۔ جو برسرِ اقتدار ہو اس کے لئے کام کرتا ہوں میں پارٹیاں بدلتا رہتا ہوں۔ وہ آپ نے نہیں سُنا۔ کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی ـــ"

قاسم بڑے عجز و انکسار کے ساتھ ملتجی ہوا کہ اسے بھی سیاست سے دلچسپی ہے اس لئے اسے بھی موقعہ دیا جائے۔ علی بابا پھر بھائی تھا محبت برادرانہ نے جوش مارا۔ اگلے جلسے میں وہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا اور اُسی ایڈیٹر سے ایک اور تقریر لکھوا کر پڑھوا دی۔ بزرگ قبر رسیدہ بڑے خوش ہوئے۔ بولے "بول کیا مانگتا ہے۔"

"تین خواہشوں کی تکمیل۔" قاسم نے فوراً جواب دیا۔

"منظور ہے۔ پہلی خواہش بتا۔"

قاسم بوکھلا گیا۔ وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر جیب پہ ہاتھ مار کر بولا "ایک روپے کی ریزگاری عنایت فرمایئے۔"

بزرگ نے اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا "نوجوان ان دنوں ریزگاری کہاں۔ کچھ اور مانگ۔"

"تو پھر ایک ماچس عطا فرمایئے۔"

"اے مرد دلیر مجھے آزمائش میں مت ڈال۔ ہیرے مانگ جواہر مانگ مگر ایسی نایاب اور کمیاب چیزیں مت مانگ اور پھر ایسے دنوں میں جبکہ سنا جاتا ہے کہ کوئلے کی کمی کی وجہ سے دوزخ بھی عارضی طور پہ بند کر دی گئی ہے۔ اچھا میں ماچس کے لئے بلیک مارکٹ سے کوشش کروں گا۔ اپنی دوسری خواہش بیان کر۔"

"یا بزرگ مشفق مجھے تھوڑا سا خالص گھی درکار ہے۔ مدتوں سے نہیں چکھا، بناسپتی کھا کھا کر تنگ آچکا ہوں۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ شے عنقا ہے تو پھر؟"

"تو پھر مجھے بے لاگ اور حقیقی محبت درکار ہے۔"

"اے نوجوان تو نے وہ شعر نہیں سنا ؎

محبت بے لگاوٹ اور خالص مل نہیں سکتی
جہاں میں آج کل یہ چیز بھی گھی ہوتی جاتی ہے

اب تیسری خواہش زبان پہ لا۔"

اس پر مارنا آنکھ علی بابا کا اور کرنا اشارہ قاسم کو۔ بھانپ لینا قاسم کا اور کرنا احترا

تیسری خواہش سے۔ رخصت ہونا بزرگ قبر رسیدہ سے بغلگیر ہو کر۔

قاسم نے علی بابا کے ساتھ بڑے جوش و خروش کے ساتھ سیاسی کام شروع کر دیا۔ علی بابا زیادہ کام قاسم سے کرواتا۔ دن گذرتے گئے۔ علی بابا نے ایک انجینئر دوست کی مدد سے گھر کے ریڈیو میں ایک چیز کا اضافہ کرا لیا۔ اس خوبی سے ایک چھوٹا سا لاؤڈ سپیکر اندر چھپا یا اور ایسے کنکشن لگائے کہ جب چاہتا دوسرے کمرے سے ریڈیو کی خبروں میں کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کر دیتا۔ ریڈیو کا کنکشن بند کر کے لاؤڈ سپیکر کا کنکشن جوڑ لیتا اور خود بولتا۔ بالکل ریڈیو کی باتیں معلوم ہوتیں۔ ہفتے میں ایک دو مرتبہ وہ پیچھا چھڑانے کی غرض سے قاسم کی ریڈیو پر تعریف کر دیتا اور قاسم بالکل مطمئن تھا۔

ایک روز علی بابا کو شک گذرا۔ قلندر حبشی ریڈیو کا طواف کر رہا تھا۔ وجہ پوچھی تو حبشی موصوف گویا ہوا کہ وہ ان دنوں طبلہ سیکھ رہا ہے، چونکہ کوئی موزوں استاد نہیں مل سکا۔ اس لئے طبلے کو ریڈیو کی موسیقی سے ہم آہنگ کرنے میں مشغول رہتا ہے۔

لیکن جس بات کا خدشہ تھا وہی ہو کر رہی۔ ایک دوپہر کو دونوں بھائی ریڈیو پر ریکارڈ سن رہے تھے۔ ایک ریکارڈ ختم ہوا۔ آواز آئی۔ یہ ریکارڈ خوب تھا اسے پھر سنئے ــــ ریکارڈ پھر بجا ــــ پھر آواز آئی ــــ سبحان اللہ کیا لاجواب ریکارڈ ہے جی چاہتا ہے اسے ایک بار اور بجایا جائے۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جب ریکارڈ چوتھی مرتبہ بجنے لگا۔ تو قاسم سے نہ رہا گیا۔ اس نے پہلے تو ریڈیو کا معائنہ کیا پھر لاؤڈ سپیکر کا کنکشن دیکھ کر حبشی کو جا پکڑا جو دوسرے کمرے میں گراموفون لئے بیٹھا تھا۔ اس نے حبشی کو تو کچھ نہ کہا۔ بھائی پر برس پڑا۔ اور علی بابا کو اقبالِ جرم کرنا پڑا۔

شام کو علی بابا کا ایڈیٹر دوست آیا، اسے سارا واقعہ سنایا۔ وہ بولا تم نے اس مردود کو خواہ مخواہ سر چڑھا رکھا ہے، نکال کر ایک طرف کرو کمبخت کو۔

علی بابا بولا۔ میں اس سے بدلہ لے رہا ہوں بس تھوڑے سے دن اور رہ گئے ہیں۔ اتنے میں حبشی آگیا۔ بولا "جناب آج میں نے صبح سے جو پینا شروع کیا ہے تو اب تک پی رہا ہوں۔ صبح خود پی۔ دوپہر ایک دوست نے پلائی، سہ پہر مفت مل گئی۔ شام کو پینے گیا تو ——"

"دیسی تھی یا انگریزی؟"

"لسی تھی، دہی کی۔"

"لاحول ولا قوۃ!"

علی بابا نے سگریٹ مانگے، پھر بولا "اچھا تم رہنے دو میں خود لے لوں گا۔" اور اُٹھ کر لے لئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پانی مانگا، ابھی حبشی اُٹھا نہیں تھا کہ علی بابا بولا "چلو رہنے دو ناحق تکلیف ہو گی تمہیں، میں خود اُٹھ کر پیے لیتا ہوں۔" —— غرضیکہ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا علی بابا پہلے اسے کام بتاتا پھر خود ہی کر لیتا۔

ایڈیٹر تخلیہ پا کر بولا "اے دوستِ صادق، یارِ غار یہ کیا ماجرا ہے۔ کیا اسی طرح بدلہ لیا جاتا ہے؟"

علی بابا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "سال بھر سے اسی طرح ہو رہا ہے، میں نے اس نامعقول کی عادتیں اس قدر خراب کر دی ہیں، اسے اس قدر کاہل اور گستاخ بنا دیا ہے کہ اب یہ ہمیشہ کیلئے بیکار ہو گیا ہے، اب یہ عمر بھر ملازمت نہیں کر سکتا۔ کیا یہ بدلہ نہیں؟"

مدتوں تک قاسم سیاسی کام کرتا رہا۔ اور ہر پہلی جنوری کو اخبار خرید کر پڑھتا رہا۔ لیکن غنچۂ اُمید نہ کھلا اور اُسے کچھ نہ ملا۔ آخر کو پیمانۂ صبر لبریز ہوا اور وہ علی بابا سے مل کر یوں نغمہ ریز ہوا "اے

برادر میں نے بہت دنوں سے نہ شکوہ کیا ہے نہ شکایت، تجھے خان بہادری کے بعد ممبر آف جی، پی، او، کا خطاب ملا میں خاموش رہا تجھے آرڈر آف پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ کا تمغہ ملا۔ میں نے کچھ نہ کہا، اب میں سُنتا ہوں کہ تو سر بننے والا ہے۔ ادھر میں ہوں کہ ابھی تک خان بہادر تک نہیں بن سکا۔"

" یا برادر تجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ بزرگ قبر رسیدہ نے تیرے لئے خان صاحب کے خطاب کی سفارش کرا دی ہے۔"

" خان صاحب بھی کوئی خطاب ہے ——— قاسم خاں صاحب تو میں پہلے ہی ہوں۔ کچھ اور ملنا چاہیئے۔"

" اچھا تو بہادر خان کا خطاب دلوا دوں ؟"

" نہیں خان بہادر کا خطاب مطلوب ہے۔"

" بہادر خان اور خان بہادر میں فرق کیا ہے ؟"

" اچھا یوں کرو کہ تم بھی اپنے خطاب لوٹا دو، میں بھی خان صاحبی سے انکار کر دوں گا۔"

" میں اپنے خطاب محض اس لئے کیوں لوٹا دوں کہ تمہیں کوئی خطاب نہیں مل سکا خصوصاً جب مجھے سر بننے کی امید ہے۔ رہ گیا خان صاحب کا خطاب سو تم اپنے نام کو خان صاحب قاسم خان صاحب کی بجائے یوں لکھ دیا کرنا۔ قاسم × خان صاحب × خان صاحب۔

= قاسم (خان صاحب)²

اس پر قاسم بڑا خوش ہوا اور بغلیں بجاتا ہوا لوٹا۔

اگلے جلسے میں بزرگ قبر رسیدہ نے علی بابا سے محبت میں کامیابی کے متعلق سرسری طور پر ذکر کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یا پیر و مرشد ابھی تک شادی تو ہوئی نہیں۔

"محبت میں کامیابی اور چیز ہے اور شادی اور چیز ۔۔۔ اگر شادی منظور ہے تو صاف صاف خواہش کر "

رات کو علی بابا کا بڑا جی چاہا کہ کسی طرح پڑوس کے جانور اُس کے متعلق باتیں کریں لیکن اُن میں چند خود پسند جانوروں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جو سوائے اپنے اور کسی کی بات ہی نہیں کرتے تھے البتہ بیل نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ کلب میں ٹینس ٹورنمنٹ ہونے والا ہے جس میں جانا کھیلے گی۔

علی بابا کو بلا تک پکڑنا نہ آتا تھا لیکن اُس نے اپنا نام دیدیا اور خواہش کی کہ کسی طرح مرجانا کا پارٹنر بنکر فائنلز تک پہنچ جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ کبھی مخالف بیمار ہو گئے کبھی وقت پر نہ پہنچ سکے کبھی کسی کے پاؤں میں موچ آگئی۔ غرضیکہ وہ دونوں فائنلز میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑے ہجوم کے سامنے آخری میچ ہونے والا تھا۔ ہجوم میں مرجانا کے والدین بھی آرہے تھے اور چند ایسے معزز حضرات بھی جو علی بابا کو سر بنوانے میں مدد دے سکتے تھے۔

علی بابا اور چالیس لڑکیوں نے ایک پروگرام بنایا۔ میچ سے پہلے چار کا انتظام کیا گیا۔ چالیس کی چالیس لڑکیاں خوب بن سنور کر آئیں۔ بڑی زرق برق پوشاک پہن کر۔ ہر میز پر ایک لڑکی بٹھائی گئی۔ تاکہ آس پاس بیٹھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔

رقص کرنا ایک لڑکی کا اور کرنا نغمہ سرائی علی بابا کا۔ اور گانا نٹ بہاگ کا خیال بول شروع کے تھے جس کے ۔۔۔ چھن چھن چھن چھن پائل موری باجے۔ بُت بن جانا ہجوم کا۔ دائرہ کھیل جانا لڑکیوں کا اور ملانا بھنگ کا چار کی پیالیوں میں۔

کچھ دیر کے بعد قلندر حبشی گلا تو ڑمروڑ کے ایک مدراسی نغمہ گانے لگا۔ ایک لڑکی مدراسی رقص کرنے لگی۔ پیالیوں میں مزید بھنگ ڈالی گئی۔

کچھ دیر میں مجمع پر نشے کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ کوئی کچھ ہانک رہا تھا کوئی کچھ۔ اس

قسم کی آوازیں آنے لگیں۔

"دبلے پر آپ نے نہلا کیوں ڈالا ہے؟"

"آپ کا دل کیوں دہلا جاتا ہے؟"

"ہماری شادی ہونے والی ہے۔"

"تم سب کی؟"

"چھٹی سے واپس آتے وقت ٹرین میں ایک عجیب انسان سے واسطہ پڑا صبح وہ آہیں بھر رہا تھا۔ دوپہر کو سسکنے لگا۔ رات کو زار و قطار رو رہا تھا میں نے وجہ پوچھی۔ تو بولا میں روؤں نہ تو اور کیا کروں۔ مجھ جیسا بدنصیب زمانے میں نہ ہوگا۔ میں کل شام سے غلط ٹرین میں ہوں۔ جو وہاں ہرگز نہیں جائے گی جہاں میں جانا چاہتا ہوں۔"

"خاموش! خاموش! اب ٹورنمنٹ کے سیکرٹری ایڈریس پڑھ کر سنائیں گے۔"

"خواتین و حضرات! میرا ایڈریس یہ ہے ـــ نمبر پانچ زبیرا روڈ۔"

جب لوگ اور بھی اُلٹی سیدھی ہانکنے لگے تو علی بابا نے اشارہ کیا اور میچ شروع ہوا۔ مخالف جو بھنگ کی کانی منفرد اری چکے تھے اتنے اچھے کھیلے کہ علی بابا اور مرجانا میچ جیت گئے۔ فوٹوگرافر کو آنکھ ماری گئی۔ جو اُس کے نہیں لگی۔ پھر اشارہ کیا گیا! تب وہ کیمرہ سنبھالے ہجوم سے نکلا۔ علی بابا اور مرجانا کو اکٹھے کھڑا کر کے بہت سی تصویریں کھینچی گئیں۔

تخلیہ پا کر علی بابا نے اُس پری پیکر کی جانب مخاطب ہو کر دست بستہ عرض کی۔ "اے شاہِ خوبانِ جہاں میں علی بابا ہوں اور تیرے حسن و جمال کا اس درجہ دلدادہ ہوں کہ خودکشی پر آمادہ ہوں۔ تیرے لئے اس قدر خراب و خوار ہوا کہ ہر نعمت سے دست بردار ہوا۔ اب اگر تم میرے حالِ زار پہ رحم کھاؤ تو زیادہ نہ ترساؤ اور مجھے درم ناخریدہ غلام بناؤ۔"

بس پر مرجانا نے مسکرا کر کہا "اچھا! سوچیں گے ۔"

اگلے روز اخباروں میں ان دونوں کی یک جا کھینچی ہوئی تصویریں نکلیں ۔ نیچے لکھا تھا "مکسڈ فائنلز کے جیتنے والے جو ایک دوسرے کے کزن بھی ہیں ۔"

اس کے بعد رسالوں میں بھی تصویریں نکلیں ۔ یہ چال کامیاب ہوئی اور خوب پبلسٹی ہوئی ۔ مرجانا کے والد نے علی بابا کو بلا کر بہت دھمکایا چمکایا لیکن وہ بولا "میں بندۂ شاطر ہوں ۔ یہ نہیں چاہتا کہ بارِ خاطر ہوں ۔ بہتری اسی میں ہے کہ ضد سے باز آیئے اور مان جایئے"

آخر انہوں نے سر ہلا دیا اور بولے "لیکن شادی کا پیغام باقاعدہ اور باضابطہ مجھے پہنچنا چاہئے ۔ درخواست تمہارے والدین کی طرف سے ہونی چاہیئے ۔"

اگلے ہفتے دونوں کی منگنی ہو گئی ۔

یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ علی بابا نے قلندر حبشی کو نکال دیا ہے ۔ دوست احباب آ آ کر علی بابا سے بازپرس کرنے لگے کہ یہ حرکت کیوں کی "کیا وہ رفیقِ دیرینہ نافرمانبردار تھا ۔ کیا وہ دروغ گو تھا ؟"

"نہیں ۔!"

"کیا وہ گستاخ تھا، کیا وہ چور تھا ؟"

"نہیں !"

"تو پھر اُسے کیوں نکالا ؟"

علی بابا نے اپنا بوٹ اُتار کر دوستوں کو دکھایا "یہ بوٹ بھدّا ہے یا اس کی ساخت خراب ہے ؟"

"نہیں تو۔"

"کیا یہ کہیں سے پھٹا ہُوا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا اس میں کوئی اور نقص نظر آتا ہے؟"

"نہیں۔"

"لیکن یہ صرف مجھ ہی کو علم ہے کہ یہ مجھے کہاں چُبھتا ہے۔"

قاسم نے بڑی غلطی کی۔ چند ترقی پسند شاعروں سے مل کر مرجانا پر آزاد نظمیں چھپوانی شروع کر دیں۔ مرجانا کو خط بھی لکھے جو اس نے ملک کی دیرینہ روایت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے والد کو پیش کر دیئے۔ وہ بے حد خفا ہوئے اور قاسم کو فون کیا۔ گویا ہوئے "اے بزدل نوجوان یہ کیا بیہودگی ہے کہ چھُپ چھُپ کر رُسوا کرتا ہے، اگر ہمت ہے تو سامنے آکر بات کر، اور مجھے آزاد نظموں سے سخت نفرت ہے۔ تو غزلیں کیوں نہیں لکھواتا۔"

علی بابا نے بھی کہا ـــــ "اے برادر اب تو ہم دونوں کی منگنی ہو چکی ہے۔ اب تو یہ کیا کرنا ہے؟"

قاسم بولا "اے برادر زیادہ سے زیادہ وہ تمہاری منگیتر ہی ہے نا، اس سے میرا جوش کم نہیں ہو سکتا۔"

قاسم نے تیسری خواہش یوں ظاہر کی کہ مرجانا اس کے خطوط کا جواب دے۔ چنانچہ اُسے مرجانا کا خط ملا لکھا تھا کہ میری منگنی تو ہو چکی ہے اب میری چھوٹی بہن کی باری ہے لہٰذا میں نے آپ کے خطوط چھوٹی بہن کو دے دیئے ہیں۔ اس سلسلے میں آئندہ خط و کتابت

براہِ راست اُسی سے کی جائے۔

قاسم نے چھوٹی بہن کو لکھنا شروع کر دیا۔ پہلے خط میں تصویر کے لئے لکھا۔ جواب آیا تو اُس میں ایک تصویر بھی تھی۔ ایک خاتون نے سیاہ رنگ کا خوشنما برقعہ پہن رکھا تھا۔ چاند سا چہرہ مکمل طور پر برقع میں چھپا ہوا تھا۔ ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ میں دسویں کا امتحان دے رہی ہوں اس لئے لازمی طور پر پردہ کرنا پڑتا ہے۔ کوئی دنوں کی بات ہے کالج پہنچتے ہی پردہ وردہ ایک طرف ہوگا۔

قاسم بڑا مایوس ہوا۔ بزرگ فقیر رسیدہ سے فریادی ہوا۔ انہوں نے ترس کھاتے ہوئے دعا بتاً ایک اور خواہش طلب کرنے کی منظوری دیدی۔

علی بابا قاسم سے ملا اور بولا۔ "اے برادر تونے دوسری بہن کو دیکھا تک نہیں اور عاشق یونہی ہوگیا۔"

"اے برادر، اب مجھے عشق نہیں ضد ہے۔"

"تو پھر کسی طرح امپیریل سروس میں آجا، کل میں تیرے لئے اُس کے ابا سے ملا تھا۔ وہ بولے شادی کے لئے صرف یہی ایک شرط ہے ــــ امپیریل سروس!"

قاسم کی آخری خواہش باقی تھی۔ اُس نے امپیریل سروس مانگی۔ بزرگ نے وعدہ فرمایا۔

چند دنوں کے بعد اخباروں میں نکلا کہ ساری امپیریل سروسز ختم کر دی گئی ہیں۔ قاسم کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

⸸

جوں جوں شادی کی تاریخ نزدیک آتی جاتی تھی علی بابا اور مرجانا کے والدین کے

درمیان اختلاف بڑھتا جاتا تھا۔ وہ مہر زیادہ لکھوانا چاہتے تھے۔ علی بابا کہتا تھا کہ آپ جتنا مہر زیادہ لکھوائیں گے اُتنا ہی آپ کو شادی کے نیک انجام پر شبہ ہوگا۔ اگر آپ کو مجھ پر بھروسہ ہے تو کچھ مت لکھوایئے بلکہ کچھ مجھے ہی عطا فرمایئے۔

لیکن وہ باز نہ آئے، اُدھر علی بابا بھی باز نہ آیا۔

علی بابا نے دعوتی رقعوں پر اعتراض کیا۔ اُن کی عبارت ایسی عجیب و غریب تھی۔ کہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ کہاں ہو رہا ہے اور کب ہو رہا ہے اور جسے رقعہ بھیجا جا رہا ہے وہ کیا کرے۔ یہ رقعہ یوں شروع ہوتا تھا۔

ہوالشّافی

الٰہی غنچۂ اُمیّد بکشا

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

اور ختم اس فقرے پر ہوتا تھا ـــــ سردی کے موسم کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ازراہِ کرم اپنا بستر ہمراہ لائیں اور اگر ہو سکے تو اپنا ملازم اور راشن کارڈ بھی۔

آپس میں کافی لڑائی جھگڑا ہوا۔ سنئیہ گرہ ہوئی۔ بھوک ہڑتال ہوئی۔ سول نافرمانی کی گئی مطالبات مانگے گئے، آخر کار طے ہوا کہ سول اینڈ ملٹری میرج کی جائے۔

قاسم ہر روز بلا ناغہ خود اپنے سینے پر مونگ دلتا۔ وہ اب تک خان صاحب بننے کی اُمید پر زندہ تھا۔ اُس نے [illegible] والوں سے مل ملا کر پتہ چلا لیا تھا۔ کہ اُس کا خطاب منظور ہو چکا ہے ایک ایک دن گن گن کر اکتیس دسمبر آیا۔ پھر پہلی جنوری۔!

اس نے علی الصبح اخبار [illegible] پڑا۔ جو پڑھتا ہے تو سر پر رنج والم کا پہاڑ بلکہ سارا سلسلۂ کوہ

نوٹ [illegible] نے اعلان کیا تھا کہ خان بہادر اور خان صاحب وغیرہ کی قسم کے سب خطابات ختم کر دیئے گئے ہیں۔ اور آئندہ اس قسم کی کوئی چیز نہیں ملا کرے گی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ جانوروں نے علی بابا پر کون سے مزید تبصرے کئے۔ کیا قاسم مرجانا کی تیسری بہن سے شادی کرنے میں کامیاب ہو سکا؟ کیا علی بابا اور مسز علی بابا سر اور لیڈی علی بابا بن سکے؟

اس کا ذکر کبھی آئندہ سُرمۂ چشمِ نظارہ گیانِ با تمکین ہو گا۔ ہر سخن سنج ذی فہم اس کا شائق ہو گا۔ اور یہ کلامِ بلاغت نظامِ پسندیدہ خلائق ہو گا۔ عجیب دلکش و دلآویز تحریر و تقریر ہو گی جو اپنی خوبیوں میں اپنی آپ ہی نظیر ہو گی۔ کہ اب تک چشمِ فلک نے یہ ایں پیرانہ سالی عینکِ مہر و ماہ لگا کر کبھی نہ دیکھی ہو گی۔ زیادہ مدحت طرازی فضول ہے۔ خود ستائی پر محمول ہے

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را

محمد اقبال [illegible] وفتر زبرت دسمبر ۱۹۴۷ [illegible]۔